یعنی

احادیثِ نبوی کا ایک جدید اور جامع انتخاب

اردو ترجمہ اور تشریحات کے ساتھ

جلد سوم

کتاب الطہارۃ، کتاب الصلوٰۃ

تالیف

مولانا محمد منظور نعمانی

دار الاشاعت

تحفہ سنیاں دا علمائے عام دو ثبت اسے پیغام دو

پیشکش

اُن سب اخوان دینی کی خدمت میں ـــــــ جو "نبی امی" سیدنا حضرت محمد

عربی (فداہ امی وابی وروحی وقلبی) ﷺ پر ایمان رکھتے ہیں

اور آپ ﷺ کی ہدایت اور اسوۂ حسنہ کی پیروی ہی میں اپنی اور تمام اولاد آدم

علیہ السلام کی نجات کا یقین رکھتے ہیں

اور اس لئے آپ ﷺ کی تعلیم اور طرز زندگی سے صحیح واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہیں

آئیے

علم و تصور ہی کے راستے سے مجلس نبوی ﷺ میں حاضر ہو کر

آپ ﷺ کے ارشادات سنیں

اور

اس چشمۂ انوار سے

اپنے تاریک دلوں کیلئے روشنی حاصل کریں

عاجز و عاصی

پھر جن لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کا زمانہ نصیب نہیں ہوا اور انھوں نے آپ ﷺ کے فیض یافتہ صحابۂ کرام کو پایا انھوں نے معلومات و محفوظات کا وہ سارا ذخیرہ ان سے حاصل کیا۔ اس دور میں (یعنی دورِ تابعین میں) خلیفۂ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی خاص توجہ اور تحریک سے کتابی شکل میں صحابۂ کرامؓ کی روایت سے احادیث کی جمع و تدوین کا کام شروع ہوا۔ ①

چنانچہ ابن شہاب زہریؒ اور ہمام بن منبہؒ جیسے علماء تابعین نے اس کام کا آغاز کیا پھر ان کے تلامذہ میں اس کا عام رواج ہو گیا۔

اس دور کی مرتب کی ہوئی کتابوں میں سے امام مالکؒ کی مؤطا آج تک متداول ہے۔ اس کے علاوہ جو بہت سے مجموعے اس دور میں مرتب ہوئے تھے وہ مستقل صورت میں اگرچہ آج سامنے نہیں ہیں لیکن بعد سے تیار شدہ مجموعوں میں وہ پورا علمی سرمایہ محفوظ ہو گیا۔

اس دور کے بعد امام عبدالرزاقؒ، امام ابن ابی شیبہؒ، امام احمدؒ اور حافظ الحدیث حمیدیؒ جیسے سیکڑوں حضرات نے اپنے اپنے انداز پر اس کام کو آگے بڑھایا۔

ان کے بعد امام بخاریؒ، امام مسلمؒ اور اصحاب سنن کا زمانہ آیا، انھوں نے اس سلسلے میں وہ کام کیا جو ان کی مرتب کی ہوئی کتب صحاح کی شکل میں آج ہمارے سامنے ہے۔

ان کے بعد انہی کے طرز پر حدیث کے بعض اور مجموعے تیار ہوئے اور حدیث کی روایت اور تدوین و حفاظت کا یہ کام کئی صدی مسلسل اسی طرح ہوتا رہا۔ ساتھ ہی راویوں کی تنقید اور جرح و تعدیل کا کام بھی خاص اہتمام سے ہوتا رہا، اور اس کے نتیجے میں چالیس پچاس ہزار راویانِ حدیث کے حوالے سے متعلق اسماء الرجال کے عنوان سے ایک مستقل فن ایک پورا کتب خانہ تیار ہو گیا۔

اس کے ساتھ احادیث سے اصول و احکام کے استخراج و استنباط کا کام بھی برابر ہوتا رہا، جس کا ابتدائی نمونہ امام مالکؒ، امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ اور امام شافعیؒ کی کتابوں میں دیکھا جا سکتا ہے، اور امام بخاریؒ کے تراجم ابواب تو اس کی بہترین مثال ہیں۔

بعد کی صدیوں میں ہر دور کے علماء امت نے احادیث کے ان مجموعوں اور ان ہی سے مرتب ہونے والی دوسری مؤلفات کو اپنی خدمت اور توجہ کا مرکز بنایا اور ہر زمانہ میں اس کی ضرورت اور اہل زمانہ کے مذاق کے مطابق ان کی شرحیں لکھی گئیں، اور یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔

ہمارے اس زمانے کی غالباً سب سے اہم ایک خصوصیت یہ ہے کہ مغربی علوم و نظریات کی ترقی اور

(گذشتہ سے پیوستہ)
کی اجازت چاہی تھی اور آپ ﷺ نے مجھے اس بات کی اجازت دی تھی۔
(حاشیہ صفحہ ہٰذا)

① عمر بن عبدالعزیزؒ نے مدینہ طیبہ کے اپنے امیر اور قاضی ابو بکر بن حزم کو لکھا تھا: انظر ما كان من حديث رسول الله ﷺ فاكتبه فإني خفت دروس العلم وذهاب العلماء

اشاعت نے پوری انسانی دنیا کی طرز فکر اور علمی مزاج کو زیادہ متاثر کیا ہے اسلئے تعلیمات محمدی ﷺ کے ترجمانی کے امینوں کی یہ خاص ذمہ داری ہے کہ وہ اس ذہنی و فکری تبدیلی کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس چودہویں صدی کے سامنے رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات و ہدایت کو پیش کریں۔

اللہ تعالیٰ نے اب سے دو سو سال پہلے ٹھیک اس وقت جبکہ ان مغربی علوم و افکار کی ترقی کا آغاز ہو رہا تھا اس کام کی بنیاد حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں سے رکھوا دی تھی۔ انکی بے نظیر کتاب "حجۃ اللہ البالغۃ" میں اس کام کے کرنے والوں اور اس راہ پر چلنے والوں کیلئے پوری روشنی موجود ہے۔ اس عاجز کا خیال ہے کہ حدیث و سنت کے بارے میں ہمارے اس دور کے ذہنوں کو مطمئن کرنے کا جیسا سامان اس کتاب میں ہے ایسا پورے اسلامی کتب خانہ کی کسی دوسری کتاب میں نہیں ہے۔

اس عاجز نے چونکہ چودہویں صدی کے ذہن اور اس دور کی خصوصیت کو سامنے رکھکر اردو میں شرح حدیث کا یہ سلسلہ شروع کیا تھا جس کی یہ تیسری جلد اب شائع ہو رہی ہے اس لئے اس میں دوسری شرح حدیث کی بہ نسبت زیادہ استفادہ "حجۃ اللہ البالغۃ" ہی سے کیا گیا ہے۔

اس کتاب میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ نے حدیث کے مقاصد و مطالب کی وضاحت اور انکی حکمت کے بیان میں جو طریقہ اختیار کیا ہے اسکی ایک خصوصیت یہی ہے کہ اس سے اس دور کے ذہن بھی پوری طرح مطمئن ہو سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ دوسری بڑی اہم خصوصیت اس کی یہ ہے کہ انکی روشنی میں امت کے فقہاء و مجتہدین کے فقہی و اجتہادی اختلافات کی اصل نوعیت سامنے آجاتی ہے اور ایسا نظر آنے لگتا ہے کہ ان ائمہ کے یہ تمام فقہی مسالک ایک درخت کی قدرتی شاخیں یا ایک ہی دریا سے نکلنے والی نہریں ہیں ان سب کا سرچشمہ ایک ہی ہے، اور ان میں کوئی تضاد اور حقیقی اختلاف نہیں ہے۔ افسوس ہے کہ ہماری درسگاہوں میں ابھی تک یہ ولی اللہی طریقہ رواج نہیں پا سکا، حالانکہ ہمارے اس دور کیلئے اللہ تعالیٰ کی یہ خاص الخاص نعمت ہے۔

معارف الحدیث کی یہ تیسری جلد ابواب طہارت اور ابواب صلوٰۃ پر مشتمل ہے۔ اس میں بہت سی حدیثیں ان مسائل سے متعلق بھی بہ کثرت آئی ہیں کہ جن میں فقہاء کے مسالک مختلف ہیں۔ اس عاجز نے ان کی تشریح میں شاہ صاحب ہی کے اصولی طریقے کی پیروی کی ہے۔

اس جلد سے متعلق چند ضروری باتیں

معارف الحدیث کی پہلی جلد میں ایمان و آخرت سے متعلق، اور دوسری تزکیہ قلب و نفس اور اصلاح اخلاق سے متعلق احادیث مرتب کر کے پیش کی گئی تھیں۔ اس تیسری جلد میں اسلام کے پورے نظام عبادت یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور ذکر و دعا کے ابواب کی حدیثیں جمع کرنے کا ارادہ تھا لیکن صرف نماز اور طہارت کے ابواب کے صفحات پانچ سو کے قریب ہو گئے اسلئے اس جلد کو اسی پر تمام کر دینا پڑا، باقی حصہ ان شاء اللہ چوتھی جلد میں پیش ہوگا، اندازہ یہ ہے کہ اسکی ضخامت بھی اتنی ہی ہو جائیگی۔

پہلی جلد ۱۳۷۳ھ میں شائع ہوئی تھی، دوسری اسکے تین سال بعد ۱۳۷۶ھ میں شائع ہوئی تھی، یہ

اپنے با توفیق ناظرین سے آخری گزارش و وصیت

پچھلی دونوں جلدوں کے دیباچہ میں بھی کی گئی تھی اور اب بھی یہی ہے۔ کہ حدیث نبوی کا مطالعہ صرف اضافۂ معلومات کیلئے اور علمی سیر کے طور پر ہرگز نہ کیا جائے بلکہ آنحضرت کے ساتھ اپنے ایمانی تعلق کو تازہ کرنے کیلئے اور رشد و ہدایت حاصل کرنے اور عمل کرنے کی نیت سے کیا جائے، نیز درس و مطالعہ کے وقت رسول اللہ کی عظمت و محبت کو دل میں بیدار کیا جائے اور اس طرح ادب اور توجہ سے پڑھا یا سنا جائے کہ گویا حضور کی مجلس مبارک میں ہم حاضر ہیں اور آپ فرما رہے ہیں اور ہم سن رہے ہیں۔ اگر ایسا کیا گیا تو قلب و روح کو ان انوار و برکات اور ایمانی کیفیات کا کچھ نہ کچھ حصہ انشاء اللہ ضرور نصیب ہوگا جو عہد نبوی کے ان خوش نصیبوں کو حاصل ہوتی تھیں جن کو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت سے براہ راست روحانی و ایمانی استفادہ کی دولت عطا فرمائی تھی۔ آخری کلمہ اللہ کی حمد ہے اور اس خدمت کے اتمام کے لئے حسن توفیق کی استدعا —— اور خطاؤں اور گناہوں کی معافی کی التجا اللہ کی رحمت اور اس کے بندوں کی دعاؤں کا محتاج و طلبگار۔

عاجز و گنہگار بندہ

محمد منظور نعمانی

یکم رمضان ۱۳۸۴ھ ۵ جنوری ۱۹۶۵

معارف الحدیث

جلد دوم —— حصہ سوم

کتاب الطہارت

کتاب الطہارت

طہارت و پاکیزگی کی حقیقت اور دین میں اس کا مقام

اسلام میں طہارت و پاکیزگی کی حیثیت صرف یہی نہیں ہے کہ وہ نماز، تلاوت قرآن اور طواف کعبہ جیسی عبادات کے لئے لازمی شرط ہے، بلکہ قرآن و حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بجائے خود بھی دین کا ایک اہم شعبہ اور بذات خود بھی مطلوب ہے۔ قرآن مجید کی آیت "إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ" [1] (اللہ توبہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے اور پاک و صاف رہنے والے اپنے بندوں کو محبوب رکھتا ہے)۔

اور قبا کی بستی میں رہنے والے اہل ایمان کی تعریف میں قرآن مجید کا ارشاد "فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ" [2] (اس میں ہمارے ایسے بندے ہیں جو بڑے پاکیزگی پسند ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب پاک و صاف رہنے والے بندوں سے محبت کرتا ہے)۔ صرف ان ہی دو آیتوں سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اسلام میں طہارت و پاکیزگی کی بجائے خود کتنی اہمیت ہے۔ اسی طرح آگے پہلے ہی نمبر پر صحیح مسلم کی جو حدیث درج کی جا رہی ہے اس کا پہلا فقرہ ہے "الطُّهُورُ شَطْرُ الْإِيمَانِ" جس کا لفظی ترجمہ ہی یہ ہے کہ طہارت و پاکیزگی اسلام کا ایک اہم جز ہے، جس کا ایک اہم جزو ہے۔ اور ایک دوسری حدیث میں اس کو "نصف الایمان" فرمایا گیا۔ ہمارے استاذ الاساتذہ امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ کی ایک نفیس تحقیق قابل ذکر ہے، اپنی بے نظیر کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" میں فرماتے ہیں:

> "کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے خاص فضل سے یہ حقیقت سمجھا دی ہے کہ فلاح و سعادت جس شاہراہ کی طرف انبیاء علیہم السلام کی بعثت ہوئی (جس کا نام شریعت ہے) اگرچہ اس کے بہت سے ابواب ہیں اور ہر باب کے تحت سینکڑوں احکام ہیں لیکن اپنی اس بے پناہ کثرت کے باوجود وہ سب کی سب ان چار اصولی عنوانوں کے تحت آتے ہیں۔ طہارت، اخبات، سماحت، عدالت۔" [3]

پھر شاہ صاحب نے ان میں سے ہر ایک کی حقیقت بیان کی ہے جس کے مطالعہ کے بعد یہ بات بالکل واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ بلا شبہ ساری شریعت بس ان ہی چار حصوں میں منقسم ہے۔ یہاں ہم شاہ صاحب کے کلام سے صرف اس حصے کا خلاصہ درج کرتے ہیں جس میں انہوں نے طہارت کی حقیقت بیان فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں کہ:

> ایک سلیم الفطرت اور صحیح المزاج انسان جس کا قلب بہیمیت کے سفلی تقاضوں سے مغلوب اور ان میں مشغول نہ ہو، جب وہ کسی نجاست سے آلودہ ہو جاتا ہے یا اس کو پیشاب پاخانہ کا سخت تقاضا ہوتا ہے یا وہ صنفی عمل سے فارغ ہوتا ہے تو وہ اپنے نفس میں ایک خاص قسم کی انقباض، تکدر اور گرانی سے محسوس

---

[1] بقرہ ۲: ۲۲۲　[2] توبہ ۹: ۱۰۸　[3] باب الاصول التی یرجع الیہا تحصیل الطریقۃ الثانیۃ ملخصاً

طہارت جزو ایمان ہے

عَنْ أَبِي مَالِكٍ الْأَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ الطُّهُورُ شَطْرُ الْإِيمَانِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ تَمْلَأُ الْمِيزَانَ وَسُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ تَمْلَآنِ أَوْ تَمْلَأُ مَا بَيْنَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالصَّلٰوةُ نُورٌ وَالصَّدَقَةُ بُرْهَانٌ وَالصَّبْرُ ضِيَاءٌ وَالْقُرْآنُ حُجَّةٌ لَكَ أَوْ عَلَيْكَ كُلُّ النَّاسِ يَغْدُو فَبَائِعٌ نَفْسَهُ فَمُعْتِقُهَا أَوْ مُوبِقُهَا. (رواه مسلم)

ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ طہارت و پاکیزگی جزو ایمان ہے اور کلمہ الحمد للہ میزان عمل کو بھر دیتا ہے اور سبحان اللہ والحمد للہ بھر دیتے ہیں آسمانوں کو اور زمین کو، اور نماز نور ہے اور صدقہ دلیل و برہان ہے اور صبر اجالا ہے اور قرآن یا تو حجت ہے تمہارے حق میں یا حجت ہے تمہارے خلاف، ہر آدمی صبح کرتا ہے پھر وہ اپنی جان کا سودا کرتا ہے پھر یا تو اسے نجات دلا دیتا ہے یا اس کو ہلاک کر دیتا ہے۔ (صحیح مسلم)

جیسا کہ ظاہر ہے کہ یہ حدیث رسول اللہ ﷺ کا ایک خطبہ ہے جس میں آپ ﷺ نے دین کے بہت سے حقائق بیان فرمائے ہیں، یہاں صرف پہلا جزو اور پہلا فقرہ (الطُّهُورُ شَطْرُ الْإِيمَانِ) طہارت سے متعلق ہے اور اسی وجہ سے یہ حدیث کتب حدیث میں "کتاب الطہارۃ" میں درج کی جاتی ہے شطر کے معنی نصف اور آدھے کے ہیں بلکہ اسی مضمون کی ایک اور حدیث جو امام ترمذی نے ایک دوسرے صحابی سے روایت کی ہے اس میں "الطهور نصف الايمان"[1] ہی کے الفاظ ہیں، لیکن اس عاجز کے نزدیک شطر و نصف دونوں لفظوں کا مطلب یہاں یہی ہے کہ طہارت و پاکیزگی ایمان کا خاص جزو اور اس کا اہم شعبہ اور حصہ ہے اور حضرت شاہ ولی اللہ کا جو کلام اوپر نقل ہوا ہے اس سے یہ حقیقت اتنی واضح اور روشن ہو چکی ہے جس پر کسی اضافہ کی ضرورت نہیں۔

طہارت و پاکیزگی کی یہ اہمیت بیان فرمانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور تحمید کا اجر و ثواب اور اس کی فضیلت بیان فرمائی ہے، تسبیح یعنی سبحان اللہ کہنے کا مطلب اپنے اس یقین کا اظہار اور اس کی شہادت ادا کرنا ہوتا ہے کہ اللہ کی مقدس ذات ہر اس بات سے پاک اور برتر ہے جو اس کی شان الوہیت کے مناسب نہ ہو اور تحمید یعنی الحمد للہ کہنے کا مطلب اپنے اس یقین کا اظہار اور اس شہادت کا ادا کرنا ہوتا ہے کہ ساری خوبیاں اور سارے کمالات جن کی بنا پر کسی کی حمد و ثنا کی جا سکتی ہے صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات میں ہے اور اس لئے بس ساری حمد و ستائش بس اسی کے لئے ہے یہی تسبیح و حمد حق تعالیٰ کی نورانی اور معصوم مخلوق فرشتوں کا خاص وظیفہ ہے۔ قرآن مجید میں خود فرشتوں کا یہ بیان خود ان ہی کی زبانی نقل کیا گیا ہے نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ (خداوندا ہم تیری حمد و تسبیح میں مصروف رہتے ہیں)۔

پس انسانوں کے لئے بھی بہترین وظیفہ اور مقدس ترین شغل یہی ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے اور سارے عالم

---

[1] جامع ترمذی کتاب الدعوات ص ۱۹۰ ج ۲

کے خالق و پروردگار کی تسبیح کریں رسول اللہ ﷺ نے اسی ترغیب کے لئے اس حدیث میں فرمایا ہے کہ ایک کلمہ سبحان اللہ میزان عمل کو بھر دیتا ہے اور اس سبحان اللہ کے ساتھ الحمد للہ بھی مل جائے تو ان دونوں کا نور زمین و آسمان کی ساری فضاؤں کو معمور و منور کر دیتا ہے۔

[illegible] سے میزان اعمال کا بھر جانا اور "[illegible]" سے آسمان و زمین کا معمور ہو جانا یہ ان حقائق میں سے ہے جن کے ادراک کا حاسہ یہاں ہم کو نہیں دیا گیا۔ ہاں اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں پر اس قسم کی حقیقتوں کو کبھی کبھی یہاں بھی منکشف فرما دیتا ہے، ہم عوام کا حصہ یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بیان فرمائی ہوئی ان حقیقتوں پر ایمان لائیں، ان کا یقین کریں اور ان سے عمل کا فائدہ اٹھائیں۔ حمد و تسبیح کی اس فضیلت اور ترغیب کے بعد رسول اللہ ﷺ نے نماز کے بارے میں فرمایا ہے کہ "وہ نور ہے" اس دنیا میں نماز کی اس خصوصیت کا ظہور اس طرح ہوتا ہے کہ اس کی برکت سے قلب میں ایک نور پیدا ہوتا ہے جس کو اللہ کے وہ بندے خود محسوس کرتے ہیں جن کی نمازیں حقیقی نمازیں ہیں پھر اسی نور کا ایک اثر یہ ہوتا ہے کہ آدمی فواحش و منکرات سے بچتا رہتا ہے اسی کو قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے [illegible] (بلاشبہ نماز میں یہ خاصیت ہے کہ وہ آدمی کو فواحش و منکرات سے روکتی ہے) اور آخرت کی منزلوں میں نماز کی اس نورانیت کا ظہور اس طرح ہو گا کہ وہاں کی اندھیریوں میں نماز روشنی اور اجالا بن کر نمازی کے ساتھ ہو گی۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے [illegible] (اللہ کے نیک صالح بندوں کے آگے آگے اور داہنی جانب ان کے اعمال کا نور دوڑتا ہو گا)

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے صدقے کے بارے میں فرمایا کہ وہ دلیل و برہان ہے اس دنیا میں صدقے کے برہان ہونے کا مطلب بظاہر یہی ہو سکتا ہے کہ وہ اس امر کی کھلی ہوئی دلیل ہے کہ صدقہ کرنے والا بندہ مؤمن و مسلم ہے، اگر دل میں ایمان نہ ہو تو اپنی کمائی کا صدقہ کرنا آسان نہیں ہے [illegible] اور آخرت میں اس خصوصیت کا ظہور اس طرح ہو گا کہ صدقہ کرنے والے مخلص بندے کے صدقے کو اس کے ایمان اور اس کی خدا پرستی اور نشانی مان کر اس کو انعامات سے نوازا جائے گا۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے صبر کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ "[illegible]" یعنی روشنی اور اجالا ہے بعض حضرات نے نماز اور صدقہ کی مناسبت سے یہاں لفظ صبر سے مراد روزہ لیا ہے، لیکن ناچیز کے نزدیک راجح یہ ہے کہ صبر یہاں اپنے اصلی وسیع معنی ہی میں استعمال ہوا ہے قرآن و حدیث کی زبان میں صبر کے اصل معنی ہیں "اللہ کے حکم کے تحت نفس کی خواہشات کو دبانا اور اس راہ میں تلخیاں اور ناگواریاں برداشت کرتے رہنا" اس لحاظ سے صبر گویا پوری دینی زندگی کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے اور اس میں نماز، صدقہ، روزہ، حج اور جہاد اور ان کے علاوہ اللہ کے لئے اور دین کے احکام کی پابندی میں ہر قسم کی تکلیفیں برداشت کرنا اور اپنی نفسانی خواہشات کو دبائے رکھنا، سب ہی اس کے مفہوم میں داخل ہے اور اسی کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ یہ صبر "ضیاء" ہے قرآن مجید میں چاند کی روشنی کو "نور" اور سورج کی روشنی کو "ضیاء" فرمایا گیا ہے [illegible] اس لحاظ سے صبر اور نماز سے پیدا ہونے والی

روشنیوں میں نسبت ہوگی جو سورج اور چاند میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اسکے بعد رسول اللہ ﷺ نے قرآن مجید کے بارے میں فرمایا ہے کہ یا تو وہ تمہارے واسطے اور تمہارے حق میں دلیل ہو تمہارے خلاف! ــــ مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام اور اسکا ہدایت نامہ ہے اب اگر تمہارا تعلق اور رویہ اس کے ساتھ عظمت و احترام اور اتباع کا ہوگا جیسا کہ ایک صاحب ایمان کا ہونا چاہئے تو وہ تمہارے لئے شاہد و دلیل بنے گا اور اگر تمہارا رویہ اسکے برخلاف ہوگا تو پھر اسکی شہادت تمہارے خلاف ہوگی۔

ان تنبیہات و ترغیبات کے بعد رسول اللہ ﷺ نے آخر میں ارشاد فرمایا ہے کہ "اس دنیا کا ہر انسان خواہ وہ کسی حال اور کسی شغل میں زندگی گزار رہا ہو وہ روزانہ اپنے نفس اور اپنی جان کا سودا کرتا ہے، پھر یا تو وہ اسکو نجات دلانے والا ہے یا ہلاک کرنے والا ہے"۔ مطلب یہ ہے کہ انسان کی زندگی ایک مسلسل تجارت اور سوداگری ہے، اگر وہ اللہ کی بندگی اور رضا طلبی والی زندگی گزار رہا ہے تو اپنی ذات کیلئے بڑی اچھی کمائی کر رہا ہے اور اسکی نجات کا سامان فراہم کر رہا ہے اور اگر اسکے برعکس وہ نفس پرستی اور خدا فراموشی کی زندگی گزار رہا ہے تو وہ اپنی تباہی اور بربادی کما رہا ہے اور اپنی دوزخ بنا رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم کو ان حقیقتوں کا یقین نصیب فرمائے اور رسول اللہ ﷺ کی ان ترغیبات و تنبیہات سے فائدہ اٹھانے کی توفیق دے۔

عذابِ قبر

(۲) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَرَّ النَّبِيُّ ﷺ بِقَبْرَيْنِ فَقَالَ إِنَّهُمَا لَيُعَذَّبَانِ وَمَا يُعَذَّبَانِ فِي كَبِيْرٍ أَمَّا أَحَدُهُمَا فَكَانَ لَا يَسْتَتِرُ (وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ لَا يَسْتَنْزِهُ) مِنَ الْبَوْلِ وَأَمَّا الْآخَرُ فَكَانَ يَمْشِيْ بِالنَّمِيْمَةِ ثُمَّ أَخَذَ جَرِيْدَةً رَطْبَةً فَشَقَّهَا بِنِصْفَيْنِ ثُمَّ غَرَزَ فِيْ كُلِّ قَبْرٍ وَاحِدَةً قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لِمَ صَنَعْتَ هٰذَا؟ فَقَالَ لَعَلَّهُ أَنْ يُخَفَّفَ عَنْهُمَا مَالَمْ يَيْبَسَا (رواه البخاري و مسلم)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا گزر دو قبروں پر ہوا تو آپؐ نے فرمایا کہ یہ دو آدمی ان قبروں میں مدفون ہیں ان پر عذاب ہو رہا ہے، اور کسی ایسے گناہ کی وجہ سے یہ عذاب نہیں ہو رہا ہے جس کا معاملہ بہت مشکل ہوتا (یعنی جس سے بچنا بہت دشوار ہوتا بلکہ یہ دونوں اپنے ایسے گناہوں کی پاداش میں عذاب دیئے جا رہے ہیں جس سے بچنا کچھ مشکل نہ تھا) ان میں سے ایک کا گناہ تو یہ تھا کہ وہ پیشاب کی گندگی سے بچاؤ یا پاک رہنے کی کوشش اور فکر نہیں کرتا تھا اور دوسرے کا گناہ یہ تھا کہ چغلیاں لگاتا پھرتا تھا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے کھجور کی ایک تر شاخ لی اور اسکو بیچ سے چیر کر دو ٹکڑے کیے، پھر ہر ایک کی قبر پر ایک ٹکڑا گاڑ دیا۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ آپ نے کس مقصد سے کیا؟ آپؐ نے فرمایا امید ہے کہ جس وقت تک شاخ کے یہ ٹکڑے بالکل خشک نہ ہو جائیں ان دونوں کے عذاب میں تخفیف کر دی جائے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح ــــ عذاب قبر کے بارے میں اصولی بحث اس سلسلے کی پہلی جلد میں کی جاچکی ہے اور وہیں وضاحت سے

بھی ذکر کی جاچکی ہیں جن میں صراحۃً فرمایا گیا ہے کہ عذاب قبر کی چیخ و پکار کو آس پاس کی دوسری سب مخلوق سنتی ہے لیکن جن و انس عام طور سے نہیں سنتے اور وہیں اس کی حکمت بھی تفصیل سے بیان کی جاچکی ہے، نیز وہیں صحیح مسلم کی ایک حدیث نقل کی جاچکی ہے جس میں بعض قبروں کے عذاب پر رسول اللہ ﷺ کے مطلع ہونے کا ایک واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ پس یہ واقعہ جو اس حدیث میں بیان ہوا ہے یہ بھی اسی طرح کا ایک دوسرا واقعہ ہے اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو عالم غیب کی بہت سی ایسی چیزوں کا مشاہدہ کراتا ہے اور بہت سی ایسی آوازیں سنواتا ہے جن کو عام انسانوں کی آنکھیں اس عالم میں نہیں دیکھتیں اور ان کے کان نہیں سنتے۔ بہر حال یہ بھی اسی قبیل کی ایک چیز ہے۔

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں صاحبوں کے عذاب کا سبب ان کے دو خاص گناہوں کو بتایا ہے ایک کے متعلق بتایا کہ وہ چغلی کرتا تھا جو ایک سنگین اخلاقی جرم ہے اور قرآن مجید میں بھی ایک جگہ اس کا ذکر ایک کافرانہ خصلت یا منافقانہ عادت کے طور پر کیا گیا ہے۔ فرمایا گیا "لَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ ۞ هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيمٍ" [1] (قلم) اور کتب قدیمہ کے بہت بڑے عالم کعب احبار سے مروی ہے کہ توراۃ میں چغلخوری کو سب سے بڑا گناہ بتایا گیا ہے۔ [2] اور دوسرے کے عذاب کا سبب آپ نے یہ بتایا کہ وہ پیشاب کی گندگی سے بچاؤ اور پاک صاف رہنے میں بے احتیاطی کرتا (لَا يَسْتَتِرُ اور لَا يَسْتَنْزِهُ) دونوں کا حاصل مطلب یہی ہے، اور صحیح بخاری کی روایت میں اس واقعہ پر "لَا يَسْتَبْرِئُ" بھی آیا ہے اور حاصل اس کا بھی یہی ہے، بہر حال اس سے معلوم ہوا کہ پیشاب کی گندگی سے (اور اسی طرح دوسری ناپاکیوں سے) بچنا یعنی اپنے جسم اور اپنے کپڑوں کو محفوظ رکھنے کی کوشش کرنا اللہ تعالیٰ کے اہم احکامات میں سے ہے اور اس میں کوتاہی اور بے احتیاطی ایسی معصیت ہے کہ جس کی سزا آدمی کو قبر میں بھگتنی پڑے گی۔

آگے حدیث میں جو یہ ذکر ہے کہ آپ نے کھجور کی ایک تر شاخ منگوائی اور بیچ میں سے اس کے دو ٹکڑے کر کے ایک ایک ٹکڑا ان دونوں کی قبر پر گاڑ دیا اور بعض صحابہؓ نے جب اس کی بابت دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ "مجھے امید ہے کہ جب تک ان ٹکڑوں میں کچھ تری رہے گی اس وقت تک کیلئے ان کے عذاب میں تخفیف کر دی جائے گی" — اس کی ایک توجیہ بعض شارحین نے یہ ذکر کی ہے کہ کسی درخت کی شاخ میں جب تک کچھ تری یا نمی رہتی ہے اس وقت تک وہ زندہ رہتی ہے اور اس وقت تک وہ اللہ کی تسبیح و حمد کرتی رہتی ہے — گویا قرآن مجید کی آیت "وَإِنْ مِّنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ" کا مطلب ان حضرات کے نزدیک یہ ہے کہ ہر چیز اس وقت تک جب تک کہ اس میں کچھ زندگی ہو اللہ تعالیٰ کی حمد و تسبیح کرتی رہتی ہے اور جب اس چیز کی زندگی ختم ہو جاتی ہے تو اس کی حمد و تسبیح بھی ختم ہو جاتی ہے — بہر حال اسی بنا پر ان حضرات نے رسول اللہ ﷺ کے اس فعل اور آپ کے اس ارشاد کی توجیہ یہ کی ہے کہ آپ نے کھجور کی شاخ کے یہ ٹکڑے ان قبروں پر اسلئے گاڑے کہ ان کی تسبیح و حمد کی برکت سے عذاب میں تخفیف ہو جائے اور آپ نے ان ٹکڑوں

---

[1] اور مت مانو اس شخص کی بات جو (جھوٹ بولنے میں بے باک ایسا ہے کہ) بات بات پر قسمیں کھانے کا عادی ہے اور عیب چینی اور چغلخوری جس کا مشغلہ ہے۔ [2] ذكره شيخ عبد الحق في شرح المشكوة

کا قبرستان ہے... بہر حال ان سب قرائن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ قبریں مسلمانوں ہی کی تھیں... واللہ تعالیٰ اعلم۔

اس حدیث کا خاص سبق اور اس کی خاص ہدایت یہ ہے کہ پیشاب وغیرہ کی نجاست سے اپنے کو محفوظ رکھنے کی پوری کوشش اور فکر کی جائے اور جسم اور کپڑوں کے پاک صاف رکھنے کا اہتمام کیا جائے اور چغلخوری جیسی منافقانہ اور مفسدانہ عادت سے بچا جائے ورنہ ان دونوں باتوں میں کوتاہی اور بے احتیاطی کا خمیازہ بھگتنا ہوگا۔ اللّٰھُمَّ احْفَظْنَا.....

قضاء حاجت اور استنجاء سے متعلق ہدایات

(۳) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّمَا اَنَا لَكُمْ مِثْلُ الْوَالِدِ لِوَلَدِهٖ اُعَلِّمُكُمْ اِذَا اَتَيْتُمُ الْغَائِطَ فَلَا تَسْتَقْبِلُوا الْقِبْلَةَ وَلَا تَسْتَدْبِرُوْهَا، وَاَمَرَ بِثَلٰثَةِ اَحْجَارٍ وَّنَهٰى عَنِ الرَّوْثِ وَالرِّمَّةِ وَنَهٰى اَنْ يَّسْتَطِيْبَ الرَّجُلُ بِيَمِيْنِهٖ. (رواہ ابن ماجہ والدارمی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں تم لوگوں کے لئے مثل ایک باپ کے ہوں اپنی اولاد کیلئے (یعنی جس طرح اولاد کی خیر خواہی اور انکو زندگی کے اصول و آداب سکھانا ہر باپ کی ذمہ داری ہے اسی طرح تمہاری تعلیم و تربیت میرا کام ہے اسلئے) میں تمہیں بتاتا ہوں کہ جب تم قضائے حاجت کیلئے جاؤ تو قبلہ کی طرف منہ کر کے بیٹھو نہ اسکی طرف پشت (بلکہ اسطرح بیٹھو کہ قبلہ کی جانب نہ تمہارا منہ ہو نہ تمہاری پیٹھ) (حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ) اور آپ نے استنجے میں تین پتھروں کے استعمال کرنے کا حکم دیا اور منع فرمایا استنجے میں لید اور ہڈی استعمال کرنے سے اور منع فرمایا اپنے ہاتھ سے استنجا کرنے سے۔

(۴) عَنْ سَلْمَانَ قَالَ قِيْلَ لَهٗ قَدْ عَلَّمَكُمْ نَبِيُّكُمْ (ﷺ) كُلَّ شَيْءٍ حَتَّى الْخِرَاءَةَ قَالَ فَقَالَ اَجَلْ لَقَدْ نَهَانَا اَنْ نَّسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةَ لِغَائِطٍ اَوْ بَوْلٍ اَوْ اَنْ نَّسْتَنْجِيَ بِالْيَمِيْنِ اَوْ اَنْ نَّسْتَنْجِيَ بِاَقَلَّ مِنْ ثَلٰثَةِ اَحْجَارٍ اَوْ اَنْ نَّسْتَنْجِيَ بِرَجِيْعٍ اَوْ بِعَظْمٍ.. (رواہ مسلم)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ سے روایت ہے بیان فرماتے ہیں کہ (بعض مشرکوں کی طرف سے تمسخر اور طنز کے طور پر) ان سے کہا گیا کہ تمہارے پیغمبرؐ نے تو ﷺ تم لوگوں کو ساری ہی باتیں سکھائی ہیں۔ یہاں تک کہ پاخانہ پھرنے کا طریقہ بھی! حضرت سلمان نے ان سے کہا ہاں بیشک (انھوں نے ہم کو سب ہی کچھ سکھایا ہے اور استنجے کے متعلق بھی ضروری ہدایتیں دی ہیں۔ چنانچہ) انھوں نے ہم کو اس سے منع فرمایا ہے کہ پاخانہ یا پیشاب کے وقت ہم قبلہ کی طرف رخ کریں یا یہ کہ ہم داہنے ہاتھ سے استنجا کریں یا یہ کہ ہم استنجے میں تین پتھروں سے کم استعمال کریں یا یہ کہ ہم استنجا کریں (اونٹ گھوڑے یا بیل وغیرہ) کسی چوپائے کے فضلے یا ہڈی سے۔

جس طرح کھانا پینا انسان کی بنیادی ضرورتوں میں سے ہے اسی طرح پاخانہ پیشاب بھی ہر انسان کے ساتھ لگا ہوا ہے۔ پس برحق حضرت محمد ﷺ نے جس طرح زندگی کے دوسرے کاموں اور شعبوں میں

عن أبي هريرة قال كان النبي ﷺ إذا أتى الخلاء أتيته بماء في تور أو ركوة فاستنجى ثم مسح يده على الأرض ثم أتيته بإناء آخر فتوضأ۔

تشریح ..... مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ پتھر وغیرہ سے استنجا کرنے کے بعد پانی سے بھی طہارت فرماتے تھے، پھر اس کے بعد ہاتھ کو زمین پر مل کر دھوتے تھے، اس کے بعد وضو بھی فرماتے تھے۔ حدیث کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ کے استنجے اور وضو کیلئے پانی لا کر دینے کی سعادت عموماً مجھے حاصل ہوتی تھی۔ صحیحین کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس خدمت میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی خاص حصہ تھا۔

جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا آپ کی عادت مبارکہ یہی تھی کہ قضائے حاجت اور استنجے سے فارغ ہو کر وضو بھی فرماتے تھے۔ لیکن کبھی کبھی یہ ظاہر کرنے کیلئے کہ یہ وضو کرنا صرف اولیٰ و افضل ہے فرض یا واجب نہیں ہے آپ نے اسکو ترک بھی کیا۔ چنانچہ سنن ابی داؤد اور سنن ابن ماجہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ پیشاب سے فارغ ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وضو کے لئے پانی لے کر کھڑے ہوگئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "عمر یہ کیا ہے، کس کیلئے پانی لئے کھڑے ہو؟" حضرت عمرؓ نے عرض کیا، آپ کے وضو کیلئے پانی لایا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ میں اسکے لئے مامور نہیں ہوں کہ جب پیشاب کروں تو ضروری وضو کروں اور اگر میں پابندی اور مداومت کروں تو امت کیلئے ایک قانون اور دستور بن جائیگا۔

اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ مسنون کی صحیح حیثیت اپنے عمل سے واضح کرنے کیلئے اور امت کو غلط فہمی اور مشقت سے بچانے کیلئے کبھی کبھی اولیٰ و افضل کو ترک بھی فرما دیتے تھے۔

٦) عَنْ اَبِىْ اَيُّوْبَ وَ جَابِرٍ وَ اَنَسٍ اَنَّ هٰذِهِ الْاٰيَةَ لَمَّا نَزَلَتْ فِيْهِ رِجَالٌ يُحِبُّوْنَ اَنْ يَتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَا مَعْشَرَ الْاَنْصَارِ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَثْنٰى عَلَيْكُمْ فِى الطُّهُوْرِ فَمَا طُهُوْرُكُمْ قَالُوْا نَتَوَضَّأُ لِلصَّلٰوةِ وَ نَغْتَسِلُ مِنَ الْجَنَابَةِ وَ نَسْتَنْجِىْ بِالْمَاءِ قَالَ فَهُوَ ذَاكَ فَعَلَيْكُمُوْهُ۔ (رواه ابن ماجه)

ترجمہ: حضرت ابو ایوب انصاری اور حضرت جابر اور حضرت انس رضی اللہ عنہم سے روایت ہے تینوں حضرات بیان فرماتے ہیں کہ مسجد قبا کے بارہ میں جب (سورۂ توبہ) کی یہ آیت نازل ہوئی "فيه رجال يحبون ان يتطهروا والله يحب المطهرين" (اس مسجد میں ہمارے ایسے بندے ہیں جو پاکیزگی پسند کرتے ہیں اور اللہ ایسے پاکیزگی پسند لوگوں سے محبت کرتا ہے) تو رسول اللہ ﷺ نے (اس مسجد میں نماز پڑھنے والے اور اسکو آباد کرنے والے انصار سے) فرمایا، اے گروہ انصار اللہ تعالیٰ نے طہارت و پاکیزگی کے بارے میں تمہاری تعریف فرمائی ہے تو وہ تمہاری کیا صفائی اور پاکیزگی ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ (طہارت و پاکیزگی کی کوئی خاص بات اس کے سوا تو ہم اپنے میں نہیں پاتے) کہ نماز کیلئے وضو کرتے ہیں، جنابت کا غسل کرتے ہیں اور پانی سے استنجا کرتے ہیں (یعنی صرف پتھر وغیرہ کے استعمال پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ بعد میں پانی سے بھی استنجا کرتے ہیں) آپ نے فرمایا بس یہی بات

ہے، پس تم اسکو اپنے اوپر لازم کرلو۔

عرب کے بہت سے لوگ صرف ڈھیلے پتھر سے استنجا کرنے پر اکتفا کرتے تھے اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ (موٹی جھوٹی غذا اور ماحول کی درشتی کی وجہ سے) ان لوگوں کو اجابت اونٹ کی مینگنیوں کی طرح خشک ہوتی تھی اسلئے استنجے میں انکو پانی کے استعمال کی خاص ضرورت بھی نہیں ہوتی تھی۔ اور پتھر کے استعمال پر اکتفا کر لیتے تھے لیکن انصار کی عادت پانی کے استعمال کی بھی تھی، قرآن مجید میں انکی اس پاکیزگی پسندی کی تحسین و تعریف نازل ہوئی اور رسول اللہ ﷺ نے انکو ہدایت فرمائی کہ وہ اسکو اپنے اوپر لازم کرلیں —— اور خود آپکا طرز عمل تو یہ تھا ہی —— الغرض قرآن مجید نے اور رسول اللہ ﷺ کے ارشاد اور طرز عمل نے امت مسلمہ کو ہدایت دی کہ اگر بالفرض کسی کا حال یہ ہو کہ اجابت کی خشکی کی وجہ سے ڈھیلے، پتھر وغیرہ کا استعمال کافی ہو، تب بھی وہ پانی سے استنجا کرے اور ہاتھ کو مٹی وغیرہ سے مانجھے، پاکیزگی پسندی کا تقاضا یہی ہے اور اللہ تعالیٰ کو یہی طریقہ پسند ہے۔

۷) **عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ اِتَّقُوا اللَّاعِنَيْنِ قَالُوْا وَمَا اللَّاعِنَانِ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ الَّذِي يَتَخَلّٰى فِي طَرِيْقِ النَّاسِ أَوْ فِي ظِلِّهِمْ ـ**

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لعنت کا سبب بننے والی دو باتوں سے بچو، صحابہؓ نے عرض کیا کہ حضرت! وہ دو باتیں کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ ایک یہ کہ آدمی لوگوں کے راستے میں قضائے حاجت کرے اور دوسرے یہ کہ ان کے سائے کی جگہ میں ایسا کرے۔

مطلب یہ کہ لوگ جس راستے پر چلتے ہوں یا سائے کی جگہ آرام کرنے کے لئے بیٹھتے ہوں اگر کوئی گنوار آدمی وہاں قضائے حاجت کرے گا تو لوگوں کو اس سے اذیت اور تکلیف پہنچے گی اور وہ اسکو برا بھلا کہیں گے اور لعنت کریں گے۔ لہٰذا ایسی باتوں سے بچنا چاہئے —— اور سنن ابی داؤد میں حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ سے بھی اس مضمون کی ایک حدیث مروی ہے اس میں راستے اور سائے کے علاوہ ایک تیسری جگہ موارد کا بھی ذکر ہے۔ جس سے مراد وہ مقامات ہیں جہاں پانی کا کوئی انتظام ہو اور اسکی وجہ سے لوگ وہاں آتے ہوں۔ اصل مقصد حضور ﷺ کی ہدایت کا بس یہ ہے کہ اگر گھر کے علاوہ جنگل وغیرہ میں ضرورت پیش آجائے تو ایسی جگہ تلاش کرنی چاہئے جہاں لوگوں کی آمد و رفت نہ ہو اور انکے لئے باعث تکلیف نہ بنے۔

۸) **عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا أَرَادَ الْبَرَازَ انْطَلَقَ حَتّٰى لَا يَرَاهُ أَحَدٌ ـ** (رواہ ابو داؤد)

حضرت ابو ایوب انصاری اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا دستور تھا کہ جب آپ کو قضائے حاجت کے لئے باہر جانا ہوتا تو اتنی دور اور ایسی جگہ تشریف لے جاتے کہ کسی کی نظر آپ پر نہ پڑ سکتی۔ (سنن ابی داؤد)

اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں شرم و حیا اور شرافت کا جو مادہ ودیعت رکھا ہے اسکا تقاضا ہے کہ

انسان اس کی کوشش کرے کہ اپنے اس قسم کی بشری ضرورتیں اس طرح پوری کرے کہ کوئی آنکھ اس کو نہ دیکھے، اگرچہ اس کیلئے اسکو دور سے دور جانے کی تکلیف اٹھانی پڑے۔ یہی رسول اللہ ﷺ کا عمل تھا اور یہی آپ کی تعلیم تھی۔

(۹) **عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ فَأَرَادَ أَنْ يَبُولَ فَأَتَى دَمِثًا فِي أَصْلِ جِدَارٍ فَبَالَ ثُمَّ قَالَ إِذَا أَرَادَ أَحَدُكُمْ أَنْ يَبُولَ فَلْيَرْتَدْ لِبَوْلِهِ —** (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا، آپ کو پیشاب کا تقاضا ہوا تو آپ ایک دیوار کے نیچے نرم اور نشیبی زمین کی طرف آئے اور وہاں پیشاب سے فارغ ہوئے۔ آپ نے فرمایا جب تم میں سے کسی کو پیشاب کرنا ہو تو اس کے لئے مناسب جگہ تلاش کرے۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح: — مطلب یہ ہے کہ پیشاب کیلئے ایسی جگہ تلاش کر کے بیٹھنا چاہئے جہاں پردہ بھی ہو اور اپنے اوپر چھینٹے پڑنے کا خطرہ نہ ہو اور بہتی بھی نکلتا نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ کی بیشمار رحمتیں اسکے اس پیغمبر ﷺ پر جس نے امت کو پیشاب پاخانے تک کے آداب سکھائے۔

(۱۰) **عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لَا يَبُولَنَّ أَحَدُكُمْ فِي مُسْتَحَمِّهِ ثُمَّ يَغْتَسِلُ فِيهِ أَوْ يَتَوَضَّأُ فِيهِ فَإِنَّ عَامَّةَ الْوَسْوَاسِ مِنْهُ —** (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہدایت فرمائی کہ تم میں سے کوئی ہرگز ایسا نہ کرے کہ اپنے غسل خانے میں پہلے پیشاب کرے پھر اس میں غسل یا وضو کرے اکثر وسوسے اسی سے پیدا ہوتے ہیں۔

تشریح: — مطلب یہ کہ ایسا کرنا بہت ہی غلط اور بڑی بد تمیزی کی بات ہے کہ آدمی اپنے غسل کرنے کی جگہ میں پہلے پیشاب کرے اور پھر وہیں غسل یا وضو کرے، ایسا کرنے کا ایک برا نتیجہ یہ ہے کہ اس سے پیشاب کی چھینٹوں کے وسوسے پیدا ہوتے ہیں — اس آخری جملے سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کا تعلق اسی صورت سے ہے کہ جب غسل خانہ میں پیشاب کے بعد غسل یا وضو کرنے سے ناپاک جگہ کی چھینٹوں کے اپنے اوپر پڑنے کا اندیشہ ہو ورنہ اگر غسل خانہ کی بناوٹ ایسی ہے کہ اس میں پیشاب کیلئے الگ جگہ بنی ہوئی ہے یا اسکا فرش ایسا بنایا گیا ہے کہ پیشاب کرنے کے بعد پانی بہا دینے سے اسکی پوری صفائی اور طہارت ہو جاتی ہے تو پھر اسکا حکم یہ نہیں ہے۔

(۱۱) **عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ سَرْجِسَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لَا يَبُولَنَّ أَحَدُكُمْ فِي جُحْرٍ** (رواہ ابو داؤد والنسائی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی ہرگز کسی سوراخ میں پیشاب نہ کرے۔ (سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

جنگل میں اور اسی طرح گھروں میں جو سوراخ ہوتے ہیں وہ عموماً حشرات الارض کے ہوتے ہیں۔ اگر کوئی گنوار آدمی یا نادان بچہ کسی سوراخ میں پیشاب کرے تو ایک تو اس میں رہنے والے حشرات الارض کو بے ضرورت اور بے فائدہ تکلیف ہوگی دوسرے یہ بھی خطرہ ہے کہ وہ سوراخ سانپ یا بچھو جیسی کسی زہریلی چیز کا ہو اور وہ اچانک نکل کر کاٹ لے ایسے واقعات بکثرت نقل بھی کئے گئے ہیں بہرحال، رسول اللہ ﷺ نے (جو امت کے ہر طبقے کے لئے اصل مربی اور معلم ہیں) سوراخ میں پیشاب کرنے سے انہی وجوہ سے تاکید منع فرمایا ہے۔

قضاء حاجت کے مقام پر جانے کی دعا

۱۲) **عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ هٰذِهِ الْحُشُوْشَ مُحْتَضَرَةٌ فَإِذَا أَتٰى أَحَدُكُمُ الْخَلَاءَ فَلْيَقُلْ أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ** — (رواہ ابو داؤد و ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حاجت کے ان مقامات میں خبیث مخلوق شیاطین وغیرہ رہتے ہیں، پس تم میں سے کوئی جب بیت الخلاء جائے تو چاہئے کہ پہلے یہ دعا کرے کہ میں اللہ کی پناہ لیتا ہوں خبیثوں سے اور خبیثنیوں سے۔ (سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

تشریح: ...... جس طرح ملائکہ کو طہارت و نظافت اور ذکر اللہ سے اور ذکر و عبادت کے مقامات سے خاص مناسبت ہے اور وہیں ان کا جی لگتا ہے اسی طرح شیاطین جیسی خبیث مخلوقات کو گندگیوں سے اور گندے مقامات سے خاص مناسبت ہے اور وہی ان کے مراکز اور ان کے مقامات ہیں اس لئے رسول اللہ ﷺ نے امت کو یہ تعلیم دی کہ قضائے حاجت کی مجبوری سے جب کسی کو ان گندے مقامات میں جانا ہو تو پہلے وہاں رہنے والے خبیثوں اور خبیثنیوں کے شر سے اللہ کی پناہ مانگ لے اس کے بعد وہاں قدم رکھے ... ہم عوام کا حال یہ ہے کہ نہ ذکر و عبادت کے مقامات میں ہم فرشتوں کی آمد اور ان کا نزول محسوس کرتے ہیں اور نہ گندے مقامات پر ہمیں شیاطین کے وجود کا احساس ہوتا ہے لیکن صادق و مصدوق حضرت محمد ﷺ نے اس کی خبر دی ہے اور اللہ کے بعض بندے اس کے خاص فضل سے ان حقیقتوں کو کبھی کبھی خود بھی اسی طرح محسوس کرتے ہیں اور اس سے ان کے ایمان میں بڑی ترقی ہوتی ہے۔

قضاء حاجت سے فارغ ہونے کے بعد کی دعا

۱۳) **عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَرَجَ مِنَ الْخَلَاءِ قَالَ "غُفْرَانَكَ"** (رواہ الترمذی و ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا دستور تھا کہ جب آپ حاجت سے فارغ ہو کر بیت الخلاء سے باہر آتے تو اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے "غُفْرَانَكَ" (اے اللہ تیری پوری مغفرت کا طالب و سائل ہوں۔) (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

تشریح: ...... قضاء حاجت سے فارغ ہونے کے بعد آپ کی اس مغفرت طلبی کی متعدد توجیہیں کی گئی ہیں،

ان میں سب سے زیادہ لطیف اور دل کو لگنے والی توجیہ اس عاجز کے نزدیک یہ ہے کہ انسان کے پیٹ میں جو گندہ فضلہ ہوتا ہے وہ ہر انسان کے لئے ایک قسم کے انقباض اور گرانی کا باعث ہوتا ہے اور اگر وہ وقت پر خارج نہ ہو تو اس سے طرح طرح کی تکلیفیں اور بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اور اگر طبعی تقاضے کے مطابق پوری طرح خارج ہو جائے تو آدمی ایک ہلکا پن اور ایک خاص قسم کا انشراح محسوس کرتا ہے اور اس کا تجربہ ہر انسان کو ہوتا ہے۔ اسی طرح سمجھنا چاہئے کہ صحیح احساس رکھنے والے عارفین کے لئے بالکل یہی حال گناہوں کا ہے وہ ہر طبعی انقباض اور دنیا کے ہر اندرونی اور بیرونی بوجھ اور ہر گرانی سے زیادہ گناہوں کے بوجھ اور ان کی گرانی اور اذیت کو محسوس کرتے ہیں اور گناہوں کے بارے اپنی پیٹھ کے ہلکا ہونے کی فکر ان کو بالکل ویسی ہی ہوتی ہے جیسی کہ ہم جیسے عام انسانوں کو پیٹ اور آنتوں سے گندے فضلے کے خارج ہو جانے کی پس رسول اللہ ﷺ جب اس بشری تقاضے سے فارغ ہوتے اور انسانی فطرت کے مطابق طبیعت ہلکی اور منشرح ہوتی تو غالباً مذکورہ بالا احساس کے مطابق اللہ تعالیٰ سے دعا فرماتے کہ جس طرح تو نے اس گندے فضلے کو میرے جسم سے خارج کر کے میری طبیعت کو ہلکا کر دیا اور مجھے راحت و عافیت عطا فرمائی اسی طرح میرے گناہوں کی پوری پوری مغفرت فرما کر میری روح کو پاک صاف اور گناہوں کے بوجھ سے میری پیٹھ کو ہلکا کر دے۔

رہا یہ سوال کہ گناہوں سے معصوم ہونے کے باوجود اور "لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تأخر" کے قرآنی اعلان کے بعد بھی آپ اپنے گناہوں سے استغفار کیوں فرماتے تھے تو اس کا جواب تفصیل سے ان شاء اللہ آگے کتاب الصلوٰۃ میں تہجد کے بیان میں آئے گا۔

(۱۸) **عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَرَجَ مِنَ الْخَلَاءِ قَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنِّي الْأَذَى وَعَافَانِي** (رواہ النسائی)

ترجمہ: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب قضاء حاجت سے فارغ ہو کر بیت الخلاء سے باہر تشریف لاتے تو کہتے "الحمد للہ الذی" الخ (اس اللہ کیلئے حمد و شکر جس نے مجھ سے گندگی دور فرمائی اور مجھے عافیت بخشی)۔ (سنن نسائی)

تشریح: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اوپر والی حدیث سے معلوم ہوا تھا کہ آپ بیت الخلاء سے باہر آکر "غفرانک" کہتے تھے اور حضرت ابوذر غفاری کی اس حدیث سے یہ دوسری دعا معلوم ہوئی۔ واقعہ یہ ہے کہ مضمون کے لحاظ سے یہ دونوں دعائیں موقع کے بہت مناسب اور برمحل ہیں اس لئے خیال یہ ہے کہ کبھی آپ یہ کہتے ہوں گے اور کبھی وہ۔ واللہ اعلم

وضو اور اس کے فضائل و برکات

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے یہ بات پہلے ذکر کی جا چکی ہے کہ جن سلیم الفطرت انسانوں کی روحانیت بہیمیت سے مغلوب نہیں ہوتی ہے وہ حدث کی حالت میں۔ یعنی جب پیشاب پاخانے جیسے کسی سبب سے ان کا وضو ٹوٹ جائے تو اپنے باطن میں وہ ایک گونہ ظلمت و کدورت اور ایک

طرح کی گندگی محسوس کرتے ہیں۔ (اور اصل حدث یہی کیفیت ہے) اور شریعت اسلامی نے اسی کے ازالہ کے لیے وضو مقرر فرمایا ہے۔ —— جن بندوں نے بہیمیت کے سفلی تقاضوں سے مغلوب ہو کر اپنے لطیف روحانی احساسات کو فنا نہیں کر دیا ہے وہ حدث کی حالت میں اس باطنی گندگی اور ظلمت کو بھی محسوس کرتے ہیں اور یہ بھی محسوس کرتے ہیں کہ وضو سے یہ کیفیت زائل ہو کر ایک روحانی پاکیزگی و نورانیت پیدا ہو جاتی ہے۔ وضو کا اصل مقصد و موضوع تو یہی ہے اور اسی وجہ سے اس کو نماز یعنی بارگاہِ الٰہی کی خاص حضوری کی لازمی شرط قرار دیا گیا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس میں اپنے فضل سے اس کے علاوہ بھی بہت سی برکات رکھی ہیں —— رسول اللہ ﷺ نے جس طرح امت کو وضو کا طریقہ اور اس کے متعلق احکام بتلائے ہیں اسی طرح آپ نے اس کے فضائل و برکات بھی بیان فرمائے ہیں۔ پہلے چند حدیثیں اسی سلسلہ کی پڑھ لی جائیں۔

وضو گناہوں کی صفائی اور معافی کا ذریعہ

(۱۵) عَنْ عُثْمَانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوْءَ خَرَجَتْ خَطَايَاهُ مِنْ جَسَدِهِ حَتّٰى تَخْرُجَ مِنْ تَحْتِ أَظْفَارِهِ (رواه البخاري ومسلم)

ترجمہ: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے وضو کیا اور (بتائے ہوئے طریقے کے مطابق) خوب اچھی طرح وضو کیا تو اس کے سارے گناہ نکل جائیں گے یہاں تک کہ اس کے ناخنوں کے نیچے سے بھی (نکل جائیں گے)۔

تشریح: ...... مطلب یہ ہے کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کی تعلیم و ہدایت کے مطابق باطنی پاکیزگی حاصل کرنے کے لیے آداب و سنن وغیرہ کی رعایت کے ساتھ اچھی طرح وضو کرے گا تو اس سے صرف اعضائے وضو کی میل کچیل اور حدث والی باطنی ناپاکی ہی دور نہ ہو گی بلکہ اس کی برکت سے اس کے سارے جسم کے گناہوں کی ناپاکی بھی دھل جائے گی اور وہ شخص حدث سے پاک ہونے کے علاوہ گناہوں سے بھی پاک صاف ہو جائے گا۔ آگے آنے والی بعض حدیثوں سے اس کی مزید تفصیل معلوم ہو گی۔

(۱۶) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَوَضَّأَ الْعَبْدُ الْمُسْلِمُ أَوِ الْمُؤْمِنُ فَغَسَلَ وَجْهَهُ خَرَجَ مِنْ وَجْهِهِ كُلُّ خَطِيْئَةٍ نَظَرَ إِلَيْهَا بِعَيْنَيْهِ مَعَ الْمَاءِ أَوْ مَعَ آخِرِ قَطْرِ الْمَاءِ فَإِذَا غَسَلَ يَدَيْهِ خَرَجَ مِنْ يَدَيْهِ كُلُّ خَطِيْئَةٍ كَانَ بَطَشَتْهَا يَدَاهُ مَعَ الْمَاءِ أَوْ مَعَ آخِرِ قَطْرِ الْمَاءِ فَإِذَا غَسَلَ رِجْلَيْهِ خَرَجَ كُلُّ خَطِيْئَةٍ مَشَتْهَا رِجْلَاهُ مَعَ الْمَاءِ أَوْ مَعَ آخِرِ قَطْرِ الْمَاءِ حَتّٰى يَخْرُجَ نَقِيًّا مِنَ الذُّنُوْبِ — (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی مسلم بندہ وضو کرتا ہے اور اس میں اپنے چہرہ کو دھوتا ہے اور اس پر پانی ڈالتا ہے تو پانی کے ساتھ اس کے چہرہ سے وہ سارے گناہ نکل جاتے ہیں (اور گویا دھل جاتے ہیں) جو اس کی آنکھ سے ہوئے تھے اس کے بعد جب وہ اپنے ہاتھ دھوتا ہے تو وہ سارے گناہ اس کے ہاتھوں سے خارج ہو جاتے ہیں اور دھل جاتے ہیں جو اس

جانا اور ظاہر ہے کہ جس کا مکان مسجد سے جتنے زیادہ فاصلے پر ہو گا اس کا حصہ اس سعادت میں اسی حساب سے زیادہ ہو گا۔ — اور تیسرا عمل آپ نے بتایا … اور دل کا اسی میں لگا رہنا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ حال اسی بندہ کا ہو گا جس کے دل کو نماز سے چین و سکون ملتا ہو گا اور رسول اللہ … کی … والی کیفیت کا کوئی ذرہ جس کو نصیب ہو گا۔

حدیث کے آخر میں آپ نے فرمایا "یہی حقیقی رباط ہے، یہی اصلی رباط ہے"۔ رباط کے معروف معنی اسلامی سرحد پر پڑاؤ کے ہیں۔ دشمن کے حملہ سے حفاظت کے لئے جو مجاہدین سرحد پر متعین کر دیئے جاتے ہیں ان کے پڑاؤ کو رباط کہا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ بڑا عظیم الشان عمل ہے، ہر وقت جان خطرہ میں رہتی ہے۔ — اس حدیث میں رسول اللہ … نے ان تین اعمال کو غالباً اس لحاظ سے … فرمایا ہے کہ ان تینوں عملوں کا اہتمام شیطان کی غارت گری سے حفاظت کی بڑی محکم تدبیر ہے اور شیطانی حملوں سے اپنے ایمانوں کی حفاظت مقصدی لحاظ سے ملکی سرحدات کی حفاظت سے بھی اہم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِسْتَقِيْمُوْا وَلَنْ تُحْصُوْا وَاعْلَمُوْا اَنَّ خَيْرَ اَعْمَالِكُمُ الصَّلٰوةُ وَلَا يُحَافِظُ عَلَى الْوُضُوْءِ اِلَّا مُؤْمِنٌ ـ

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ … نے فرمایا: ٹھیک ٹھیک چلو، صراط مستقیم پر قائم رہو۔ لیکن چونکہ یہ استقامت بہت مشکل ہے اس لئے تم اس پر پورا قابو ہرگز نہ پا سکو گے (لہذا ہمیشہ اپنے کو قصور وار اور خطاکار بھی سمجھتے رہو) اور اچھی طرح جان لو کہ تمہارے سارے اعمال میں سب سے بہتر عمل نماز ہے (اس لئے اس کا سب سے زیادہ اہتمام کرو) اور وضو کی پوری پوری نگہداشت بس بندۂ مومن ہی کر سکتا ہے۔

وضو کی محافظت و نگہداشت کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہمیشہ سنت کے مطابق اور آداب کی رعایت کے ساتھ کامل وضو کیا جائے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بندہ برابر باوضو رہے، شارحین نے یہ دونوں ہی مطلب بیان کئے ہیں اور اس عاجز کے نزدیک محافظت کا لفظ ان دونوں ہی باتوں پر حاوی ہے۔ بہر حال رسول اللہ … نے اس حدیث میں … کو کمال ایمان کی نشانی اور مرد ایمان و یقین کا عمل بتایا ہے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ تَوَضَّأَ عَلٰى طُهْرٍ كُتِبَ لَهٗ عَشْرُ حَسَنَاتٍ ـ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ … نے فرمایا جس شخص نے

طہارت کے باوجود (یعنی باوضو ہونے کے باوجود تازہ) وضو کیا اس کے لئے دس نیکیاں لکھی جائیں گی۔

اس ارشاد کا مقصد بظاہر یہ واضح کرنا ہے کہ باوضو ہونے کی حالت میں تازہ وضو کرنے کو فضول و عبث نہ سمجھا جائے، بلکہ یہ ایسی نیکی ہے جس کے کرنے والے کے نامۂ اعمال میں دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔
اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کا تعلق اس صورت سے ہے کہ جبکہ پہلے وضو سے کوئی ایسی عبادت کرلی گئی ہو جس کے لئے وضو ضروری ہے، اس لئے اگر کسی نے وضو کیا اور ابھی وضو سے کوئی عبادت ادا نہیں کی اور نہ کوئی ایسا کام کیا جس کے بعد وضو کی تجدید مستحب ہو جاتی ہے تو ایسی صورت میں اس کو تازہ وضو نہیں کرنا چاہئے۔

(۲۲) عَنْ شَبِيْبِ بْنِ اَبِيْ رَوْحٍ عَنْ رَجُلٍ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ صَلّٰى صَلٰوةَ الصُّبْحِ فَقَرَأَ الرُّوْمَ فَالْتَبَسَ عَلَيْهِ فَلَمَّا صَلّٰى قَالَ مَابَالُ اَقْوَامٍ يُصَلُّوْنَ مَعَنَا لَا يُحْسِنُوْنَ الطُّهُوْرَ وَ اِنَّمَا يَلْبِسُ عَلَيْنَا الْقُرْاٰنَ اُولٰئِكَ .

شبیب بن ابی روحؒ نے رسول اللہ ﷺ کے ایک صحابیؓ سے روایت کی ہے کہ حضور ﷺ نے ایک دن فجر کی نماز پڑھی اور اس میں آپ نے سورۂ روم شروع کی تو آپ کو اس میں اشتباہ ہو گیا اور خلل پڑ گیا۔ جب آپ نماز پڑھ چکے تو فرمایا بعض لوگوں کی یہ کیا حالت ہے کہ ہمارے ساتھ نماز میں شریک ہو جاتے ہیں اور طہارت (وضو وغیرہ) اچھی طرح نہیں کرتے، بس یہی لوگ ہمارے قرآن پڑھنے میں خلل ڈالتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ وضو وغیرہ طہارت اچھی طرح نہ کرنے کے برے اثرات دوسرے صاف قلوب پر بھی پڑتے ہیں اور اتنے پڑتے ہیں کہ ان کی وجہ سے قرآن مجید کی قرأت میں گڑبڑ ہو جاتی ہے اور جب رسول اللہ ﷺ کا قلب مبارک دوسرے لوگوں کی اس طرح کی کوتاہیوں سے اتنا متاثر ہو تا تھا تو پھر ہم عوام کس شمار و قطار میں ہیں لیکن چونکہ ہمارے قلوب پر زنگ کی تہیں کی تہیں جم گئی ہیں اس لئے ہم کو ان چیزوں کا احساس نہیں ہوتا۔ اس حدیث سے بڑی وضاحت کے ساتھ یہ بات معلوم ہو گئی کہ انسانوں کے قلوب پر ساتھ والوں کی اچھی یا بری کیفیات کا کس قدر اثر پڑتا ہے، اصحاب قلوب صوفیاء کرام نے اس حقیقت کو خوب سمجھا ہے۔

مسواک کی اہمیت اور فضیلت

طہارت و نظافت کے سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ نے جن چیزوں پر خاص طور سے زور دیا ہے اور بڑی تاکید فرمائی ہے ان میں سے ایک مسواک بھی ہے۔ ایک حدیث میں آپ نے یہاں تک فرمایا ہے کہ اگر مجھے

یہ خیال نہ ہوتا کہ میری امت پر بہت مشقت پڑ جائے گی تو میں ہر نماز کے وقت مسواک کرنا ان پر لازم کر دیتا۔ مسواک کے جو طبی فوائد ہیں اور بہت سے امراض سے اس کی وجہ سے جو تحفظ ہوتا ہے آج کل کا ہر صاحب شعور اس سے کچھ نہ کچھ واقف ہے۔ لیکن دینی نقطۂ نگاہ سے اس کی اصل اہمیت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ راضی کرنے والا عمل ہے۔ اس مختصر تمہید کے بعد مسواک کی ترغیب و تاکید کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے چند ارشادات پڑھئے:

۴۳) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ السِّوَاكُ مَطْهَرَةٌ لِلْفَمِ مَرْضَاةٌ لِلرَّبِّ. (رواه الشافعي وأحمد والدارمي والنسائي ورواه البخاري في صحيحه بلا إسناد)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا "مسواک منہ کو بہت زیادہ پاک صاف کرنے والی اور اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ خوش کرنے والی چیز ہے۔"

(مسند امام شافعی، مسند احمد، سنن دارمی، سنن نسائی۔ اور صحیح بخاری میں امام بخاری نے بھی اس حدیث کو بلا اسناد یعنی تعلیقاً روایت کیا ہے۔)

تشریح: کسی چیز میں حسن کے دو پہلو ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ وہ حیاتِ دنیا کے لحاظ سے فائدہ مند اور عام انسانوں کے نزدیک پسندیدہ ہو، اور دوسرے یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی محبوب اور اجرِ اخروی کا وسیلہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں بتلایا ہے کہ مسواک میں یہ دونوں چیزیں جمع ہیں، اس سے منہ کی صفائی ہوتی ہے، گندے اور مضر مادے خارج ہو جاتے ہیں، منہ کی بدبو زائل ہو جاتی ہے، یہ اس کے نقد دنیوی فوائد ہیں اور دوسرا اخروی اور ابدی نفع اس کا یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہونے کا بھی خاص وسیلہ ہے۔

۴۴) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي لَأَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ صَلٰوةٍ. (رواه البخاري ومسلم واللفظ لمسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ میری امت پر بہت مشقت پڑ جائے گی تو میں ان کو ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حتمی امر کرتا۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں مسواک کی محبوبیت اور اس کے عظیم فوائد دیکھتے ہوئے میرا جی چاہتا ہے کہ اپنے ہر امتی کے لئے حکم جاری کر دوں کہ وہ ہر نماز کے وقت مسواک ضرور کیا کرے، لیکن ایسا حکم میں نے صرف اس خیال سے نہیں دیا کہ اس سے میری امت پر بہت بوجھ پڑ جائے گا اور ہر ایک کے لئے اس کی پابندی مشکل ہوگی۔ غور سے دیکھا جائے تو یہ بھی ترغیب و تاکید کا ایک عنوان ہے اور بلاشبہ بڑا موثر عنوان ہے۔

فائدہ: اسی حدیث کی بعض روایات میں "عند کل صلوٰۃ" کی بجائے "عند کل وضوء" بھی وارد ہوا ہے، اور مطلب دونوں کا قریب قریب ایک ہی ہے۔ (صحیح بخاری کتاب الصوم باب سواک الرطب والیابس للصائم)

۲۵) عَنْ اَبِىْ اُمَامَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ مَاجَاءَنِىْ جِبْرَئِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَطُّ اِلَّا اَمَرَنِىْ بِالسِّوَاكِ لَقَدْ خَشِيْتُ اَنْ اُحْفِىَ مُقَدَّمَ فِىَّ. (رواہ احمد)

ترجمہ: حضرت ابو امامہ باہلی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اللہ کے فرشتے جبرئیل جب بھی میرے پاس آئے ہر دفعہ انہوں نے مجھے مسواک کے لئے ضرور کہا۔ خطرہ ہے کہ (جبرئیل کی بار بار کی اس تاکید اور وصیت کی وجہ سے) میں اپنے منہ کے اگلے حصہ کو مسواک کرتے کرتے گھس نہ ڈالوں۔" (مسند احمد)

تشریح: مسواک کے بارہ میں حضرت جبرئیل کی بار بار یہ تاکید وصیت دراصل اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے تھی اور اس کا خاص راز یہ تھا کہ جو ہستی اللہ تعالیٰ سے مخاطبہ اور مناجات میں ہمہ وقت مصروف رہتی ہو اور اللہ کا فرشتہ جس کے پاس بار بار آتا ہو اور اللہ کے کلام کی تلاوت اور اس کی طرف دعوت جس کا خاص وظیفہ ہو اس کے لئے خاص طور سے ضروری ہے کہ وہ مسواک کا بہت زیادہ اہتمام کرے۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ مسواک کا بہت زیادہ اہتمام فرماتے تھے۔

مسواک کے خاص اوقات اور مواقع

۲۶) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِىُّ ﷺ لَا يَرْقُدُ مِنْ لَيْلٍ وَلَا نَهَارٍ فَيَسْتَيْقِظُ اِلَّا يَتَسَوَّكُ قَبْلَ اَنْ يَتَوَضَّأَ. (رواہ احمد و ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ دن یا رات میں جب بھی آپ سوتے تو اٹھنے کے بعد وضو کرنے سے پہلے مسواک فرماتے تھے۔ (مسند احمد، سنن ابی داؤد)

۲۷) عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِذَا قَامَ لِلتَّهَجُّدِ مِنَ اللَّيْلِ يَشُوْصُ فَاهُ بِالسِّوَاكِ. (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا دستور تھا کہ جب رات کو آپ تہجد کے لئے اٹھتے تو مسواک سے اپنے دہن مبارک کی خوب صفائی کرتے (اس کے بعد وضو فرماتے اور تہجد میں مشغول ہوتے)۔ (صحیح بخاری و مسلم)

۲۸) عَنْ شُرَيْحِ بْنِ هَانِئٍ قَالَ سَاَلْتُ عَائِشَةَ بِاَىِّ شَيْءٍ كَانَ يَبْدَاُ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِذَا دَخَلَ بَيْتَهُ قَالَتْ بِالسِّوَاكِ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: شریح بن ہانی سے روایت ہے کہ میں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ جب باہر سے گھر میں تشریف لاتے تھے تو سب سے پہلے کیا کام کرتے تھے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ سب سے پہلے آپ مسواک فرماتے تھے۔ (صحیح مسلم)

تشریح ..... ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ ہر نیند سے جاگنے کے بعد، خاص کر رات کو تہجد کے لئے اٹھنے کے وقت پابندی اور اہتمام سے مسواک فرماتے تھے، اس کے علاوہ باہر سے جب گھر میں تشریف لاتے تھے تو سب سے پہلے مسواک فرماتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ مسواک صرف وضو کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، بلکہ سو کر اٹھنے کے بعد اور مسواک کئے زیادہ دیر گزرنے کے بعد اگر وضو کرنا نہ بھی ہو جب بھی مسواک کر لینی چاہئے۔ ہمارے علمائے کرام نے ان ہی احادیث کی بناء پر لکھا ہے کہ مسواک کرنا یوں تو ہر وقت میں مستحب اور باعث اجر و ثواب ہے، لیکن پانچ موقعوں پر مسواک کی اہمیت زیادہ ہے۔ وضو میں، نماز کے لئے کھڑے ہوتے وقت، (اگر وضو اور نماز کے درمیان زیادہ فصل ہو گیا ہو) اور قرآن مجید کی تلاوت کے لئے اور سوتے سے اٹھنے کے وقت اور منہ میں بدبو پیدا ہو جانے یا دانتوں کے رنگ میں تغیر آجانے کے وقت ان کی صفائی کے لئے۔

مسواک سنتِ انبیاء اور تقاضائے فطرت

(۲۹) **عَنْ اَبِىْ اَيُّوْبَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَرْبَعٌ مِنْ سُنَنِ الْمُرْسَلِيْنَ الْحَيَاءُ وَ التَّعَطُّرُ وَالسِّوَاكُ وَ النِّكَاحُ.**

(رواہ الترمذی)

ترجمہ ..... حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا چار چیزیں پیغمبروں کی سنتوں میں سے ہیں، ایک حیا، دوسرے خوشبو لگانا، تیسرے مسواک کرنا اور چوتھے نکاح کرنا۔

(جامع ترمذی)

تشریح ..... رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں یہ بتلا کر کہ یہ چاروں چیزیں اللہ کے پیغمبروں کی سنتیں اور ان کے معمولات میں سے ہیں اپنی امت کو ان کی ترغیب دی ہے اور بلاشبہ یہ بڑی موثر ترغیب ہے۔ حیا کے بارے میں کتاب الاخلاق میں تفصیل سے لکھا جا چکا ہے، نکاح کے بارہ میں انشاء اللہ کتاب النکاح میں لکھا جائے گا۔ تعطر یعنی خوشبو لگانا بڑی محبوب صفت ہے، انسان کے روحانی اور ملکوتی تقاضوں میں سے ہے اس سے روح اور قلب کو ایک خاص نشاط حاصل ہوتا ہے، عبادات میں کیف اور ذوق پیدا ہوتا ہے اور اللہ کے دوسرے بندوں کو بھی راحت پہنچتی ہے اس لئے تمام انبیاء علیہم السلام اور اللہ تعالیٰ کے سارے اچھے بندوں کی محبوب سنت ہے۔

(۳۰) **عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَشْرٌ مِنَ الْفِطْرَةِ قَصُّ الشَّارِبِ وَ اِعْفَاءُ اللِّحْيَةِ وَالسِّوَاكُ وَ اسْتِنْشَاقُ الْمَاءِ وَقَصُّ الْاَظْفَارِ وَ غَسْلُ الْبَرَاجِمِ وَنَتْفُ الْاِبِطِ وَ حَلْقُ الْعَانَةِ وَانْتِقَاصُ الْمَاءِ قَالَ زَكَرِيَّا قَالَ مُصْعَبٌ وَ نَسِيْتُ الْعَاشِرَةَ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ الْمَضْمَضَةُ.**

(رواہ مسلم)

ترجمہ ..... حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، دس چیزیں ہیں جو امور

فطرت میں سے ہیں۔ مونچھوں کا ترشوانا، داڑھی کا چھوڑنا، مسواک کرنا، ناک میں پانی لے کر اس کی صفائی کرنا، ناخن ترشوانا، انگلیوں کے جوڑوں کو (جن میں اکثر میل کچیل رہ جاتا ہے اہتمام سے) دھونا، بغل کے بال لینا، موئے زیر ناف کی صفائی کرنا، اور پانی سے استنجا کرنا۔ حدیث کے راوی زکریا کہتے ہیں کہ ہمارے شیخ مصعب نے بس یہی نو چیزیں ذکر کیں اور فرمایا کہ دسویں چیز بھول گیا ہوں، اور میرا گمان یہی ہے کہ وہ کلی کرنا ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح ..... اس حدیث میں ان دس چیزوں کو "من الفطرة" یعنی امور فطرت میں سے کہا گیا ہے۔ بعض شارحین حدیث کی رائے یہ ہے کہ الفطرة سے مراد یہاں سنت انبیاء یعنی پیغمبروں کا طریقہ ہے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ اسی حدیث کی مستخرج ابی عوانہ کی روایت میں فطرة کی جگہ سنت کا لفظ ہے، یعنی اس میں "عشر من الفطرة" کی بجائے "عشر من السنة" کے الفاظ ہیں، ان حضرات کا کہنا ہے کہ اس حدیث میں انبیاء علیہم السلام کے طریقہ کو الفطرة اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ فطرت کے عین مطابق ہوتا ہے۔ اس تشریح کی بناء پر حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ انبیاء علیہم السلام نے جس طریقہ پر خود زندگی گزاری اور اپنی اپنی امتوں کو جس پر چلنے کی ہدایت کی اس میں یہ دس باتیں شامل تھیں۔ گویا یہ دس چیزیں انبیاء علیہم السلام کی متفقہ تعلیم اور ان کے مشترک معمولات ہیں۔

بعض شارحین نے الفطرة سے دین فطرت یعنی دین اسلام مراد لیا ہے۔ قرآن مجید میں دین کو فطرت کہا گیا ہے، ارشاد ہے "فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ (الروم: ٣٠)" اس بناء پر حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ دس چیزیں دین فطرت یعنی اسلام کے اجزاء یا احکام میں سے ہیں۔

اور بعض شارحین نے الفطرة سے انسان کی اصل فطرت و جبلت ہی مراد لی ہے اس تشریح کی بناء پر حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ دس چیزیں انسان کی اصل فطرت کا تقاضا ہیں جو اللہ نے اس کی بنائی ہے۔ گویا جس طرح انسان کی اصل فطرت یہ ہے کہ وہ ایمان اور نیکی اور طہارت و پاکیزگی کو پسند کرتا ہے اور کفر اور فواحش و منکرات اور گندگی و ناپاکی کو ناپسند کرتا ہے اسی طرح مذکورہ بالا دس چیزیں ایسی ہیں کہ انسانی فطرت (اگر کسی خارجی اثر سے ماؤف اور فاسد نہ ہو چکی ہو) تو ان کو پسند ہی کرتی ہے اور حقیقت شناسوں کو یہ بات معلوم اور مسلم ہے کہ انبیاء علیہم السلام جو دین اور زندگی کا طریقہ لے کر آتے ہیں وہ دراصل انسانی فطرت کے تقاضوں ہی کی مستند اور منضبط تشریح ہوتی ہے۔

اس تفصیل سے خود بخود معلوم ہو جاتا ہے کہ حدیث کے لفظ الفطرة کا مطلب خواہ سنت انبیاء ہو خواہ دین فطرت اسلام ہو اور خواہ انسان کی اصل فطرت و جبلت ہو، حدیث کا مدعا تینوں صورتوں میں ایک ہی ہوگا اور

---

① پس سیدھا کرو اپنا رخ سب طرف سے یکسو ہو کر دین حق کی طرف اللہ کی بنائی ہوئی فطرت جس پر اس نے انسانوں کو پیدا کیا اللہ کی بناوٹ میں تبدیلی نہیں، یہ دین ہے سیدھا۔

وجہ کہ یہ دس چیزیں انبیاء علیہم السلام کے لائے ہوئے اس مقدس طریقۂ زندگی اور اس دین کے اجزاء اور احکام میں سے ہیں جو دراصل انسان کی اصل فطرت و جبلت کا تقاضا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں اپنے خاص حکیمانہ طرز پر اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے جو چند سطریں لکھی ہیں ان کا خلاصہ ہم ذیل میں درج کرتے ہیں فرماتے ہیں:

"یہ دس عملی باتیں جو دراصل طہارت و نظافت کے باب سے تعلق رکھتی ہیں، ملت حنفیہ کے مؤسس یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام سے منقول ہیں۔ اور ابراہیمی طریقہ پر چلنے والی حنیفی قوموں میں عام طور سے ان کا رواج رہا ہے اور ان پر ان کا عقیدہ بھی رہا ہے۔ قرناً بعد قرن تک وہ ان اعمال کی پابندی کرتے ہوئے جیتے اور مرتے رہے ہیں، اسی لئے ان کو فطرت کہا گیا ہے اور یہ ملت حنفی کے شعائر ہیں۔ اور ہر ملت کے لئے ضروری ہے کہ اس کے کچھ مقرر و معلوم شعائر ہوں اور وہ ایسے ظاہر ہوں جن سے اس ملت والوں کو پہچانا جا سکے اور ان سب کو نہ ادا کرنے پر ان سے مواخذہ کیا جا سکے تاکہ اس ملت کی فرمانبرداری اور نافرمانی احساس اور مشاہدہ کی گرفت میں آ سکے۔ اور یہ بھی قرین حکمت ہے کہ شعائر ایسی چیزیں ہوں جو کثیر الوقوع ہوں اور ان میں متعدد فوائد ہوں اور لوگوں کے ذہن ان کو پوری طرح قبول کریں اور ان دس چیزوں میں یہ باتیں موجود ہیں۔ جس کو سمجھنے کے لئے ان چند باتوں پر غور کرنا چاہئے:

جسم انسانی کے بعض حصوں میں پیدا ہونے والے بالوں کے بڑھنے سے پاکیزگی پسند اور لطیف مزاج آدمی کی سلیم فطرت اسی طرح منقبض اور مکدر ہوتی ہے جس طرح کہ حدث سے یعنی کسی گندگی کے جسم سے خارج ہونے سے ہوا کرتی ہے۔ بغل میں اور ناف کے نیچے پیدا ہونے والے بالوں کا حال یہی ہے۔ اسی لئے ان کی صفائی سے سلیم الفطرت آدمی اپنے قلب و روح میں ایک نشاط اور انشراح کی کیفیت محسوس کرتا ہے جیسے کہ یہ اس کی فطرت کا خاص تقاضا ہے۔ اور بالکل یہی حال ناخنوں کا بھی ہے۔ اور داڑھی کی نوعیت یہ ہے کہ اس سے چھوٹے اور بڑے کی تمیز ہوتی ہے اور وہ مردوں کے لئے شرف اور جمال ہے اور اسی سے ان کی مردانہ ہیئت کی تکمیل ہوتی ہے اور وہ سنت انبیاء ہے۔ اس لئے اس کا رکھنا ضروری ہے[1] اور اس کا صاف کرنا مجوس و ہنود وغیرہ اکثر غیر مسلم قوموں کا طریقہ ہے۔ نیز جو کم ہمت بازاری قسم کے اور نچلے طبقے کے لوگ عموماً داڑھیاں نہیں رکھتے اس لئے داڑھیاں نہ رکھنا گویا اپنے کو ان ہی کی صفوں میں شامل کرنا ہے۔

اور مونچھوں کے بڑھانے اور لمبا رکھنے میں کھلا ہوا ضرر یہ ہے کہ منہ تک بڑھی ہوئی مونچھوں میں کھانے پینے کی چیزیں لگ جاتی ہیں اور ناک سے خارج ہونے والی رطوبت کا راستہ بھی یہی ہے۔ اس لئے صفائی اور پاکیزگی کا تقاضا یہی ہے کہ مونچھیں زیادہ بڑی نہ ہونے پائیں اس واسطے مونچھوں کے ترشوانے کا حکم دیا گیا

---

[1] جامع ترمذی کتاب الادب [illegible] متعدد حدیثوں میں صاف اور صریح الفاظ میں داڑھی رکھنے کا حکم صیغۂ امر ہی کے ساتھ وارد ہوا ہے۔ اسی لئے امت نے عام طور سے اس کو واجب سمجھا ہے لیکن کسی حدیث میں مقدار کی صراحت نہیں ہے۔ [illegible] نے مختلف قرائن و شواہد سے یہ سمجھا ہے کہ ایک مشت کے بقدر رکھنا واجب ہے۔ ۱۲

اس نماز کے مقابلہ میں جس کے لئے مسواک نہ کی گئی ہو ستر یا اس سے بھی زیادہ درجے افضل قرار دی جائے تو بالکل حق ہے۔ حقیقت تو یہ ہے

ہزار بار بشویم دہن ز مشک و گلاب ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

ف..... مشکوٰۃ المصابیح میں حضرت عائشہؓ کی یہ حدیث صرف بیہقی کے حوالے سے نقل کی گئی ہے لیکن منذری نے ترغیب میں اس حدیث کو حضرت عائشہ ہی کی روایت سے خفیف لفظی فرق کے ساتھ درج کر کے لکھا ہے۔ رواہ احمد والبزار وابو یعلی وابن خزیمہ فی صحیحہ۔ ورواہ الحاکم فی المستدرک وقال صحیح الاسناد۔ اور قریب قریب اسی مضمون کی ایک حدیث ابو نعیم کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت سے اور دوسری حضرت جابرؓ کی روایت سے نقل کی ہے اور پہلی کی سند کو جید اور دوسری کی سند کو صحیح کہا ہے۔

نماز کے لئے وضو کا حکم

طہارت کے باب میں رسول اللہ ﷺ نے امت کو جو ہدایات دی ہیں ان میں سے بعض تو وہ ہیں جن کی حیثیت مستقل احکام کی ہے جیسے استنجے کے احکام، جسم کو اور کپڑوں کو پاک رکھنے کے احکام، پانی کی پاکی اور ناپاکی کے تفصیلی احکام وغیرہ، اور بعض وہ ہیں جن کی حیثیت شرائط نماز کی ہے۔ وضو کا حکم اسی قبیل سے ہے، قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے۔ اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ نماز جو اللہ تعالیٰ کی مقدس بارگاہ میں حاضری اور اس سے مخاطبت و مناجات کی ایک خاص الخاص شکل ہے اس کے لئے باوضو ہونا شرط ہے۔ پس اگر کوئی شخص باوضو نہیں ہے (یعنی حدث کی حالت میں ہے، جس کی حقیقت پہلے بتائی جا چکی ہے) تو نماز شروع کرنے سے پہلے اس کو وضو کر لینا چاہئے۔ دربار الٰہی کی اس خاص حاضری کا یہ لازمی ادب ہے، اس کے بغیر اس کی نماز ہرگز قبول نہیں ہوگی۔ اس سلسلہ کے رسول اللہ ﷺ کے چند ارشادات ذیل میں پڑھئے!

(۳۲) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تُقْبَلُ صَلٰوةُ مَنْ اَحْدَثَ حَتّٰى يَتَوَضَّأَ۔

(رواه البخارى ومسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کا وضو نہیں ہے اس کی نماز قبول نہیں ہوگی تاوقتیکہ وہ وضو نہ کرلے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۳۳) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تُقْبَلُ صَلٰوةٌ بِغَيْرِ طُهُوْرٍ وَلَا صَدَقَةٌ مِنْ غُلُوْلٍ

(رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی نماز طہارت کے بغیر قبول نہیں ہو سکتی اور نہ کوئی ایسا صدقہ قبول ہو سکتا ہے جو ناجائز طریقے سے حاصل

کٹے ہوئے مال سے کیا جائے۔

تشریح — اس حدیث میں "طہور" سے مراد وضو ہے اور اس کا مطلب وہی ہے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اوپر والی حدیث کا ہے، صرف الفاظ کا فرق ہے۔

۳۴) **عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مِفْتَاحُ الصَّلٰوةِ الطُّهُوْرُ وَ تَحْرِيْمُهَا التَّكْبِيْرُ وَ تَحْلِيْلُهَا التَّسْلِيْمُ.** (رواہ ابو داؤد والترمذی والدارمی و ابن ماجہ)

ترجمہ — حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نماز کی کنجی طہور (یعنی وضو) ہے اور اس کی تحریم تکبیر ہے (یعنی اللہ اکبر کہہ کے آدمی نماز میں داخل ہو جاتا ہے، جس کے بعد بات چیت کرنے اور کھانے پینے کے ایسے جائز کام نماز کے ختم ہونے تک اس کے لئے حرام اور ناجائز ہو جاتے ہیں) اور اس کی تحلیل السلام علیکم کہنا ہے (یعنی نماز کے ختم پر السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہنے کے بعد وہ ساری باتیں آدمی کے لئے حلال اور جائز ہو جاتی ہیں جو نماز کی وجہ سے اس کے لئے حرام اور ناجائز ہو گئی تھیں)۔ (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن دارمی اور ابن ماجہ نے اس حدیث کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے۔)

۳۵) **عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مِفْتَاحُ الْجَنَّةِ الصَّلٰوةُ وَ مِفْتَاحُ الصَّلٰوةِ الطُّهُوْرُ** (رواہ احمد)

ترجمہ — حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنت کی کنجی نماز ہے اور نماز کی کنجی طہور (یعنی وضو) ہے۔ (مسند احمد)

تشریح — ان دونوں حدیثوں میں طہور یعنی وضو کو نماز کی کنجی فرمایا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح کوئی شخص کسی مقفل گھر میں کنجی سے اس کا تالا کھولے بغیر داخل نہیں ہو سکتا، اسی طرح بغیر وضو کے نماز میں داخلہ نہیں ہو سکتا۔ ان چاروں حدیثوں کی تعبیر میں اگرچہ کچھ فرق ہے لیکن حاصل اور مدعا سب کا یہی ہے کہ نماز کے قابل قبول ہونے کے لئے وضو شرط ہے۔ نماز چونکہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضری اور اس سے مخاطبہ و مناجاۃ کی اعلیٰ اور انتہائی شکل ہے، جس کے آگے اس دنیا میں ممکن نہیں، اس لئے اس کے ادب کا حق تو یہ تھا کہ ہر نماز کے لئے سارے جسم کے غسل اور بالکل پاک صاف اچھا لباس پہننے کا حکم دیا جاتا لیکن چونکہ اس پر عمل بہت مشکل ہوتا اس لئے اللہ تعالیٰ نے از راہ کرم صرف اتنا ضروری قرار دیا کہ نماز پاک کپڑے پہن کر پڑھی جائے اور سارے جسم کے غسل کے بجائے صرف وضو کر لیا جائے جس میں وہ سارے ظاہری اعضاء دھل جاتے ہیں جو انسان کے جسم میں خاص اہمیت رکھتے ہیں اور اس حیثیت سے وہی سارے جسم کے قائم مقام قرار دیے جا سکتے ہیں۔ نیز ہاتھ پاؤں اور چہرہ اور سر یہی وہ اعضاء ہیں جو عام طور پر لباس سے باہر رہتے ہیں اسلئے وضو میں صرف انہی کے دھونے اور مسح کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں وضوء ہونے کی حالت میں طبیعت میں جو ایک خاص قسم کا روحانی تکدر اور انقباض ہوتا ہے اور وضو کرنے کے بعد انشراح و انبساط کی ایک خاص کیفیت اور ایک خاص طرح کی لطافت و نورانیت جو انسان کے باطن میں پیدا ہوتی ہے

آئے اور دل اس میں مشغول ہو جائے، لیکن اگر کوئی خطرہ دل میں گزرے اور دل اس میں مشغول نہ ہو بلکہ اس کو ہٹانے اور دفع کرنے کی کوشش کرے تو وہ مضر نہیں ہے۔ اور یہ چیز کاملین کو بھی پیش آتی ہے۔

٣٧) عَنْ اَبِىْ حَيَّةَ قَالَ رَاَيْتُ عَلِيًّا تَوَضَّأَ فَغَسَلَ كَفَّيْهِ حَتّٰى اَنْقَاهُمَا ثُمَّ مَضْمَضَ ثَلٰثًا وَ اسْتَنْشَقَ ثَلٰثًا وَ غَسَلَ وَجْهَهٗ ثَلٰثًا وَذِرَاعَيْهِ ثَلٰثًا وَ مَسَحَ بِرَاْسِهٖ مَرَّةً ثُمَّ غَسَلَ قَدَمَيْهِ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ثُمَّ قَامَ فَاَخَذَ فَضْلَ طَهُوْرِهٖ فَشَرِبَهٗ وَهُوَ قَائِمٌ ثُمَّ قَالَ اَحْبَبْتُ اَنْ اُرِيَكُمْ كَيْفَ كَانَ طَهُوْرُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ (رواہ الترمذی و النسائی)

ابو حیہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا آپ نے وضو اس طرح فرمایا، پہلے اپنے دونوں ہاتھ اچھی طرح دھوئے یہاں تک کہ ان کو خوب اچھی طرح صاف کر دیا، پھر تین دفعہ کلی کی، پھر تین دفعہ پانی ناک میں لے کر اس کی صفائی کی، پھر چہرے اور دونوں ہاتھوں کو تین تین دفعہ دھویا، پھر سر کا مسح ایک دفعہ کیا، پھر دونوں پاؤں ٹخنوں تک دھوئے، اس کے بعد آپ کھڑے ہوئے اور کھڑے ہی کھڑے آپ نے وضو کا بچا ہوا پانی لے کر پیا۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس طرح پورا وضو کر کے دکھانے کے بعد فرمایا، میں نے چاہا کہ تمہیں دکھلاؤں کہ رسول اللہ ﷺ کس طرح وضو فرمایا کرتے تھے۔

جیسا کہ حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی ان حدیثوں سے معلوم ہوا رسول اللہ ﷺ عام طور سے وضو اسی طرح فرماتے تھے کہ دھونے والے اعضاء کو تین تین دفعہ دھوتے تھے اور سر پر مسح ایک ہی دفعہ فرماتے تھے۔ لیکن کبھی کبھی آپ نے ایسا بھی کیا ہے کہ دھوئے جانے والے اعضاء کو بھی صرف ایک ہی ایک مرتبہ یا صرف دو ہی مرتبہ دھویا، اور ایسا آپ نے یہ بتانے اور دکھانے کے لئے کیا کہ اس طرح بھی وضو ہو جاتا ہے، فقہاء کی اصطلاح میں اس کو بیان جواز کہتے ہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ کسی وقت پانی کی کمی کی وجہ سے آپ نے ایسا کیا ہو۔ واللہ اعلم۔

٣٨) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ تَوَضَّأَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَرَّةً مَرَّةً لَمْ يَزِدْ عَلٰى هٰذَا.

(رواہ البخاری)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک دن) رسول اللہ ﷺ نے وضو فرمایا ایک ایک مرتبہ (یعنی وضو میں دھوئے جانے والے اعضاء کو آپ نے صرف ایک ایک دفعہ دھویا) اس سے زیادہ نہیں کیا۔

٣٩) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ اَنَّ النَّبِىَّ ﷺ تَوَضَّأَ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ۔

حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک دفعہ) رسول اللہ ﷺ نے وضو فرمایا دو دو مرتبہ (یعنی دھوئے جانے والے اعضاء کو دو بار دھویا)۔

ان دونوں حدیثوں میں اعضاء وضو کے صرف ایک ایک دفعہ یا دو دو دفعہ دھونے کا جو ذکر ہے جیسا کہ اوپر بتلایا جا چکا ایسا آپ نے کبھی کبھی صرف یہ جتانے اور دکھانے کے لئے کیا تھا کہ اتنا کرنے سے بھی وضو ہو جاتا ہے، ورنہ عام عادت شریفہ یہی تھی کہ وضو میں آپ ہاتھ، منہ اور پاؤں کو تین تین دفعہ دھوتے تھے اور اسی کی دوسروں کو تعلیم دیتے تھے، اور وضو کا یہی افضل اور مسنون طریقہ ہے۔ مندرجہ ذیل دو حدیثوں سے یہ بات اور زیادہ صاف ہو جاتی ہے۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ جَاءَ أَعْرَابِيٌّ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ يَسْأَلُ عَنِ الْوُضُوْءِ فَأَرَاهُ ثَلٰثًا ثُمَّ قَالَ هٰكَذَا الْوُضُوْءُ فَمَنْ زَادَ عَلٰى هٰذَا فَقَدْ أَسَاءَ وَتَعَدّٰى وَظَلَمَ. (رواه النسائي و ابن ماجه)

عمرو بن شعیب اپنے والد شعیب سے اور وہ اپنے دادا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ ایک اعرابی وضو کے بارے میں سوال کرتے ہوئے (یعنی وضو کا طریقہ پوچھتے ہوئے) رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان کو تین تین دفعہ وضو کر کے دکھایا (یعنی ایسا وضو کیا جس میں آپ نے دھوئے جانے والے اعضاء کو تین تین دفعہ دھویا) اس کے بعد آپ نے ان اعرابی سے فرمایا وضو ایسے ہی کیا جاتا ہے، تو جس نے اس میں اپنی طرف سے کچھ اور اضافہ کیا تو اس نے برائی کی اور زیادتی کی اور ظلم کیا۔ (سنن نسائی، ابن ماجہ)

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے وضو میں اضافہ کرنے کی جو سخت مذمت کی ہے اس کا مطلب ظاہر یہی ہے کہ اعضاء وضو کے صرف تین تین دفعہ دھونے سے کامل وضو ہو جاتا ہے۔ اب جو شخص اس میں کوئی اضافہ کرے گا وہ گویا شریعت میں اپنی طرف سے ترمیم کرے گا، اور بلاشبہ یہ اس کی بڑی جسارت اور بڑی بے ادبی ہوگی۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ تَوَضَّأَ وَاحِدَةً فَتِلْكَ وَظِيْفَةُ الْوُضُوْءِ الَّتِيْ لَا بُدَّ مِنْهَا وَمَنْ تَوَضَّأَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُ كِفْلَانِ وَمَنْ تَوَضَّأَ ثَلٰثًا فَذٰلِكَ وُضُوْئِيْ وَوُضُوْءُ الْأَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِيْ. (رواه احمد)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو وضو کرے ایک دفعہ (یعنی دھوئے جانے والے اعضاء کو اس میں صرف ایک ہی ایک دفعہ دھوئے) تو یہ وضو کا وہ درجہ ہے جس کے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں (اور اس کے بغیر وضو ہوتا ہی نہیں) اور جو وضو کرے دو دو مرتبہ (یعنی اس میں اعضاء وضو کو دو دو دفعہ دھوئے) تو اس کو (ایک ایک دفعہ والے وضو کے مقابلہ میں) دو حصے ثواب ہوگا، اور جس نے وضو کیا تین تین دفعہ (جو) افضل اور مسنون طریقہ ہے، تو یہ میرا وضو ہے اور مجھ سے پہلے پیغمبروں کا (یعنی میرا دستور اعضاء وضو کو تین تین دفعہ دھونے کا ہے اور مجھ سے پہلے انبیاء علیہم السلام کا طریقہ بھی یہی رہا ہے۔) (مسند احمد)

تشریح — یہ حدیث مسند احمد کی ہے اور اسی میں ایک دوسری روایت اس طرح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن ایک ایک دفعہ وضو کر کے دکھایا اور فرمایا کہ یہ وہ کم سے کم درجہ کا وضو ہے جس کے بغیر کسی کی نماز اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول ہی نہیں ہو سکتی، اس کے بعد آپ نے دو دو دفعہ کا وضو کر کے دکھایا اور فرمایا کہ پہلے والے وضو کے مقابلہ میں اس کا ثواب دوہرا ملے گا، پھر آپ نے تین تین دفعہ والا وضو کر کے دکھایا اور فرمایا کہ یہ میرا وضو ہے اور مجھ سے پہلے انبیاء علیہم السلام کا۔ اس دوسری روایت کو دارقطنی، بیہقی، ابن حبان اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔ (زجاجۃ المصابیح) ان دونوں روایتوں سے بات بالکل صاف ہو جاتی ہے۔ واللہ اعلم

وضو کی سنتیں اور اس کے آداب

وضو میں فرض تو بس وہی چار چیزیں ہیں جن کا ذکر سورۂ مائدہ کی اس مندرجہ بالا آیت میں کیا گیا ہے جس میں نماز سے پہلے وضو کرنے کا حکم دیا گیا ہے، یعنی پورے چہرے کا دھونا، ہاتھوں کا کہنیوں تک دھونا، سر کا مسح کرنا، پاؤں کا ٹخنوں سمیت دھونا۔ ان چار چیزوں کے علاوہ رسول اللہ ﷺ وضو میں جن چیزوں کا اہتمام فرماتے تھے یا جن کی ترغیب دیتے تھے، وہ وضو کی سنتیں اور اس کے آداب ہیں جن سے وضو کی ظاہری یا باطنی تکمیل ہوتی ہے۔ مثلاً چہرے اور ہاتھ پاؤں کو بجائے ایک ایک دفعہ کے تین تین بار دھونا اور مل مل کر دھونا، داڑھی میں اور ہاتھ پاؤں کی انگلیوں میں خلال کرنا، انگلی میں پہنی ہوئی انگوٹھی کو حرکت دینا، تاکہ اس کے نیچے پانی پہنچنے میں شبہ نہ رہ جائے اسی طرح کلی اور ناک میں پانی لینے کا اہتمام کرنا، کانوں کے اندرونی اور بیرونی حصہ کا مسح کرنا، شروع میں بسم اللہ اور آخر میں کلمہ شہادت پڑھنا اور خاتمہ وضو کی دعا کرنا، یہ سب وضو کی سنتیں اور اس کے آداب و مستحبات ہیں جن سے وضو کی تکمیل ہوتی ہے۔ اس سلسلہ کی چند حدیثیں ذیل میں پڑھیے!

(۶) عَنْ سَعِيْدِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا وُضُوْءَ لِمَنْ لَمْ يَذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ.

(رواه الترمذي و ابن ماجه)

ترجمہ — حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے اللہ کا نام لئے بغیر وضو کیا اس کا وضو ہی نہیں۔ [illegible]

تشریح — امت کے اکثر ائمہ اور مجتہدین کے نزدیک اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو وضو غفلت کے ساتھ اللہ کا نام لئے بغیر کیا جائے وہ بہت ناقص اور بالکل بے نور ہو گا، اور ناقص کو کالعدم قرار دے کر اس کی سرے سے نفی کر دینا عام محاورہ ہے۔ [illegible] میں یہ بات تفصیل اور وضاحت سے لکھی جا چکی ہے۔ اگلے ہی نمبر پر ابوہریرہ، ابن مسعود و ابن عمر رضی اللہ عنہم کی روایت سے جو حدیث درج ہو رہی ہے اس سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ کا نام لئے بغیر جو وضو کیا جائے وہ اگرچہ بالکل بیکار نہیں ہے لیکن اپنی باطنی تاثیر اور نورانیت کے لحاظ سے بہت ناقص ہے۔

عَنْ اَبِىْ رَافِعٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا تَوَضَّأَ وُضُوْءَ الصَّلٰوةِ حَرَّكَ خَاتَمَهٗ فِىْ اُصْبُعِهٖ

(رواه الدارقطنى و ابن ماجه)

حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز کا وضو فرماتے تھے تو انگلی میں پہنی ہوئی اپنی انگوٹھی کو بھی حرکت دیتے تھے (تاکہ پانی اس جگہ بھی اچھی طرح پہنچ جائے اور کوئی شک وشبہ باقی نہ رہے)۔

مندرجہ بالا حدیثوں میں وضو کے سلسلے کے جن جن اعمال کا ذکر ہے، مثلاً داڑھی اور ہاتھ پاؤں کی انگلیوں کا خلال کرنا، کانوں کے اندر باہر کا اچھی طرح مسح کرنا اور ان کے سوراخوں تک بھی انگلیاں پہنچانا، اسی طرح ہاتھ میں پہنی ہوئی انگوٹھی کو حرکت دینا، یہ سب وضو کے تکمیلی آداب ہیں جن کا اہتمام رسول اللہ ﷺ خود بھی فرماتے تھے اور اپنے قول و عمل سے دوسروں کو بھی ان کی تعلیم و ترغیب دیتے تھے۔

وضو میں پانی بے ضرورت نہ بہایا جائے

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّ النَّبِىَّ ﷺ مَرَّ بِسَعْدٍ وَهُوَ يَتَوَضَّأُ فَقَالَ مَا هٰذَا السَّرَفُ يَا سَعْدُ! قَالَ اَفِى الْوُضُوْءِ سَرَفٌ؟ قَالَ وَاِنْ كُنْتَ عَلٰى نَهْرٍ جَارٍ۔ (رواه احمد و ابن ماجه)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سعد بن ابی وقاص (رضی اللہ عنہ) وضو کر رہے تھے (اور اس میں پانی کے استعمال میں فضول خرچی سے کام لے رہے تھے)، رسول اللہ (ﷺ) ان کے پاس سے گزرے تو آپ نے ان سے فرمایا: سعد! یہ کیا اسراف ہے (یعنی پانی بے ضرورت کیوں بہایا جا رہا ہے)؟ انہوں نے عرض کیا حضور (ﷺ)! کیا وضو کے پانی میں بھی اسراف ہوتا ہے؟ (یعنی کیا وضو میں پانی زیادہ خرچ کرنا بھی اسراف میں داخل ہے؟) آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، یہ بھی اسراف میں داخل ہے اگرچہ تم کسی جاری نہر کے کنارے ہی پر کیوں نہ ہو۔ (مسند احمد، سنن ابن ماجہ)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وضو کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ پانی کے استعمال میں اسراف سے کام نہ لیا جائے۔

وضو کے بعد تولیہ، رومال کا استعمال

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِذَا تَوَضَّأَ مَسَحَ وَجْهَهٗ بِطَرَفِ ثَوْبِهٖ

(رواه الترمذى)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ جب آپ وضو فرماتے تو اپنے ایک کپڑے کے کنارے سے چہرہ مبارک پونچھ لیتے۔ (جامع ترمذی)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ وضو فرمانے کے بعد اپنے کسی کپڑے (چادر وغیرہ) کے کنارے ہی سے چہرہ مبارک پونچھ لیتے تھے۔ اور امام ترمذی ہی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

اس لئے یہ سوال پیدا ہی نہیں ہوتا کہ بلالؓ زندگی ہی میں جنت میں کس طرح پہنچ گئے البتہ حضور ﷺ کا خواب میں حضرت بلالؓ کو جنت میں دیکھنا اور اس کا بیان فرمانا اس بات کی قطعی شہادت ہے کہ حضرت بلالؓ جنتی ہیں بلکہ درجہ اول کے جنتیوں میں ہیں۔

اس حدیث کی روح اور اس کا خاص پیغام یہ ہے کہ بندہ اس کی عادت ڈالے کہ جب بھی وضو کرے اس سے حسب توفیق کچھ نماز ضرور پڑھے، خواہ فرض ہو، خواہ سنت، خواہ نفل۔

ہر سلیم الفطرت اور صاحب روحانیت انسان، جب اس کے جسم کے کسی حصہ سے کوئی گندہ مادہ خارج ہوتا ہے یا اپنی طبیعت کا وہ کوئی ایسا نکتی اور شہوانی تقاضا پورا کرتا ہے جو ملکوتیت سے بہت ہی بعید ہوتا ہے، تو جیسا کہ پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے، وہ اپنے باطن میں ایک خاص قسم کی ظلمت و کدورت اور گندگی و آلودگی محسوس کرتا ہے اور اس حالت میں عبادت جیسے مقدس کاموں کے قابل اپنے کو نہیں سمجھتا اور بتلایا جا چکا ہے کہ دراصل اسی حالت کا نام حدث ہے۔ پھر اس حدث کی دو قسمیں ہیں یا یوں کہئے کہ دو درجے ہیں، ایک حدث اصغر، جس کے ازالہ کے لئے صرف وضو کافی ہو جاتا ہے، یعنی صرف وضو کر لینے سے ظلمت و گندگی کا وہ اثر زائل ہو جاتا ہے اور دوسرے حدث اکبر، جس کے اثرات زیادہ گہرے اور زیادہ وسیع ہوتے ہیں، اور ان کا ازالہ پورے جسم کے غسل ہی سے ہوتا ہے پیشاب پاخانہ اور خروج ریاح وغیرہ حدث اصغر کی مثالیں ہیں اور مجامعت و حیض و نفاس وغیرہ حدث اکبر ہیں۔

ہر سلیم الفطرت انسان اس روحانی ظلمت و کدورت کے ازالہ کے لئے جو مجامعت یا حیض و نفاس سے قلب و روح میں پیدا ہوتی ہے، غسل ضروری سمجھتا ہے اور جب تک غسل نہ کر لے، اپنے کو مقدس مشاغل و وظائف میں مشغولی کے لائق بلکہ مقدس مقامات سے گزرنے کے بھی قابل نہیں سمجھتا، گویا یہ انسان کی سلیم فطرت کا تقاضا ہے، شریعت مطہرہ نے بھی ان حالات میں غسل واجب کیا ہے اور غسل سے پہلے نماز اور تلاوت قرآن جیسے مقدس وظائف میں مشغول ہونے سے اور مساجد جیسے مقدس مقامات میں داخل ہونے سے منع فرمایا ہے۔ اس سلسلہ کی چند حدیثیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تَقْرَءُ الْحَائِضُ وَلَا الْجُنُبُ شَيْئًا مِنَ الْقُرْآنِ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ حائضہ [illegible] اور جنبی آدمی قرآن پاک میں سے کچھ بھی نہ پڑھے۔ (یعنی قرآن مجید جو اللہ تعالیٰ کا مقدس کلام ہے، اس کی تلاوت ان دونوں کے لئے بالکل ممنوع ہے)۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَجِّهُوْا هٰذِهِ الْبُيُوْتَ عَنِ الْمَسْجِدِ فَإِنِّيْ لَا أُحِلُّ

الْمَسْجِدَ لِحَائِضٍ وَلَا جُنُبٍ.

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا ان گھروں کا رخ مسجد کی طرف سے پھیر دو (یعنی ان کے دروازے جو مسجد کی طرف ہیں، ان کو مسجد کی جانب سے بند کر کے دوسری جانب کھولو) کیونکہ کسی حائضہ عورت اور کسی جنبی کے لئے مسجد میں داخل ہونے کا بالکل جواز نہیں ہے (ان کے لئے مسجد میں آنا ناجائز و حرام ہے)۔

مسجد نبوی جب شروع میں بنی تھی، تو اس کے آس پاس کے بہت سے گھروں کے دروازے مسجد کی طرف تھے، گویا کہ صحن مسجد ہی میں کھلتے تھے، کچھ عرصے کے بعد یہ حکم آیا کہ مسجد کے ادب و احترام کا یہ حق ہے کہ حائضہ اور جنبی اس میں داخل نہ ہوں، اس وقت رسول اللہ نے یہ اعلان فرمایا اور حکم دیا کہ یہ سب دروازے مسجد کی جانب سے بند کر کے دوسری طرف کھولے جائیں۔

رسول اللہ نے جس طرح اپنے قول و عمل سے وضو کا طریقہ اور اس کے آداب سکھلائے اور بتلائے ہیں، اسی طرح غسل کا طریقہ اور اس کے آداب بھی تعلیم فرمائے ہیں

۵۷) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ تَحْتَ كُلِّ شَعْرٍ جَنَابَةٌ فَاغْسِلُوا الشَّعْرَ وَانْقُوا الْبَشَرَةَ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ جسم کے ہر بال کے نیچے جنابت کا اثر ہوتا ہے، اس لئے غسل جنابت میں بالوں کو اچھی طرح دھونا چاہئے۔ (تاکہ جسم انسانی کا وہ حصہ بھی جو بالوں سے چھپا رہتا ہے، پاک صاف ہو جائے) اور جلد کا جو حصہ ظاہر ہے (جس پر بال نہیں ہیں) اس کی بھی اچھی طرح صفائی حلاقی کرنی چاہئے۔ (سنن ابی داود، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

۵۸) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ مَنْ تَرَكَ مَوْضِعَ شَعْرَةٍ مِنْ جَنَابَةٍ لَمْ يَغْسِلْهَا فُعِلَ بِهَا كَذَا وَكَذَا مِنَ النَّارِ، قَالَ عَلِيٌّ فَمِنْ ثَمَّ عَادَيْتُ رَأْسِيْ فَمِنْ ثَمَّ عَادَيْتُ رَأْسِيْ ثَلٰثًا.

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا جس شخص نے غسل جنابت میں ایک بال بھر بھی جگہ دھونے سے چھوڑ دی تو اس کو دوزخ کا ایسا ایسا عذاب دیا جائے گا۔ حدیث کے راوی حضرت علی فرماتے ہیں کہ حضورؐ کے اس ارشاد ہی کی وجہ سے میں اپنے سر کے بالوں کا دشمن بن گیا (یعنی میں نے معمول بنا لیا کہ جب بال ذرا بڑھے، میں نے ان کا صفایا کر دیا) ابو داود کی روایت کے مطابق یہ جملہ آپ نے تین دفعہ فرمایا۔

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ غسل جنابت میں سارے جسم کا اس طرح دھویا جانا ضروری

نے آپ ﷺ کو رومال دیا تو آپ ﷺ نے اس کو واپس فرمادیا (صحیحین ہی کی دوسری روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ رومال استعمال کرنے کے بجائے آپ ﷺ نے جسم پر سے پانی کو سونت دیا اور جھاڑ دیا)۔

تشریح حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت میمونہؓ کی ان حدیثوں سے رسول اللہ ﷺ کے غسل کے طریقے کی پوری تفصیل معلوم ہو جاتی ہے، یعنی یہ کہ آپ ﷺ سب سے پہلے اپنے دونوں ہاتھ دو تین دفعہ دھوتے تھے (کیونکہ ان ہاتھوں ہی کے ذریعہ پورے جسم کو غسل دیا جاتا ہے) اس کے بعد آپ مقام استنجا کو بائیں ہاتھ سے دھوتے تھے اور داہنے ہاتھ سے اس پر پانی ڈالتے تھے اس کے بعد بائیں ہاتھ کو مٹی سے مل مل کے اور رگڑ رگڑ کر خوب مانجھتے اور دھوتے تھے، پھر اس کے بعد وضو فرماتے تھے (جس کے ضمن میں تین تین دفعہ کلی کرکے اور ناک میں پانی لے کر اس کی اچھی طرح صفائی کرکے منہ اور ناک کے اندرونی حصہ کو غسل دیتے تھے اور حسب عادت ریش مبارک میں خلال کرکے اس کے ایک ایک بال کو غسل دیتے اور بالوں کی جڑوں میں پانی پہنچاتے تھے) اس کے بعد اسی طرح سر کے بالوں کو اہتمام سے دھوتے تھے اور ہر بال کی جڑ تک پانی پہنچانے کی کوشش کرتے تھے، اس کے بعد باقی سارے جسم کو غسل دیتے تھے، پھر غسل کی اس جگہ سے ہٹ کر پاؤں کو پھر دھوتے تھے، ظاہر ہے کہ غسل کا سب سے زیادہ پاکیزہ اور باسلیقہ طریقہ یہی ہو سکتا ہے۔ غسل کی جگہ سے ہٹ کر پھر پاؤں آپ ﷺ غالباً اس لئے دھوتے تھے کہ غسل کی وہ جگہ صاف اور پختہ نہیں ہوتی تھی۔

(۶۱) عَنْ يَعْلَى قَالَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ رَاٰى رَجُلًا يَغْتَسِلُ بِالْبَرَازِ فَصَعِدَ الْمِنْبَرَ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ حَيِيٌّ سِتِّيْرٌ يُحِبُّ الْحَيَاءَ وَالسَّتْرَ فَاِذَا اغْتَسَلَ اَحَدُكُمْ فَلْيَسْتَتِرْ ۔

(رواہ ابو داؤد والنسائی)

ترجمہ حضرت یعلیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی نظر ایک شخص پر پڑی جو کھلے میدان میں (برہنہ) غسل کر رہا تھا، تو آپ ﷺ نے (کسی مناسب وقت میں) منبر پر خطبہ دیا، جس میں معمول کے مطابق پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی اس کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ خود حیا فرمانے والا اور پردہ دار ہے، (یعنی بندوں کی جن شرمناک حرکتوں کا ظاہر کرنا شرم و حیا کے خلاف ہے، اللہ تعالیٰ ان کو ظاہر نہیں فرماتا، بلکہ ان کی پردہ داری فرماتا ہے اور بندوں کے لئے بھی وہ حیاداری اور پردہ داری کو پسند فرماتا ہے، اس بناء پر اس کا حکم ہے اور میں تم کو اس کی ہدایت اور تاکید کرتا ہوں کہ جب تم میں سے کوئی غسل کیا کرے، تو پردہ کر لیا کرے (لوگوں کی نگاہوں کے سامنے بے پردہ غسل نہ کیا کرے)۔

مسنون یا مستحب غسل

شریعت نے جن حالات میں غسل کو فرض و واجب قرار دیا ہے اس کا بیان ہو چکا اور اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ کے ارشادات بھی درج کئے جا چکے، ان کے علاوہ بھی بعض موقعوں پر رسول اللہ ﷺ نے

موٹے کپڑے) پہنتے تھے اور محنت مزدوری میں اپنی پیٹھوں پر بوجھ لادتے تھے اور ان کی مسجد (مسجد نبوی) بھی بہت تنگ تھی اور اس کی چھت بہت نیچی تھی اور ساری مسجد بس ایک چھپر کا سائبان تھا (جس کی وجہ سے اس میں انتہائی گرمی اور گھٹن رہتی تھی) پس رسول اللہ ﷺ ایک جمعہ کو جب کہ سخت گرمی کا دن تھا گھر سے مسجد تشریف لائے اور لوگوں کا یہ حال تھا کہ صوف کے موٹے موٹے کپڑوں میں ان کو پسینے چھوٹ رہے تھے اور ان سب چیزوں نے مل ملا کر مسجد کی فضا میں بدبو پیدا کر دی تھی جس سے سب کو تکلیف اور اذیت ہو رہی تھی تو رسول اللہ ﷺ نے جب یہ بدبو محسوس کی تو فرمایا کہ:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِذَا كَانَ هٰذَا الْيَوْمُ فَاغْتَسِلُوْا وَلْيَمَسَّ أَحَدُكُمْ أَفْضَلَ مَا يَجِدُ مِنْ دُهْنِهٖ وَطِيْبِهٖ

اے لوگو جب جمعہ کا یہ دن ہوا کرے تو تم لوگ غسل کیا کرو اور جو اچھا خوشبودار تیل اور جو بہتر خوشبو جس کو دستیاب ہو وہ لگایا کرے۔

(حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں) اس کے بعد خدا کے فضل سے فقر و فاقہ کا وہ دور ختم ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خوشحالی اور وسعت نصیب فرمائی، پھر صوف کے وہ کپڑے بھی نہیں رہے جن سے بدبو پیدا ہوتی تھی اور وہ محنت و مشقت بھی نہیں رہی اور مسجد کی وہ تنگی بھی ختم ہو گئی اور اس کو وسیع کر لیا گیا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جمعہ کے دن لوگوں کے پسینہ وغیرہ سے جو بدبو مسجد کی فضا میں پیدا ہو جاتی تھی وہ بات نہیں رہی۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے اس بیان سے معلوم ہوا کہ اسلام کے ابتدائی دور میں اس خاص حالت کی وجہ سے جس کی ان کے اس بیان میں تفصیل کی گئی ہے غسل جمعہ مسلمانوں کے لئے ضروری قرار دیا گیا تھا اس کے بعد جب وہ حالت نہیں رہی تو اس حکم کا وہ درجہ تو نہیں رہا، لیکن بہر حال اس میں پاکیزگی ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اور اب بھی اس میں خیر اور ثواب ہے۔ یعنی اب وہ مسنون اور مستحب ہے، اور سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی مندرجہ ذیل حدیث میں غسل جمعہ کی یہی حیثیت صراحۃً مذکور ہے۔

(۹۴) **عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ تَوَضَّأَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَبِهَا وَنِعْمَتْ وَمَنْ اغْتَسَلَ فَالْغُسْلُ أَفْضَلُ.** (رواه احمد و ابو داود والترمذی والنسائی والدارمی)

ترجمہ: حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص جمعہ کے دن (نماز جمعہ کے لئے) وضو کرے تو بھی کافی ہے اور ٹھیک ہے اور جو غسل کرے تو غسل کرنا افضل ہے۔

(مسند احمد، سنن ابی داود، جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن دارمی)

(آگے نماز جمعہ سے متعلق احادیث میں بھی جمعہ کے دن کے نہانے دھونے کا ذکر آئے گا اور اس سلسلہ کی بعض باتیں ان شاء اللہ وہیں مذکور ہوں گی۔

میت کو نہلانے کے بعد غسل

(۶۵) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ غَسَّلَ مَيِّتًا فَلْيَغْتَسِلْ.

(رواه ابن ماجه وزاد احمد والترمذي وابوداؤد "ومن حمله فليتوضأ")

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص میت کو غسل دے تو اس کو چاہئے کہ غسل کرے۔ (سنن ابن ماجہ میں یہ حدیث بس اسی قدر ہے، اور مسند احمد، جامع ترمذی اور سنن ابی داؤد میں اس کے ساتھ یہ اضافہ بھی ہے کہ "اور جو شخص میت کا جنازہ اٹھائے اس کو چاہئے کہ وضو کرلے"۔)

تشریح — امت کے ائمہ اور علماء شریعت کے نزدیک یہ حکم استحبابی ہے، اس لئے ان کے نزدیک میت کو غسل دینے والے کے لئے مستحب ہے کہ غسل سے فارغ ہونے کے بعد وہ خود بھی غسل کرلے، کیونکہ اس کا کافی امکان اور احتمال ہے کہ غسالۂ میت کی چھینٹیں اس کے جسم کے کسی حصہ پر پڑی ہوں۔ اور ایک دوسری حدیث میں جس کو امام بیہقی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اس غسل کے وجوب کی صراحۃً نفی بھی وارد ہوئی ہے، اس لئے عام ائمہ امت نے میت کو غسل دینے کے بعد غسل کرنے کو مستحب ہی کہا ہے، اسی حدیث کے دوسرے جز میں جنازہ اٹھانے والوں کو وضو کرنے کا جو حکم ہے وہ بھی استحبابی ہی ہے اور اس حکم کا مقصد غالباً یہ بھی ہے کہ جنازہ اٹھانے والے پہلے ہی سے وضو کر کے نماز جنازہ پڑھنے کے لئے تیار رہیں۔ واللہ اعلم۔

عیدین کے دن کا غسل

(۶۶) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَغْتَسِلُ يَوْمَ الْفِطْرِ وَيَوْمَ الْأَضْحَى.

(رواه ابن ماجه)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن غسل فرمایا کرتے تھے۔ (سنن ابن ماجہ)

تشریح — عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن غسل کرنا اور حسب توفیق اچھا صاف ستھرا لباس پہننا اور خوشبو استعمال کرنا، امت کے ان متوارث اعمال میں سے ہے جن کا رواج بلاشبہ قرن اول سے چلا آرہا ہے، اس لئے اس میں شبہ نہیں کیا جا سکتا کہ امت کو اس کی تعلیم و ہدایت رسول اللہ ﷺ کے ارشاد یا عمل ہی سے ملی ہے، لیکن ان چیزوں کے بارہ میں جو روایات کتب حدیث میں ملتی ہیں محدثین کے اصول تنقید کے مطابق ان سب کی سندوں میں ضعف ہے، حضرت عبداللہ بن عباس کی یہ روایت جو سنن ابن ماجہ کے حوالے سے یہاں درج کی گئی ہے اس کی سند بھی ضعیف ہے، یہ ایک واضح مثال ہے اس حقیقت کی کہ بعض روایات کی سندوں میں اصطلاحی ضعف ہوتا ہے لیکن ان کا مضمون صحیح اور ثابت ہوتا ہے۔ پس اگر کسی حدیث کی سند

میں محدثین کے نزدیک ضعف ہو لیکن اس کا مضمون شواہد و قرائن سے صحیح ثابت ہوتا ہو تو وہ
بھی کی طرح حجت اور قابل قبول ہوگی۔

تیمم

بسا اوقات آدمی ایسی حالت اور کسی ایسی بیماری میں مبتلا ہوتا ہے کہ غسل یا وضو کرنا اس کے لیے مضر ہوتا ہے، اسی طرح کبھی آدمی ایسی جگہ ہوتا ہے کہ غسل یا وضو کے لئے وہاں پانی ہی میسر نہیں ہوتا۔ ان حالات میں اگر یا غسل اور یا وضو دونوں ہی نماز پڑھنے کی اجازت دے دی جاتی، تو اس کا ایک نقصان تو یہ ہوتا کہ ان اتفاقات سے طبیعتیں ترک طہارت کی عادی بنتیں اور دوسرا اس سے بڑا ضرر یہ ہوتا کہ غسل اور وضو کی پابندی سے اللہ تعالیٰ کے دربار کی حاضری کا جو اہتمام محسوس ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے اس حاضری کی عظمت اور اس کے تقدس کا جو تصور ذہن پر چھایا ہوا رہتا ہے وہ مجروح ہو جاتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کی حکمت نے مجبوری کے ایسے حالات میں تیمم کو غسل اور وضو کا قائم مقام بنا دیا ہے۔ اب غسل اور وضو سے مجبور ہونے کے حالات میں جب آدمی نماز وغیرہ کے لئے تیمم کا اہتمام کرے گا تو اس کی عادت اور اس کے ذہن پر انشاء اللہ اس طرح کا کوئی غلط اثر نہیں پڑے گا۔

تیمم یہ ہے کہ سطح زمین پر یا مٹی یا پتھر یا ریت جیسی کسی چیز پر (یعنی ایسی چیزیں جو سطح زمین پر عموماً ہوتی ہیں، ان میں سے کسی پر) طہارت کی نیت سے ہاتھ مار کر دونوں ہاتھ چہرے اور ہاتھوں پر پھیر لیے جائیں، اس طرح بس ہاتھ پھیر لینے سے تیمم ہو جاتا ہے، مٹی وغیرہ کا چہرے یا ہاتھوں پر لگنا ضروری نہیں ہے بلکہ اس کا اہتمام کرنا چاہیے کہ مٹی وغیرہ چہرے اور ہاتھوں پر نہ لگے۔

تیمم کی حکمت

غسل اور وضو میں پانی استعمال ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے مجبوری کی حالت میں اس کے بجائے تیمم کا حکم دیا، جس میں مٹی اور پتھر وغیرہ کا استعمال ہوتا ہے، اس کی ایک حکمت تو بعض اہل تحقیق نے یہ بیان کی ہے کہ پوری زمین کے دو ہی حصے ہیں، ایک بڑے حصہ کی سطح پانی ہے، دوسرے حصے کی سطح مٹی، پتھر وغیرہ، اس لیے پانی اور مٹی میں خاص مناسبت ہے نیز انسان کی ابتدائی تخلیق بھی مٹی اور پانی ہی سے ہوئی ہے، علاوہ ازیں مٹی ہی ایسی چیز ہے جس کو انسان سمندر کے علاوہ ہر جگہ پا سکتا ہے اور مٹی کو ہاتھ لگا کر منہ پر پھیرنے میں تذلل اور خاکساری کی بھی ایک خاص شان ہے اور چونکہ انسان کا آخری ٹھکانا مٹی اور خاک ہی ہے اور اس کو خاک ہی میں ملنا ہے، اس لیے تیمم میں موت اور قبر کی یاد بھی ہے۔ [illegible]

اس کے بعد تیمم سے متعلق چند حدیثیں پڑھئے! سب سے پہلے صحیحین کی وہ حدیث درج کی جاتی ہے جس میں اس واقعہ کا ذکر ہے جس میں تیمم کا حکم نازل ہوا۔

تیمم کا حکم

(۶۷) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِيْ بَعْضِ اَسْفَارِهٖ حَتّٰى اِذَا كُنَّا بِالْبَيْدَاءِ اَوْ بِذَاتِ الْجَيْشِ انْقَطَعَ عِقْدٌ لِّيْ فَاَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلَى الْتِمَاسِهٖ وَاَقَامَ النَّاسُ مَعَهٗ وَلَيْسُوْا عَلٰى مَاءٍ فَاَتَى النَّاسُ اِلٰى اَبِيْ بَكْرٍ فَقَالُوْا اَلَا تَرٰى اِلٰى مَا صَنَعَتْ عَائِشَةُ اَقَامَتْ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَ بِالنَّاسِ مَعَهٗ وَلَيْسُوْا عَلٰى مَاءٍ وَلَيْسَ مَعَهُمْ مَاءٌ فَجَاءَ اَبُوْبَكْرٍ وَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَاضِعٌ رَأْسَهٗ عَلٰى فَخِذِيْ قَدْ نَامَ فَقَالَ حَبَسْتِ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَالنَّاسَ وَلَيْسُوْا عَلٰى مَاءٍ وَلَيْسَ مَعَهُمْ مَاءٌ قَالَتْ فَعَاتَبَنِيْ اَبُوْبَكْرٍ وَقَالَ مَاشَاءَ اللّٰهُ اَنْ يَّقُوْلَ وَجَعَلَ يَطْعُنُنِيْ بِيَدِهٖ فِيْ خَاصِرَتِيْ فَلَا يَمْنَعُنِيْ مِنَ التَّحَرُّكِ اِلَّا مَكَانُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ عَلٰى فَخِذِيْ فَنَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ حَتّٰى اَصْبَحَ عَلٰى غَيْرِ مَاءٍ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اٰيَةَ التَّيَمُّمِ فَتَيَمَّمُوْا فَقَالَ اُسَيْدُ بْنُ الْحُضَيْرِ وَهُوَ اَحَدُ النُّقَبَاءِ مَاهِيَ بِاَوَّلِ بَرَكَتِكُمْ يَا اٰلَ اَبِيْ بَكْرٍ فَقَالَتْ عَائِشَةُ فَبَعَثْنَا الْبَعِيْرَ الَّذِيْ كُنْتُ عَلَيْهِ فَوَجَدْنَا الْعِقْدَ تَحْتَهٗ . (رواه البخاري و مسلم و اللفظ لمسلم)

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، بیان فرماتی ہیں کہ ایک سفر میں (تحقیقی قول کے مطابق غزوۂ ذات الرقاع میں) ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ گئے۔ یہاں تک کہ جب ہم مقام بیداء یا ذات الجیش کے مقام پر تھے (یہ دونوں مقام مدینہ طیبہ اور خیبر کے درمیان پڑتے ہیں) تو وہاں میرا ایک ہار (جو در حقیقت میری بڑی بہن اسماء کا تھا، میں نے عاریۃً ان سے لے کر گلے میں ڈال لیا تھا) ٹوٹ کر گر گیا، اور گویا گم ہو گیا، میں نے اس کی اطلاع رسول اللہ ﷺ کو دی) تو اس کو تلاش کرانے کے لئے آپ نے وہاں قیام فرمایا، اور آپ کے ساتھ جو لوگ تھے وہ بھی ٹھہر گئے، اور اس مقام پر پانی کا کوئی بندوبست نہیں تھا، تو کچھ لوگوں نے (میرے والد ماجد) ابو بکر صدیق کے پاس جا کر کہا کہ آپ دیکھتے ہیں (آپ کی صاحبزادی) عائشہ نے کیا کیا ہے، انہوں نے (ہار گم کر کے) رسول اللہ ﷺ اور آپ کے سب ساتھیوں کو یہاں ٹھہرنے پر مجبور کر دیا ہے، حالانکہ نہ یہاں پانی ہے اور نہ لشکر کے ساتھ پانی ہے، پس (والد ماجد) ابو بکر صدیق میرے پاس تشریف لائے اور اس وقت رسول اللہ ﷺ میری ران پر سر رکھے آرام فرما رہے تھے اور آپ کو نیند آ گئی تھی، وہ مجھ سے مخاطب ہو کر فرمانے لگے کہ تو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے سب ساتھیوں کے یہاں رکنے کا باعث بن گئی اور صورت حال یہ ہے کہ یہاں (قریب میں) بھی پانی نہیں ہے اور نہ لشکر کے ساتھ پانی کا انتظام ہے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ والد ماجد نے مجھے خوب (ڈانٹا اور) جو اللہ کو منظور تھا اس وقت انہوں نے مجھے وہ سب کہا اور (غصہ سے) میرے پہلو میں کونچے لگائے، لیکن رسول اللہ ﷺ چونکہ میری ران پر سر رکھے آرام فرما رہے تھے اس لئے میں بالکل نہیں ہلی (کہ میرے حرکت کرنے سے آپ کے آرام میں خلل نہ پڑے) پس رسول اللہ ﷺ سوتے رہے یہاں تک کہ آپ نے صبح کی ایسے مقام پر اور ایسی حالت میں کہ وہاں پانی کا کوئی بندوبست

نہیں تھا، تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے تیمم کی آیت نازل فرمائی، تو سب لوگوں نے تیمم کیا (اور تیمم کر کے
نماز ادا کی) تو اسید بن حضیر نے (جو ان نقباء انصار میں سے ایک تھے، جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے
ہاتھ پر ہجرت سے پہلے بیعت کی تھی) کہا کہ اے آل ابو بکر! یہ تیمم کا حکم تمہاری پہلی برکت نہیں ہے
(بلکہ اس سے پہلے بھی تمہارے ذریعہ امت کو برکتیں مل چکی ہیں) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ (اس
سب کے بعد) جب اس اونٹ کو اٹھایا گیا جو میری سواری میں تھا، تو میرا ہار اس کے نیچے مل گیا۔
(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح — حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت میں جس آیت تیمم کا ذکر ہے اس سے غالباً سورۂ نساء کی یہ آیت مراد ہے

وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُورًا. (النساء ۴: ۴۳)

اور اگر تم بیمار ہو (اور پانی کا استعمال مضر ہو) یا تم سفر پر ہو یا تم میں سے کوئی شخص استنجے سے آیا ہو یا تم نے بیویوں سے قربت کی ہو اور تم کو پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے تیمم کر لیا کرو (یعنی اس زمین پر دو ہاتھ مار کے) اپنے چہروں اور ہاتھوں پر پھیر لیا کرو، اللہ تعالیٰ بہت معاف فرمانے والا اور بڑا بخشنے والا ہے۔

یہی مضمون لفظوں کے بہت خفیف فرق کے ساتھ سورۂ مائدہ کے دوسرے رکوع میں بھی ارشاد فرمایا گیا ہے اور بعض راویوں کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر سورۂ مائدہ والی آیت نازل ہوئی تھی۔ لیکن اکثر مفسرین کی تحقیق یہ ہے کہ سورۂ نساء والی آیت پہلے نازل ہوئی ہے اور سورۂ مائدہ والی بعد میں۔ واللہ اعلم

۶۸) **عَنْ عَمَّارٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَقَالَ إِنِّي أَجْنَبْتُ فَلَمْ أُصِبِ الْمَاءَ فَقَالَ عَمَّارٌ لِعُمَرَ أَمَا تَذْكُرُ أَنَّا كُنَّا فِي سَفَرٍ أَنَا وَأَنْتَ فَأَمَّا أَنْتَ فَلَمْ تُصَلِّ وَأَمَّا أَنَا فَتَمَعَّكْتُ فَصَلَّيْتُ فَذَكَرْتُ ذَالِكَ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ إِنَّمَا يَكْفِيكَ هَذَا فَضَرَبَ النَّبِيُّ ﷺ بِكَفَّيْهِ الْأَرْضَ وَنَفَخَ فِيهِمَا ثُمَّ مَسَحَ بِهِمَا وَجْهَهُ وَكَفَّيْهِ.** (رواه البخاري و مسلم نحوه)

ترجمہ: حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آیا اور اس نے مسئلہ پوچھا کہ مجھے غسل کی حاجت ہو گئی ہے اور پانی مجھے ملا نہیں (تو کیا کروں؟) تو حضرت عمار نے (جو وہاں موجود تھے) حضرت عمر سے کہا کیا آپ کو یاد نہیں کہ ایک دفعہ میں اور آپ سفر میں تھے (اور ہم دونوں کو غسل کی حاجت ہو گئی تھی) تو آپ نے تو اس حالت میں نماز نہیں پڑھی، اور میں نے یہ کیا کہ میں زمین پر خوب لوٹا پوٹا (یہ سمجھ کر کہ جنابت والا تیمم بھی غسل کی طرح سارے جسم کا ہونا ہوگا، تو جب ہم سفر سے واپس آئے) تو میں نے یہ بات رسول اللہ ﷺ

صلاتک وقال للذی توضأ واعاد لک الاجر مرتین

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ صحابہؓ میں سے دو شخص سفر میں تھے، کسی موقع پر نماز کا وقت آگیا اور ان کے ساتھ پانی تھا نہیں، اس لئے دونوں نے پاک مٹی سے تیمم کر کے نماز پڑھ لی، پھر نماز کا وقت ختم ہونے سے پہلے پانی بھی مل گیا، تو ایک صاحب نے تو وضو کر کے دوبارہ نماز پڑھی اور دوسرے صاحب نے نماز کا اعادہ نہیں کیا، پھر جب دونوں حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو اس کا ذکر کیا، تو جن صاحب نے نماز کا اعادہ نہیں کیا تھا ان سے آپ نے فرمایا، تم نے ٹھیک طریقہ پر عمل کیا اور تم نے جو تیمم کر کے پڑھی وہ تمہارے لیے کافی ہو گئی (شریعت کا مسئلہ یہی ہے کہ جب موقع پر تیمم کر کے نماز پڑھ لی گئی ہو تو بعد میں وقت کے اندر پانی مل جانے پر بھی دہرانے کی ضرورت نہیں، اس لیے تم نے جو کچھ کیا ٹھیک مسئلہ کے مطابق کیا) اور جن صاحب نے وضو کر کے نماز دوبارہ پڑھی تھی ان سے آپ نے فرمایا کہ تمہیں دوہرا ثواب ملے گا (کیونکہ تم نے دو دفعہ نماز پڑھی اور عمل صحیح ہوا) اللہ تعالیٰ کسی عمل کو ضائع نہیں فرماتا۔

معارفُ الحدیث

جلد دوم ——— حصہ سوم

کتاب الصلوٰۃ

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ

اے اللہ میں تیری حمد و ستائش کے ساتھ تیری پاکی بیان کرتا ہوں، تیرا پاک نام بڑا ہی بابرکت ہے، اور تو بڑی عظمت والا ہے، تیرے سوا کوئی بھی عبادت اور بندگی کا مستحق نہیں۔

رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ رَبَّنَا اغْفِرْلِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ○

خداوندا! مجھے نماز قائم کرنے والا بندہ بنا، اور میری نسل کو بھی اس کی توفیق دے، میرے رب میری دعا قبول فرما لے!

پروردگار! جس دن اعمال کا حساب ہو اس دن مجھے اور میرے ماں باپ کو اور اپنے ایمان والے سب ہی بندوں کو بخش دے۔

اٰمِيْن يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ !

عبدك المذنب

عفا اللہ عنہ

حسب ذلك الخضوع."

یعنی نماز کے اصل دو عنصر ہیں۔ ایک یہ کہ قلب اللہ تعالیٰ کی ذاتی عظمت و جلال کے دھیان سے سرافگندہ ہو۔ اور دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کی اس عظمت و کبریائی اور اپنی عاجزی اور افگندگی کا جذبہ جسم و اعضاء میں اپنی زبان سے ادا کرے اور ظاہر ہو۔ باقی تمام ظاہری اعضاء کو بھی اللہ تعالیٰ کی عظمت و جبروت اور اپنی عاجزی و بندگی کی شہادت کے لئے استعمال کرے۔ پھر اسی سلسلہ کلام میں چند سطر کے بعد فرماتے ہیں۔

"اما الصّلوة فهى المعجون المركب من الفكر المصروف تلقاء عظمةالله ... ومن الادعية المبينة اخلاص عمله لله و توجيهه وجهه تلقاء الله وقصر الا ستعانة فى الله ومن افعال تعظيمية كالسجود والركوع يصيركل واحد عضد الأخرومكمله والمنبه عليه."

یعنی نماز کی حقیقت تین اجزاء سے مرکب ہے۔ ایک اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کا تصور و فکر۔ دوسرے چند ایسی دعائیں اور اذکار جن سے یہ بات ظاہر ہو کہ بندہ کی بندگی اور اس کے اعمال خالص اللہ کے لئے ہیں اور وہ اپنا رخ اللہ ہی کی طرف کئے ہوئے ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ... ہیں اور جن سے یہ بات ظاہر ہو کہ اللہ تعالیٰ ہی کی مدد چاہتا ہے۔ تیسرے تعظیمی افعال جیسے رکوع سجدہ وغیرہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کی تکمیل کرتا ہے اور اس کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ اور آگے فرماتے ہیں۔

والصّلوة معراج المؤمنين معدة للتجليات الاخروية ... وسبب عظيم لمحبة الله و رحمته ... واذا تمكنت من العبد اضمحل فى نورالله و كفرت عنه خطاياه ... ولا شئ انفع من سوء المعرفة منها اذا فعلت افعالها واقوالها على حضور القلب والنية الصالحة ... واذا جعلت رسما مشهورًا نفعت من غوائل الرسوم نفعا بينا و صارت شعارا للمسلم يتميزبه من الكافر ... ولا شىء فى تمرين النفس على انقياد الطبيعة للعقل و جريانها فى حكمه مثل الصلوة .. ص ۷۲، ۷۳ جلد (۱)

اس عبارت میں حضرت شاہ صاحب نے نماز کی متعدد اہم خصوصیات اور تاثیرات بیان کی ہیں۔ اول یہ کہ وہ اہل ایمان کی معراج ہے اور آخرت میں تجلیات الٰہی کے جو مشاہدے اہل ایمان کو نصیب ہونے والے ہیں ان کی استعداد اور صلاحیت پیدا کرنے کا وہ خاص ذریعہ ہے۔ دوم یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور رحمت کے حصول کا وسیلہ ہے۔ سوم یہ کہ نماز کی حقیقت جب کسی بندہ کو حاصل ہو جاتی ہے اور اس کی روح پر نماز کی کیفیت کا غلبہ ہو جاتا ہے تو وہ بندہ نور الٰہی کی موجوں میں ڈوب کر گناہوں سے پاک صاف ہو جاتا ہے (جیسے کہ کوئی میلی کچیلی چیز دریائی موجوں میں پڑ کر پاک صاف ہو جاتی ہے یا جیسے لوہا آگ کی بھٹی میں رہ کر صاف ہو جاتا ہے)۔ چہارم یہ کہ نماز جب حضور قلب اور صادق نیت کے ساتھ صحیح طریقہ پر ادا کی جائے تو معرفت

اسکے واسطے نہ نور بنے گی، نہ برہان اور نہ ذریعہ نجات، اور وہ بدبخت قیامت میں قارون، فرعون، ہامان اور مشرکین مکہ کے سرغنہ ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔

مطلب یہ ہے کہ نماز سے لاپرواہی وہ جرم عظیم ہے جو آدمی کو اس جہنم میں پہنچائے گا جہاں فرعون، ہامان اور قارون اور ابی بن خلف جیسے خدا کے باغی ڈالے جائیں گے۔ لیکن ظاہر ہے کہ جہنم میں جانے والے سب لوگوں کا عذاب ایک ہی درجہ کا نہ ہوگا، ایک قید خانہ میں بہت سے قیدی ہوتے ہیں اور اپنے اپنے جرائم کے مطابق ان کی سزائیں مختلف ہوتی ہیں۔

(۵) عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ خَمْسُ صَلَوَاتٍ افْتَرَضَهُنَّ اللّٰهُ تَعَالٰى مَنْ أَحْسَنَ وُضُوْءَهُنَّ وَصَلَّاهُنَّ لِوَقْتِهِنَّ وَأَتَمَّ رُكُوْعَهُنَّ وَخُشُوْعَهُنَّ كَانَ لَهُ عَلَى اللّٰهِ عَهْدٌ أَنْ يَغْفِرَ لَهُ وَمَنْ لَّمْ يَفْعَلْ فَلَيْسَ لَهُ عَلَى اللّٰهِ عَهْدٌ إِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهُ وَإِنْ شَاءَ عَذَّبَهُ.

(رواہ احمد و ابو داؤد)

پانچ نمازیں ہیں اللہ تعالیٰ نے فرض کی ہیں، جس نے ان کے لیے اچھی طرح وضو کیا، اور ٹھیک وقت پر ان کو پڑھا، اور رکوع سجود بھی جیسے کرنے چاہئیں ویسے ہی کیے اور خشوع کی صفت کے ساتھ ان کو ادا کیا تو ایسے شخص کے لیے اللہ تعالیٰ کا پکا وعدہ ہے کہ وہ اس کو بخش دے گا، اور جس نے ایسا نہیں کیا (اور نماز کے بارہ میں اس نے کوتاہی کی) تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ کا کوئی وعدہ نہیں ہے، چاہے گا تو اس کو بخش دے گا اور چاہے گا تو سزا دے گا۔

مطلب یہ ہے کہ جو صاحب ایمان بندہ اہتمام اور فکر کے ساتھ نماز اچھی طرح ادا کرے گا تو اولاً تو وہ خود ہی گناہوں سے پرہیز کرنے والا ہوگا، اور اگر شیطان یا نفس کے فریب سے کبھی اس سے گناہ سرزد ہوں گے تو نماز کی برکت سے اس کو توبہ و استغفار کی توفیق ملتی رہے گی (جیسا کہ عام تجربہ اور مشاہدہ بھی ہے) اور اس سب کے علاوہ نماز اس کے لئے کفارہ سیئات بھی بنتی رہے گی اور پھر نماز بجائے خود گناہوں کے میل کچیل کو صاف کرنے والی اور بندہ کو اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت و عنایت کا مستحق بنانے والی وہ عبادت ہے جو فرشتوں کے لئے بھی باعث رشک ہے، اس لیے جو بندے نماز کے شرائط و آداب کا پورا اہتمام کرتے ہوئے خشوع کے ساتھ نماز ادا کرنے کے عادی ہوں گے ان کی مغفرت بالکل یقینی ہے، اور جو لوگ دعوائے اسلام کے باوجود نماز کے بارے میں کوتاہی کریں گے (ان کے حالات کے مطابق) اللہ تعالیٰ جو فیصلہ چاہے گا کرے گا، چاہے ان کو سزا دے یا اپنی رحمت سے معاف فرمادے اور بخش دے۔ بہرحال وہ سخت خطرہ میں ہیں اور ان کی مغفرت اور بخشش کی کوئی گارنٹی نہیں۔

نماز گناہوں کی معافی اور تطہیر کا ذریعہ

۶) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَرَأَيْتُمْ لَوْ أَنَّ نَهَرًا بِبَابِ أَحَدِكُمْ يَغْتَسِلُ فِيْهِ كُلَّ يَوْمٍ خَمْسًا هَلْ يَبْقَى مِنْ دَرَنِهِ شَيْءٌ قَالُوْا لَا يَبْقَى مِنْ دَرَنِهِ شَيْءٌ قَالَ فَذٰلِكَ مَثَلُ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ يَمْحُو اللّٰهُ بِهِنَّ الْخَطَايَا۔ (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ — حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن ارشاد فرمایا: بتلاؤ اگر تم میں سے کسی کے دروازہ پر نہر جاری ہو جس میں روزانہ پانچ دفعہ وہ نہاتا ہو تو کیا اس کے جسم پر کچھ میل کچیل باقی رہے گا؟ صحابہ نے عرض کیا کہ کچھ بھی نہیں باقی رہے گا، آپ نے ارشاد فرمایا: بالکل یہی مثال پانچ نمازوں کی ہے، اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ سے خطاؤں کو دھوتا اور مٹاتا ہے۔

تشریح — صاحبِ ایمان بندہ جس کو نماز کی حقیقت نصیب ہو، جب نماز میں مشغول ہوتا ہے تو اس کی روح گویا اللہ تعالیٰ کے بحرِ جلال و جمال میں غوطہ زن ہوتی ہے، اور جس طرح کوئی میلا کچیلا اور گندہ کپڑا دریا کی موجوں میں پڑ کر پاک و صاف اور اجلا ہو جاتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے جلال و جمال کے انوار کی موجیں اس بندہ کے سارے میل کچیل کو صاف کر دیتی ہیں، اور جب دن میں پانچ دفعہ یہ عمل ہو تو ظاہر ہے کہ اس بندہ میں میل کچیل کا نام و نشان بھی نہ رہ سکے گا، بس یہی حقیقت ہے جو رسول اللہ ﷺ نے اس مثال کے ذریعہ سمجھائی ہے۔ اگلی حدیث نمبر ۷ میں آنحضرت ﷺ نے یہی بات ایک دوسرے انداز میں اور دوسری مثال کے ذریعہ سمجھانے کی کوشش فرمائی ہے۔

۷) عَنْ أَبِي ذَرٍّ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَرَجَ زَمَنَ الشِّتَاءِ وَالْوَرَقُ يَتَهَافَتُ فَأَخَذَ بِغُصْنَيْنِ مِنْ شَجَرَةٍ قَالَ فَجَعَلَ ذٰلِكَ الْوَرَقُ يَتَهَافَتُ قَالَ فَقَالَ يَا أَبَا ذَرٍّ قُلْتُ لَبَّيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ إِنَّ الْعَبْدَ الْمُسْلِمَ لَيُصَلِّي الصَّلٰوةَ يُرِيْدُ بِهَا وَجْهَ اللّٰهِ فَتَهَافَتُ عَنْهُ ذُنُوْبُهُ كَمَا تَهَافَتَ هٰذَا الْوَرَقُ عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ (رواه احمد)

ترجمہ — حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن سردی کے ایام میں باہر تشریف لے گئے اور درختوں کے پتے (خزاں کے سبب سے) خود جھڑ رہے تھے۔ آپ نے ایک درخت کی دو ٹہنیوں کو پکڑا (اور ہلایا) تو ایک دم اس کے پتے جھڑنے لگے، پھر حضور ﷺ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا اے ابوذر! میں نے عرض کیا حاضر ہوں یا رسول اللہ! آپ نے ارشاد فرمایا جب مؤمن بندہ خالص اللہ کے لیے نماز پڑھتا ہے تو اس کے گناہ ان پتوں کی طرح جھڑ جاتے ہیں۔ (مسند احمد)

تشریح — یعنی جس طرح آفتاب کی شعاعوں اور موسم کی خاص ہواؤں نے ان پتوں کو خشک کر دیا ہے اور اب یہ ہوا کے معمولی جھونکوں سے ذرا حرکت دینے سے اس طرح جھڑتے ہیں اسی طرح جب بندہ مؤمن پوری طرح اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر صرف اس کی رضاجوئی کے لیے نماز پڑھتا ہے تو انوارِ الٰہی کی

شعاعیں اور رحمت الٰہی کے جھونکے اس کے گناہوں کی گندگی کو دھو کر اور اس کے قصوروں کے خس و خاشاک کو اس سے جدا کر کے اس کو پاک صاف کر دیتے ہیں۔

(۸) **عَنْ عُثْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَا مِنِ امْرِءٍ مُسْلِمٍ تَحْضُرُهُ صَلٰوةٌ مَكْتُوْبَةٌ فَيُحْسِنُ وُضُوْءَهَا وَخُشُوْعَهَا وَرُكُوْعَهَا اِلَّا كَانَتْ كَفَّارَةً لِمَا قَبْلَهَا مِنَ الذُّنُوْبِ مَالَمْ يُؤْتِ كَبِيْرَةً وَذَالِكَ الدَّهْرَ كُلَّهٗ۔** (رواه مسلم)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو مسلمان آدمی فرض نماز کا وقت آنے پر اس کے لیے اچھی طرح وضو کرے، پھر پورے خشوع اور اچھے رکوع و سجود کے ساتھ نماز ادا کرے تو وہ نماز اس کے واسطے پچھلے گناہوں کا کفارہ بن جائے گی جب تک کہ وہ کسی کبیرہ گناہ کا مرتکب نہ ہوا ہو اور نماز کی یہ برکت اس کو ہمیشہ ہمیشہ حاصل ہوتی رہے گی۔ (صحیح مسلم)

تشریح — اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز کی یہ تاثیر اور برکت کہ وہ سابق گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے اور پچھلے گناہوں کی گندگی کو دھو ڈالتی ہے اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ وہ آدمی کبیرہ گناہوں سے آلودہ نہ ہو، کیونکہ کبیرہ گناہوں کی نحوست اتنی غلیظ ہوتی ہے اور اس کے ناپاک اثرات اتنے گہرے ہوتے ہیں جن کا ازالہ صرف توبہ ہی سے ہو سکتا ہے، ہاں اللہ تعالیٰ چاہے تو ویسے ہی معاف فرما دے اس کا کوئی ہاتھ پکڑنے والا نہیں۔

[illegible]

(۹) **عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَتَوَضَّأُ فَيُحْسِنُ وُضُوْءَهٗ ثُمَّ يَقُوْمُ فَيُصَلِّىْ رَكْعَتَيْنِ مُقْبِلًا عَلَيْهِمَا بِقَلْبِهٖ وَوَجْهِهٖ اِلَّا وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ۔** (رواه مسلم)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو مسلمان بندہ اچھی طرح وضو کرے، پھر اللہ کے حضور میں کھڑے ہو کر پوری قلبی توجہ اور یکسوئی کے ساتھ دو رکعت نماز پڑھے، تو جنت اس کے لیے ضرور واجب ہو جائے گی۔ (صحیح مسلم)

(۱۰) **عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدِ الْجُهَنِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَنْ صَلّٰى سَجْدَتَيْنِ لَا يَسْهُوْ فِيْهِمَا غَفَرَ اللهُ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ۔** (رواه احمد)

حضرت زید بن خالد جہنی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کا جو بندہ ایسی دو رکعت نماز پڑھے، جس میں اس کو غفلت بالکل نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس نماز کے صلہ میں اس کے سارے سابق گناہ معاف فرما دے گا۔ (مسند احمد)

تشریح — مندرجہ بالا حدیثوں کی تشریح میں اوپر جو کچھ لکھا جا چکا ہے وہی اس حدیث کی تشریح کے لیے بھی کافی ہے۔

افسوس یہی بدبختی ہے

کہ نماز کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے ان ترغیبی اور ترہیبی ارشادات کے باوجود امت کی بڑی تعداد آج نماز سے غافل اور بے پروا ہو کر اپنے کو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے الطاف و عنایات سے محروم اور اپنی دنیا و آخرت کو برباد کر رہی ہے۔ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝

نماز محبوب ترین عمل

(۱۱) **عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ سَأَلْتُ النَّبِيَّ ﷺ اَيُّ الْاَعْمَالِ اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ قَالَ الصَّلٰوةُ لِوَقْتِهَا قُلْتُ ثُمَّ اَيٌّ قَالَ بِرُّ الْوَالِدَيْنِ قُلْتُ ثُمَّ اَيٌّ قَالَ الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۔** (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ دینی اعمال میں سے کون سا عمل اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہے؟؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ٹھیک وقت پر نماز پڑھنا، پھر میں نے عرض کیا کہ اس کے بعد کون سا عمل زیادہ محبوب ہے؟؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ماں باپ کی خدمت کرنا۔ میں نے عرض کیا اس کے بعد کون سا عمل زیادہ محبوب ہے؟؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ راہ خدا میں جہاد کرنا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح: اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے والدین کی خدمت اور جہاد سے افضل اور محبوب ترین "نماز" کو بتلایا ہے، اور بلاشبہ نماز کا مقام یہی ہے۔ اور اس کی پوری تفصیل اس ناچیز کے رسالہ "حقیقت نماز" میں بھی دیکھی جا سکتی ہے۔

نماز کے اوقات

نماز سے جو اعلیٰ مقاصد اور منافع وابستہ ہیں، اور اللہ کے خوش نصیب بندوں کے لیے اس میں جو لذت ہیں ان کا تقاضا تو یہ تھا کہ زندگی کے اگر سارے لمحات نہیں تو کم از کم دن رات کے اکثر اوقات نماز میں صرف کرنے ضروری قرار دیے جاتے، لیکن چونکہ حکمت الٰہی نے انسانوں پر اور بھی بہت سی ذمہ داریاں ڈالی ہیں، اس لیے دن رات میں صرف پانچ وقت کی نمازیں فرض کی گئی ہیں۔ اور ان کے اوقات ایسی حکمت سے مقرر کیے گئے ہیں کہ نماز سے جو مقاصد وابستہ ہیں وہ بھی پورے ہوں اور دوسری ذمہ داریوں کی ادائگی میں بھی خلل نہ پڑے۔

صبح نیند سے اٹھنے کے وقت (یعنی صبح صادق کے بعد طلوع آفتاب سے پہلے) فجر کی نماز فرض کی گئی ہے تاکہ صبح کو سب سے پہلا کام بارگاہ قدوسیت میں حاضری و اظہار نیاز اور بندگی کے میثاق کی تجدید ہو، پھر دوپہر یعنی زوال آفتاب تک کوئی نماز فرض نہیں کی گئی، تاکہ ہر شخص اپنے حالات کے مطابق اپنے کام کاج اور دوسری ذمہ داریوں کو اس طویل وقفہ میں انجام دے سکے۔ پورے آدھے دن کے اس وقفہ کے بعد ظہر کی نماز فرض کی گئی اور اس میں بھی یہ سہولت دی گئی کہ خواہ اول وقت ادا کی جائے یا اپنے حالات کے مطابق گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ تاخیر کر کے پڑھی جائے۔ بہرحال یہ لازم قرار دیا گیا ہے کہ اس طویل وقفہ کے بعد نماز ظہر

ادا کی جائے تاکہ غفلت یا بارگاہِ خداوندی سے غیر حاضری کی مدت اس سے زیادہ طویل نہ ہو، پھر شام کے آثار شروع ہونے کے وقت عصر کی نماز فرض کی گئی تاکہ اس خاص وقت میں بھی جو اکثر لوگوں کے لیے اپنے اپنے کاموں سے فرصت پانے اور تفریحی مشاغل میں مشغول ہونے کا وقت ہوتا ہے، ایمان والے بندے اپنے ظاہر و باطن سے رب قدوس کی بارگاہ میں حاضر اور اس کی عبادت میں مشغول ہوں۔ پھر دن کے ختم ہونے پر غروبِ آفتاب کے بعد مغرب کی نماز فرض کی گئی، تاکہ دن کے خاتمہ اور رات کے آغاز کے وقت ہم پھر بارگاہِ قدوسیت میں حاضر ہو کر اس کی حمد و تسبیح اور بندگی کے عہد کی تجدید کریں۔ اس کے بعد سونے کے وقت سے پہلے عشاء کی نماز لازم کی گئی، تاکہ روزانہ کی زندگی کا ہمارا آخری عمل یہی نماز ہو اور ہم اپنے مالک سے رابطۂ نیاز قائم کر کے اور ایمان و عبدیت کے عہد کی تجدید کر کے سوئیں اور ہماری سہولت کے لیے پانچوں نمازوں کے ان وقتوں میں کافی وسعت بھی دی گئی ہے اپنے وقتی حالات کے مطابق ہم اول وقت بھی پڑھ سکتے ہیں اور درمیانی وقت میں بھی اور آخر وقت میں بھی۔

اس پوری تفصیل پر غور کر کے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ظہر سے لے کر عشاء تک کی نمازوں کے درمیانی وقفے تو اتنے مختصر ہیں کہ ایک سچے مؤمن کے لیے جو نماز کی قدر و قیمت سے واقف ہو اور اس کی لذت سے آشنا ہو، ظہر پڑھنے کے بعد عصر کا، عصر کے بعد مغرب کا اور مغرب کے بعد عشاء کا منتظر اور اس کے لیے فکر مند رہنا قدرتی طور پر بالکل فطری ہے اور اس طرح گویا اس پورے وقت میں اس کا دل اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ اور نماز سے متعلق ہی رہے گا، البتہ فجر سے ظہر تک کا وقفہ خاصا طویل ہے اور جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا اس کو اس لیے اتنا طویل رکھا گیا ہے کہ بندے اپنی دوسری ضروریات اور دوسرے کاموں کو اس وقفہ میں اطمینان سے انجام دے سکیں تاہم اس کی ترغیب دی گئی ہے کہ جن خوش نصیب بندوں سے ہو سکے وہ اس وقفہ کے درمیان بھی چاشت کی چند رکعتیں پڑھ لیا کریں۔ اسی طرح رات کے سونے کو انسان کی ایک فطری اور حقیقی ضرورت قرار دے کر عشاء سے فجر تک کوئی نماز فرض نہیں کی گئی ہے، اور یہ وقفہ سب سے زیادہ طویل رکھا گیا ہے، لیکن یہاں بھی اس کی ترغیب دی گئی ہے کہ اللہ کے بندے آدھی رات گزرنے کے بعد کسی وقت اٹھ کر تہجد کی چند رکعتیں پڑھ لیا کریں، رسول اللہ ﷺ نے اس کی بڑی بڑی فضیلتیں بیان فرمائی ہیں اور خود آپ ﷺ کا یہ ایسا دائمی معمول تھا کہ سفر میں بھی قضا نہیں ہوتا تھا۔ چاشت اور تہجد کے متعلق رسول اللہ ﷺ کے ترغیبی ارشادات انشاء اللہ اپنے موقع پر آئیں گے، یہاں تو یہ تمہیدی اشارے صرف نماز پنجگانہ کے بارے میں کیے گئے ہیں۔ اس کے بعد اس سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کی احادیث پڑھی جائیں۔

(۱۱۱) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّهُ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ وَقْتِ الصَّلٰوةِ فَقَالَ وَقْتُ صَلٰوةِ الْفَجْرِ مَالَمْ يَطْلُعْ قَرْنُ الشَّمْسِ الْاَوَّلُ وَوَقْتُ صَلٰوةِ الظُّهْرِ اِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ عَنْ بَطْنِ السَّمَاءِ مَالَمْ تَحْضُرِ الْعَصْرُ وَوَقْتُ صَلٰوةِ الْعَصْرِ مَالَمْ تَصْفَرَّ الشَّمْسُ وَيَسْقُطْ قَرْنُهَا الْاَوَّلُ وَوَقْتُ صَلٰوةِ الْمَغْرِبِ اِذَا غَابَتِ الشَّمْسُ مَالَمْ يَسْقُطِ الشَّفَقُ وَوَقْتُ صَلٰوةِ الْعِشَاءِ

إِلَى نِصْفِ اللَّيْلِ. (رواه البخاری و مسلم واللفظ لمسلم)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے نماز کے اوقات کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ فجر کی نماز کا وقت تو اس وقت تک رہتا ہے جب تک سورج کا ابتدائی کنارہ نمودار نہ ہو (یعنی صبح کو سورج جب طلوع ہونے لگے اور افق پر اس کا کنارہ ذرا بھی نمودار ہو جائے تو فجر کا وقت ختم ہو جاتا ہے) اور ظہر کا وقت اس وقت ہوتا ہے جب آفتاب بیچ آسمان سے مغرب کی جانب ڈھل جائے اور اس وقت تک رہتا ہے جب تک کہ عصر کا وقت نہیں آجاتا، اور عصر کی نماز کا وقت اس وقت تک ہے جب تک کہ سورج زرد نہ پڑ جائے اور سورج کا پہلا کنارہ ڈوبنے لگے، اور مغرب کی نماز کا وقت اس وقت ہوتا ہے جب آفتاب ڈوب کر بالکل غائب ہو جائے اور اسوقت تک رہتا ہے جب تک شفق غائب ہو، اور عشاء کی نماز کا وقت آدھی رات تک ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں سائل کے سوال کے جواب میں آخر نمازوں کا آخری اور انتہائی وقت ہی بیان فرمایا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سائل غالباً یہی دریافت کرنا چاہتا تھا کہ ان پانچوں نمازوں کے وقتوں میں کہاں تک وسعت ہے اور ہر نماز کس وقت تک پڑھی جا سکتی ہے اور اس کا آخری وقت کیا ہے؟ ابتدائی وقت غالباً اس کو معلوم ہوگا۔ واللہ اعلم

مغرب کی نماز کے بارہ میں اس حدیث میں فرمایا ہے کہ "اس کا وقت اس وقت تک رہتا ہے جب تک شفق غائب نہ ہو"۔ اس شفق کی تعیین اور تحقیق میں ہمارے ائمہ کی رائیں کچھ مختلف ہیں، اتنی بات تو لوگ عام طور سے جانتے ہیں کہ غروب آفتاب کے بعد مغرب کی جانب کچھ دیر تک سرخی رہتی ہے[1] اس کے بعد وہ سرخی ختم ہو جاتی ہے اور اس کی جگہ کچھ دیر تک سفیدی رہتی ہے[2] پھر وہ سفیدی بھی غائب ہو جاتی ہے اور سیاہی آجاتی ہے۔ پس اکثر ائمہ کی تحقیق تو یہ ہے کہ شفق غروب آفتاب کے بعد والی سرخی کا نام ہے اس لیے ان حضرات کے نزدیک سرخی ختم ہونے پر مغرب کا وقت ختم ہو کر عشاء کا وقت آجاتا ہے۔ اور امام ابو حنیفہؒ کا مشہور قول یہ ہے کہ غروب آفتاب کے بعد والی سرخی اور اس کے بعد والی سفیدی دونوں کو شفق کہا جاتا ہے، اسلئے انکے قول کے مطابق مغرب کا وقت اسوقت ختم ہوتا ہے جب مغربی افق پر سفیدی بھی باقی نہ رہے اور سیاہی آجائے اور اسی وقت ان کے نزدیک عشاء کا وقت آتا ہے، لیکن امام ابو حنیفہؒ سے ایک روایت دوسرے ائمہ کی تحقیق کے مطابق بھی منقول ہے، اور وہی اس مسئلہ میں ان کے دونوں مشہور شاگردوں امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کی بھی تحقیق ہے۔ اسی لیے بہت سے اکابر احناف نے اسی پر فتویٰ بھی دیا ہے۔

عشاء کا آخری وقت اس حدیث میں اور اس کے علاوہ بھی بعض دوسری حدیثوں میں آدھی رات تک بتایا گیا ہے لیکن دوسری بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صبح صادق تک عشاء کا وقت باقی رہتا ہے اس لئے جن حدیثوں میں عشاء کا وقت آدھی رات تک بتایا گیا ہے ان کا مطلب یہ سمجھا گیا ہے کہ آدھی رات تک عشاء کی نماز پڑھنا جائز ہے اور اس کے بعد پڑھنا مکروہ ہے۔ واللہ اعلم

[1] یہ سرخی اکثر موسموں میں قریباً ایک گھنٹہ تک رہتی ہے ۱۲　[2] یہ سفیدی اکثر موسموں میں قریباً آدھے گھنٹے تک رہتی ہے ۱۲

بِغَلَسٍ۔ (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے پوتے محمد بن عمرو بن حسن سے روایت ہے کہ ہم نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کی نمازوں کے بارہ میں سوال کیا (یعنی یہ کہ آپ پنجگانہ نمازیں کس وقت پڑھتے تھے) تو انہوں نے بتایا کہ ظہر کی نماز آپ نصف النہار میں (یعنی زوال ہوتے ہی) پڑھتے تھے، اور عصر ایسے وقت کہ سورج بالکل زندہ ہوتا تھا (اس کی گرمی اور روشنی میں کوئی فرق نہیں پڑتا تھا) اور مغرب اس وقت جب آفتاب غروب ہوتا، اور عشاء (کے بارے میں معمول یہ تھا کہ) جب لوگ زیادہ تعداد میں آجاتے تو آپ سویرا پڑھ لیتے تھے اور جب لوگ کم ہوتے تو مؤخر کر کے پڑھتے تھے، اور صبح کی نماز اندھیرے میں پڑھتے تھے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح: حضرت جابرؓ کی اس حدیث میں اور اس سے پہلی ابو برزہ اسلمی والی حدیث میں بھی ظہر کی نماز کے بارے میں حضور ﷺ کا معمول یہ بتایا گیا ہے کہ آپ زوال ہوتے ہی نصف النہار میں پڑھ لیا کرتے تھے، لیکن آگے آنے والی بعض دوسری حدیثوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ معمول آپ کا گرمی کے موسم کے علاوہ تھا۔ جب گرمی سخت پڑتی تو آپ ظہر میں اتنی تاخیر فرماتے تھے کہ گرمی کی حدت ختم ہو جائے اور وقت کچھ ٹھنڈا ہو جائے اور اسی کی آپ نے دوسروں کو بھی ہدایت فرمائی ہے۔

(۱۶) عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا كَانَ الْحَرُّ أَبْرَدَ بِالصَّلٰوةِ وَإِذَا كَانَ الْبَرْدُ عَجَّلَ۔ (رواہ النسائی)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ جب گرمی ہوتی تو دیر کر کے ٹھنڈے وقت (ظہر کی) نماز پڑھتے اور جب سردی کا موسم ہوتا تو جلدی (یعنی اول ہی وقت میں) پڑھ لیتے۔ (نسائی)

(۱۷) عَنْ أَبِي سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَأَبْرِدُوْا بِالظُّهْرِ فَإِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ۔ (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب گرمی سخت ہو تو ظہر کو ٹھنڈے وقت پڑھا کرو، کیونکہ گرمی کی شدت آتش دوزخ کے جوش سے ہے۔ (صحیح بخاری)

(یہ حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بھی مروی ہے، لیکن اس میں "أَبْرِدُوْا بِالصَّلٰوةِ" کا لفظ ہے، اگرچہ مراد اس سے بھی ظہر ہی ہے)

تشریح: دنیا میں ہم جو کچھ دیکھتے ہیں اور محسوس کرتے ہیں اس کے کچھ تو ظاہری اسباب ہوتے ہیں جنہیں ہم خود بھی جانتے ہیں اور سمجھتے ہیں اور کچھ باطنی اسباب ہوتے ہیں جو ہمارے احساس و ادراک کی دسترس سے باہر ہوتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کبھی کبھی ان کی طرف اشارے فرماتے ہیں۔ اس حدیث میں جو یہ فرمایا گیا ہے کہ "گرمی کی شدت آتش دوزخ کے جوش سے ہے" یہ اسی قبیل کی چیز ہے۔ گرمی کی شدت کا ظاہری

حرارت اور روشنی کے لحاظ سے بالکل زندہ ہوتا تھا یہاں تک کہ آپ کے ساتھ عصر پڑھ کر کوئی شخص عوالی کی طرف جاتا تو جس وقت وہاں پہنچتا اس وقت بھی آفتاب بلندی پر ہوتا۔

عوالی مدینہ طیبہ کے قریب کی وہ آبادیاں کہلاتی ہیں جو جانب مشرق تھوڑے فاصلہ پر ہیں ان میں سے جو قریب ہیں وہ دو تین میل پر ہیں اور جو دور ہیں وہ آٹھ آٹھ میل پر ہیں۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ تِلْكَ صَلٰوةُ الْمُنَافِقِ يَجْلِسُ يَرْقُبُ الشَّمْسَ حَتّٰى إِذَا اصْفَرَّتْ وَكَانَتْ بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّيْطَانِ قَامَ فَنَقَرَ اَرْبَعًا لَا يَذْكُرُ اللّٰهَ فِيْهَا اِلَّا قَلِيْلًا.

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ منافق والی نماز ہے کہ آدمی بیٹھا ہوا آفتاب کا انتظار کرتا رہے یہاں تک کہ جب وہ زرد پڑ جائے اور شیطان کے دو قرنوں کے درمیان ہو جائے تو کھڑا ہو اور چار ٹھونگیں مار لے جن میں خدا کو بہت ہی تھوڑا یاد کرے۔

مطلب یہ ہے کہ عصر کی نماز میں بے کسی مجبوری کے اتنی تاخیر کرنا کہ آفتاب میں زردی آ جائے اور اس آخری اور تنگ وقت میں مرغ کی ٹھونگوں کی طرح جلدی جلدی چار رکعتیں پڑھ لینا جن میں اللہ کے ذکر کی مقدار بھی بہت کم اور بس برائے نام ہو [illegible] منافقوں کا طریقہ ہے [illegible] عصر کی نماز [illegible] وقت پر [illegible] جلدی جلدی [illegible] ٹھونگیں مارنے سے تشبیہ دی گئی ہے [illegible] کوئی تشریح نہیں ہو سکتی۔

[illegible] کے درمیان آفتاب کے طلوع و غروب [illegible] کیا گیا ہے [illegible] جس طرح [illegible] کی پوری حقیقت نہیں ہو سکتی اسی طرح [illegible] کے دو قرن اور ان کے درمیان آفتاب کے طلوع و غروب کی حقیقت بھی ہمارے محسوسات [illegible] ہے اور بس [illegible] یقین [illegible] واللہ اعلم۔

عَنْ اَبِيْ اَيُّوْبَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تَزَالُ اُمَّتِيْ بِخَيْرٍ اَوْ قَالَ عَلَى الْفِطْرَةِ مَا لَمْ يُؤَخِّرُوا الْمَغْرِبَ اِلٰى اَنْ تَشْتَبِكَ النُّجُوْمُ.

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت ہمیشہ خیر کے ساتھ رہے گی جب تک کہ مغرب کی نماز میں اتنی تاخیر نہ کرے گی کہ ستارے گنجان ہو جائیں۔

[illegible] ۱۲۹ [illegible] کی بات ہے [illegible] [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] [illegible] مغرب کے وقت [illegible] غروب [illegible]

پہچانی نہ جا سکتیں۔

تشریح — مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ فجر کی نماز سویرے ایسے وقت میں پڑھتے تھے کہ نماز ختم ہونے کے بعد بھی اتنا اندھیرا رہتا تھا کہ مسجد سے اپنے گھر کو واپس جانے والی خواتین کو جو اپنی چادروں میں لپٹی لپٹائی ہوتی تھیں ان کا کوئی جاننے پہچاننے والا ان کے قد و قامت اور انداز رفتار سے پہچان نہیں سکتا تھا۔

(۲۵) **عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ نَبِيَّ اللهِ ﷺ وَزَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ تَسَحَّرَا فَلَمَّا فَرَغَا مِنْ سُحُوْرِهِمَا قَامَ نَبِيُّ اللهِ ﷺ إِلَى الصَّلٰوةِ فَصَلّٰى قُلْنَا لِأَنَسٍ كَمْ كَانَ بَيْنَ فَرَاغِهِمَا مِنْ سُحُوْرِهِمَا وَدُخُوْلِهِمَا فِي الصَّلٰوةِ قَالَ قَدْرَ مَا يَقْرَأُ الرَّجُلُ خَمْسِيْنَ آيَةً.**

ترجمہ — حضرت قتادہ تابعی حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے خاص صحابی زید بن ثابت نے ایک دن ساتھ سحری کھائی، پھر جب یہ دونوں حضرات سحری سے فارغ ہوگئے تو رسول اللہ ﷺ نماز فجر کے لیے کھڑے ہوگئے اور آپؐ نے نماز پڑھائی (قتادہ کہتے ہیں) ہم لوگوں نے پوچھا کہ ان دونوں کے کھانے سے فارغ ہونے اور نماز شروع کرنے کے درمیان کتنا وقفہ ہوا؟ انہوں نے بتایا کہ بس اتنا کہ کوئی آدمی جتنی دیر میں قرآن مجید کی پچاس آیتیں پڑھے۔

تشریح — پچاس آیتیں پڑھنے میں صرف چند منٹ صرف ہوتے ہیں۔ اس حساب سے اس دن فجر کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گویا صبح صادق ہوتے ہی پڑھ لی تھی۔ حضورؐ کی عام عادت اگرچہ یہی تھی کہ فجر سویرے پڑھتے تھے، جیسا کہ ابھی حضرت صدیقہؓ کی حدیث سے بھی معلوم ہو چکا ہے، لیکن صبح صادق ہوتے ہی بالکل شروع وقت میں نماز پڑھ لینا آپؐ کا عام طریقہ نہیں تھا، جیسا کہ ابو برزہ اسلمیؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہ کی حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے، اس لیے قرین قیاس یہ ہے کہ حضرت انسؓ نے جس دن کا یہ واقعہ بیان کیا ہے اس دن آپؐ نے کسی خاص وجہ سے نماز بالکل شروع وقت ہی میں پڑھ لی تھی، جس طرح ہم لوگ بھی کبھی کبھی خاص حالات میں ایسا کر لیتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

(۲۶) **عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ "أَسْفِرُوْا بِالْفَجْرِ فَإِنَّهُ أَعْظَمُ لِلْأَجْرِ."**

ترجمہ — حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اسفار میں ادا کرو نماز فجر (یعنی صبح کا اجالا پھیل جانے پر فجر کی نماز پڑھو) کیونکہ اس میں زیادہ اجر و ثواب ہے۔

تشریح — حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی مندرجہ بالا حدیث سے معلوم ہوا تھا کہ رسول اللہ ﷺ فجر کی نماز سویرے اور اتنے اندھیرے میں پڑھتے تھے کہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد بھی ایسا اندھیرا رہتا تھا کہ نماز پڑھ کر گھر واپس جانے والی خواتین پہچانی نہیں جا سکتی تھیں۔

اور حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فجر کی نماز صبح کا اجالا پھیل

جائے پڑھنا افضل اور زیادہ ثواب کی بات ہے۔ ائمہ مجتہدین اور علماء دین نے اس اختلاف کو کئی طریقوں
سے حل کیا ہے۔ اس عاجز کے نزدیک بعض اکابر علماء کی یہ توجیہ سب سے زیادہ دل کو لگتی ہے کہ رافع بن خدیج
کی اس حدیث کے مطابق فجر کے لیے افضل تو اسفار ہی ہے، یعنی یہ کہ کچھ تاخیر کر کے اس وقت پڑھی
جائے جب صبح کا اجالا پھیل جائے، لیکن چونکہ رسول اللہ کے زمانے میں زیادہ تر لوگ تہجد پڑھنے والے
اور فجر کے لیے اول وقت اٹھنے والے تھے (جیسا کہ آج تک بھی اہل صلاح و تقویٰ کا عام حال ہے) اس لیے
ان کے لئے سہولت اسی میں تھی کہ فجر کی نماز تاخیر سے نہ پڑھی جائے۔ دیر کر کے اسفار میں پڑھنے کی
صورت میں ان کو طویل انتظار کی زحمت اٹھانی پڑتی، اس لیے رسول اللہ فجر کی نماز زیادہ تر سویرے غلس
ہی میں پڑھتے تھے۔ گویا جس طرح عشاء کی نماز کے لیے تہائی رات تک کی تاخیر افضل ہونے کے باوجود آپ
عام مقتدیوں کی سہولت کے خیال سے عشاء سویرے پڑھتے تھے، اسی طرح فجر بھی لوگوں کی سہولت
کے لیے غلس میں یعنی اندھیرے میں پڑھتے تھے، اور پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ اللہ کے بندوں کی رعایت
اور سہولت کی فضیلت وقت کی فضیلت سے مقدم اور بالاتر ہے۔

ہمارے زمانے میں چونکہ تہجد گزار اور فجر کے لیے اول وقت میں اٹھنے والے بہت کم ہیں اور زیادہ لوگ اب
کو سہولت اسفار میں (یعنی اجالا پھیل جانے پر پڑھنے میں) ہے، بلکہ فجر کی جماعت اگر اول وقت غلس میں ہو
تو نمازیوں میں سے بھی بہت کم شریک جماعت ہو سکیں گے، ان سب وجوہ سے ہمارے زمانے میں کچھ
تاخیر کر کے اسفار ہی میں فجر کی نماز پڑھنا بہتر ہوگا، ہاں اگر کسی جگہ کے عام نمازی اول وقت ہی میں جمع
ہو جاتے ہوں اور تاخیر میں ان کے لیے زحمت اور مشقت ہو تو ان کے لیے یہی بہتر ہوگا کہ وہاں وقت کی
غلس ہی میں نماز پڑھ لیں جیسا کہ رسول اللہ کا عام معمول تھا۔ بعض دینی حلقوں میں رمضان
مبارک میں فجر کی نماز اول وقت غلس میں پڑھنے کا دستور اسی بنیاد پر ہے۔

۲۷ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ مَا صَلّٰى رَسُوْلُ اللهِ صَلٰوةً لِوَقْتِهَا الْآخِرِ مَرَّتَيْنِ حَتّٰى قَبَضَهُ اللهُ تَعَالٰى.

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے اپنی ساری عمر میں دو دفعہ بھی
کوئی نماز اس کے آخری وقت میں نہیں پڑھی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اٹھا لیا۔

تشریح حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اپنے اس بیان میں دو دفعہ کی قید غالباً اس لیے لگائی ہے کہ
ایک دفعہ ایک شخص کو ہر نماز کا اول و آخر وقت بتانے کے لیے آپ نے ایک دن کی نمازیں آخر وقت میں
بھی پڑھ کر دکھائی تھیں، یہ واقعہ صحیح مسلم کے حوالے سے تفصیلاً پہلے درج ہو چکا ہے۔ بہر حال اس بیان سے
حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا مقصد یہی ہے کہ نماز کو مؤخر کر کے آخری وقت میں پڑھنا حضور کا طریقہ

نہیں تھا۔

(۲۸) عَنْ عَلِيٍّ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ يَا عَلِيُّ ثَلٰثٌ لَا تُؤَخِّرْهَا الصَّلٰوةُ اِذَا اٰتَتْ وَ الْجَنَازَةُ اِذَا حَضَرَتْ وَالْاَيِّمُ اِذَا وَجَدْتَ لَهَا كُفْوًا ۔ (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا، علی! تین کام وہ ہیں جن میں تاخیر نہ کرنا، نماز جب اس کا وقت آجائے اور جنازہ جب تیار ہو کر آجائے اور بے شوہر والی عورت جب اس کے لیے کوئی مناسب جوڑ مل جائے۔ (جامع ترمذی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ ان تین کاموں میں ہمیشہ جلدی کی جائے، جو عورت کسی کے نکاح میں نہ ہو اس سے نکاح کرنے کے لیے جب کوئی مناسب آدمی تیار ہو جائے تو پھر نکاح میں دیر نہ کی جائے، اسی طرح جب جنازہ آجائے تو نماز جنازہ اور تدفین میں دیر نہ لگائی جائے علی ہذا جب نماز کا وقت آجائے (یعنی وہ وقت جس وقت کہ نماز پڑھنی چاہیے) تو پھر بلا تاخیر نماز پڑھ لی جائے۔

(۲۹) عَنْ اَبِيْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ كَيْفَ اَنْتَ اِذَا كَانَتْ عَلَيْكَ اُمَرَاءُ يُمِيْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اَوْيُؤَخِّرُوْنَ عَنْ وَقْتِهَا قُلْتُ فَمَا تَاْمُرُنِيْ؟ قَالَ صَلِّ الصَّلٰوةَ لِوَقْتِهَا فَاِنْ اَدْرَكْتَهَا مَعَهُمْ فَصَلِّ فَاِنَّهَا لَكَ نَافِلَةٌ ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا، تمہارا کیا حال اور کیا رویہ ہوگا جب ایسے (نماز کش اور ناخدا ترس) لوگ تم پر حکمراں ہوں گے جو نماز کو مردہ اور بے روح کریں گے (یعنی ان کی نمازیں خشوع و خضوع اور آداب کا اہتمام نہ ہونے کی وجہ سے بے روح ہوں گی) یا وہ نمازوں کو ان کے صحیح وقت کے بعد پڑھیں گے؟ میں نے عرض کیا تو آپ کا میرے لیے کیا حکم ہے، یعنی ایسی صورت میں مجھے کیا کرنا چاہیے؟ آپ نے فرمایا تم وقت آجانے پر اپنی نماز پڑھ لو، اس کے بعد اگر ان کے ساتھ نماز پڑھنے کا موقع آئے تو ان کے ساتھ پھر پڑھ لو۔ یہ تمہارے لیے نفل ہو جائے گی۔ (صحیح مسلم)

تشریح: بنی امیہ کے بعض خلفاء اور امراء کے زمانے میں یہ پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہو چکی ہے۔ جن صحابہ کرامؓ نے ان کا زمانہ پایا جیسے حضرت انسؓ اور اکثر اکابر تابعین، ان کو یہ ابتلاء پیش آیا اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی اس ہدایت پر عمل کیا۔

جو نماز بھول جانے یا سو جانے کی وجہ سے قضا ہو جائے

(۳۰) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ نَسِيَ صَلٰوةً اَوْنَامَ عَنْهَا فَكَفَّارَتُهَا اَنْ يُصَلِّيَهَا اِذَا ذَكَرَهَا ۔ (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو کوئی نماز کو بھول گیا یا نماز

امت مسلمہ کا خاص الخاص شعار ہے۔ اس تمہید کے بعد اذان و اقامت سے متعلق ذیل کی حدیثیں پڑھئے!

اسلام میں اذان کی ابتدا

عَنْ اَبِىْ عُمَيْرِ بْنِ اَنَسٍ عَنْ عُمُوْمَةٍ لَهٗ مِنَ الْاَنْصَارِ قَالَ اِهْتَمَّ النَّبِىُّ ﷺ لِلصَّلٰوةِ كَيْفَ يَجْمَعُ النَّاسَ لَهَا فَقِيْلَ لَهٗ اِنْصِبْ رَايَةً عِنْدَ حُضُوْرِ الصَّلٰوةِ فَاِذَا رَاَوْهَا اٰذَنَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا فَلَمْ يُعْجِبْهُ ذٰلِكَ قَالَ وَذُكِرَ لَهُ الْقُنْعُ يَعْنِىْ شَبُّوْرَ الْيَهُوْدِ فَلَمْ يُعْجِبْهُ ذٰلِكَ وَقَالَ هُوَ مِنْ اَمْرِ الْيَهُوْدِ قَالَ فَذُكِرَ لَهُ النَّاقُوْسُ فَقَالَ هُوَ مِنْ اَمْرِ النَّصَارٰى فَانْصَرَفَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ زَيْدٍ وَهُوَ مُهْتَمٌّ لِهَمِّ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَاُرِىَ الْاَذَانَ فِىْ مَنَامِهٖ قَالَ فَغَدَا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَاَخْبَرَهٗ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّىْ لَبَيْنَ نَائِمٍ وَيَقْظَانَ اِذْ اَتَانِىْ اٰتٍ فَاَرَانِى الْاَذَانَ ...... فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَا بِلَالُ قُمْ فَانْظُرْ مَا يَاْمُرُكَ بِهٖ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ زَيْدٍ فَافْعَلْهُ قَالَ فَاَذَّنَ بِلَالٌ۔ (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ کے (سب سے بڑے) صاحبزادے ابو عمیر اپنے بعض چچاؤں سے جو انصاری صحابیوں میں سے تھے روایت کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو نماز کے لیے فکر ہوئی (اور آپ نے مشورہ بھی فرمایا) کہ اس کے لیے لوگوں کو کس طرح جمع کیا جائے اور کیا تدبیر اختیار کی جائے، پس بعض لوگوں نے عرض کیا کہ نماز کے وقت ایک جھنڈا نصب کیا جائے، جب لوگوں کی اس پر نگاہ پڑے گی تو ایک دوسرے کو اطلاع کر دیں گے، رسول اللہ ﷺ کو یہ رائے پسند نہ آئی، راوی کا بیان ہے کہ اس سلسلہ میں آپ کے سامنے یہودیوں کے بگل کا بھی ذکر کیا گیا، آپ نے فرمایا وہ تو یہودیوں کی چیز اور ان کا طریقہ ہے اور اس کو بھی آپ نے پسند نہیں کیا، پھر ناقوس کا ذکر کیا گیا۔ آپ نے فرمایا وہ نصاریٰ کا طریقہ اور ان کی چیز ہے۔ (الغرض اس مجلس میں کوئی بات طے نہیں ہو سکی) اس معاملہ میں رسول اللہ ﷺ کی غیر معمولی فکرمندی کو دیکھ کر آپ کے ایک انصاری صحابی عبداللہ بن زیدؓ بن عبد ربہؓ بھی بہت فکرمند ہوئے اور اسی فکرمندی کی حالت میں حضورؐ کی مجلس سے واپس آ کر چلے گئے، پھر نیم خواب اور نیم بیداری کی حالت میں انہوں نے اذان سے متعلق خواب دیکھا (اس خواب کی پوری تفصیل آگے آنے والی حدیث سے معلوم ہو جائے گی) وہ صبح سویرے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! رات جب کہ میری حالت یہ تھی کہ نیم خفتہ اور نیم بیدار تھا، نہ پوری طرح بیدار تھا اور نہ سویا ہی ہوا تھا، میرے پاس کوئی آنے والا آیا اور اس نے مجھے اذان کہہ کر دکھائی ...... (پھر انہوں نے خواب کی پوری تفصیل سنائی) حضورؐ نے فرمایا، بلال! اٹھو اور یہ عبداللہ بن زید تم سے جو کہیں اور جو بتائیں وہی کرو (یعنی ان کی تلقین کے مطابق اذان دو) راوی کا بیان ہے کہ پھر بلال نے اس حکم کی تعمیل کی اور اذان دی۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح ...... ابوداؤد کی اس روایت میں یہ بھی مذکور ہے کہ عبداللہ بن زیدؓ کے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا خواب بیان کرنے سے پہلے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی ایسا ہی خواب دیکھا تھا، لیکن جب

عبداللہ بن زیدؓ سبقت کر کے حضورؐ کی خدمت میں پہنچ گئے اور انہوں نے اپنا خواب پہلے بیان کر دیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے خواب کا ذکر کرنے میں کچھ حجاب محسوس ہوا، پھر بعد میں انہوں نے حضورؐ سے ذکر کیا۔

بعض دوسری روایات میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کے اور بعض میں اور بھی چند صحابہ کرامؓ کے اس قسم کے خواب کا ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن محدثین کے نزدیک یہ روایتیں ثابت نہیں ہیں۔

۳۲) عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ زَيْدِ بْنِ عَبْدِ رَبِّهٖ قَالَ حَدَّثَنِىْ اَبِىْ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ زَيْدٍ قَالَ لَمَّا اَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِالنَّاقُوْسِ يُعْمَلُ لِيُضْرَبَ بِهٖ لِلنَّاسِ لِجَمْعِ الصَّلٰوةِ طَافَ بِىْ وَاَنَا نَائِمٌ رَجُلٌ يَحْمِلُ نَاقُوْسًا فِىْ يَدِهٖ فَقُلْتُ يَا عَبْدَاللّٰهِ اَتَبِيْعُ النَّاقُوْسَ؟ قَالَ وَمَا تَصْنَعُ؟ فَقُلْتُ نَدْعُوْ بِهٖ اِلَى الصَّلٰوةِ قَالَ اَفَلَا اَدُلُّكَ عَلٰى مَا هُوَ خَيْرٌ مِنْ ذٰلِكَ؟ فَقُلْتُ لَهٗ بَلٰى فَقَالَ تَقُوْلُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ حَىَّ عَلَى الصَّلٰوةِ حَىَّ عَلَى الصَّلٰوةِ حَىَّ عَلَى الْفَلَاحِ حَىَّ عَلَى الْفَلَاحِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ .. قَالَ ثُمَّ اسْتَاْخَرَ عَنِّىْ غَيْرَ بَعِيْدٍ ثُمَّ قَالَ تَقُوْلُ اِذَا اَقَمْتَ الصَّلٰوةَ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ، حَىَّ عَلَى الصَّلٰوةِ، حَىَّ عَلَى الْفَلَاحِ، قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، فَلَمَّا اَصْبَحْتُ اَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَاَخْبَرْتُهٗ بِمَا رَاَيْتُ فَقَالَ اِنَّهَا لَرُؤْيَا حَقٌّ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ فَقُمْ مَعَ بِلَالٍ فَاَلْقِ عَلَيْهِ مَا رَاَيْتَ فَلْيُؤَذِّنْ بِهٖ فَاِنَّهٗ اَنْدٰى صَوْتًا مِنْكَ فَقُمْتُ مَعَ بِلَالٍ فَجَعَلْتُ اُلْقِيْهِ عَلَيْهِ وَيُؤَذِّنُ بِهٖ قَالَ فَسَمِعَ ذٰلِكَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ وَهُوَ فِىْ بَيْتِهٖ فَخَرَجَ يَجُرُّ رِدَاءَهٗ وَيَقُوْلُ وَالَّذِىْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَقَدْ رَاَيْتُ مِثْلَ مَا اُرِىَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ . (رواه ابوداؤد والدارمى)

ترجمہ: عبداللہ بن زید بن عبدربہ کے صاحبزادے محمد بیان کرتے ہیں کہ میرے والد ماجد عبداللہ بن زید نے مجھ سے بیان کیا کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ناقوس کے لیے فرمایا کہ وہ بنوایا جائے تاکہ اس کے ذریعہ نماز با جماعت کا اعلان لوگوں کے لیے کیا جائے تو خواب میں میرے سامنے ایک شخص آیا جو اپنے ہاتھ میں ناقوس لیے ہوئے تھا، میں نے اس سے کہا اے اللہ کے بندے! یہ ناقوس تم بیچتے ہو؟ اس نے کہا تم اس کا کیا کرو گے؟ میں نے کہا ہم اس کے ذریعے اعلان کر کے لوگوں کو نماز کے لیے بلایا کریں گے۔ اس نے کہا کیا میں تم کو ایک ایسی چیز بتا دوں؟ جو اس کام کے لیے اس سے بہت بہتر ہے، میں نے کہا ہاں ضرور بتایئے! اس نے کہا کہو اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر، اشھد ان لا الہ الا اللہ، اشھد ان لا الہ الا اللہ، اشھد ان محمدا رسول اللہ، اشھد ان محمدا رسول اللہ، حی علی الصلوٰۃ، حی علی الصلوٰۃ، حی علی الفلاح، حی علی الفلاح، اللہ اکبر، اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ۔ عبداللہ

بن زید فرماتے ہیں کہ یہ پوری اذان بتا کے وہ شخص مجھ سے تھوڑی دور پیچھے ہٹ گیا اور تھوڑے توقف کے بعد اس نے کہا، پھر جب نماز قائم کرو تو اقامت اس طرح کہو، اللہ اکبر اللہ اکبر، اشہد ان لا الٰہ الا اللہ، اشہد ان محمدا رسول اللہ، حی علی الصلوٰۃ، حی علی الفلاح، قد قامت الصلوٰۃ قد قامت الصلوٰۃ، اللہ اکبر، اللہ اکبر، لا الٰہ الا اللہ۔ (عبداللہ بن زید فرماتے ہیں) کہ جیسے ہی صبح ہوئی میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور جو کچھ میں نے خواب میں دیکھا تھا وہ آپ کو بتایا آپ نے فرمایا یہ رویاء حق ہے۔ انشاء اللہ (اور آپ نے مجھے حکم دیا کہ) تم بلالؓ کے ساتھ کھڑے ہو کر ان کلمات کی تلقین کرو جو خواب میں تم نے دیکھے ہیں اور وہ پکار کے ان کلمات کے ذریعہ اذان کہیں کیونکہ ان کی آواز تم سے زیادہ بلند ہے، تو میں بلال کے ساتھ کھڑا ہوا، میں ان کلمات کی تلقین کرتا تھا اور وہ اذان دیتے تھے۔ عبداللہ بن زید فرماتے ہیں کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اس کو اپنے گھر میں سنا تو وہ جلدی میں اپنی چادر کھینچتے ہوئے نکلے، وہ رسول اللہ ﷺ سے عرض کر رہے تھے، قسم اس پاک ذات کی جس نے آپ کو دین حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، میں نے ویسا ہی خواب دیکھا ہے جیسا عبداللہ بن زید نے دیکھا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، فللہ الحمد۔ ([illegible])

تشریح ..... اس حدیث سے متعلق دو باتوں کی وضاحت ضروری ہے۔ ایک یہ کہ اس میں عبداللہ بن زیدؓ کا بیان یہ نقل کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز کے اعلان کے واسطے ناقوس بنوانے کے لیے فرمایا تھا، اور حضرت انسؓ کے صاحبزادے ابو عمیرؓ کی جو روایت اوپر نقل کی گئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے سامنے جب ناقوس کی تجویز پیش کی گئی تو آپ نے فرمایا کہ "وہ نصاریٰ کی چیز ہے" اس عاجز کے نزدیک اس اختلاف روایت کی صحیح توجیہ یہ ہے کہ نماز کے اعلان کے لیے جو چند تجویزیں رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش کی گئی تھیں۔ ان میں جھنڈے والی اور آگ روشن کرنے والی اور یہودیوں کے نرسنگھے والی تجویزوں کے متعلق تو آپ نے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار فرما کر واضح طور پر ان کو نامنظور کر دیا تھا اور اس لیے ان میں سے ہر تجویز کے بعد کوئی دوسری تجویز پیش کی گئی، لیکن ناقوس والی آخری تجویز کے بارہ میں آپ نے صرف یہ فرمایا کہ "ھو من امر النصاریٰ" (وہ نصاریٰ کی چیز ہے) اور کوئی ایسا لفظ نہیں فرمایا جس سے واضح طور پر اس کی نامنظوری سمجھی جاتی اور ممکن ہے کہ آپ کے اس وقت کے لب و لہجہ سے بھی بعض صحابہ کرامؓ نے یہ سمجھا ہو کہ دوسری تجاویز کے مقابلہ میں آپ کے نزدیک اس تجویز کو کچھ ترجیح ہے اور اس بناء پر انہوں نے یہ خیال کر لیا ہو کہ اس وقت حضورؐ نے بادل ناخواستہ اس تجویز کو قبول فرمایا ہے اور جب تک کہ کوئی اور بہتر تجویز سامنے نہ آئے فی الحال ناقوس والی تجویز ہی پر عمل ہو گا (اور غالباً اسی لیے اس کے بعد کسی کی طرف سے کوئی اور تجویز نہیں پیش کی گئی) بہر حال اس عاجز کا خیال ہے کہ حضرت عبداللہ بن زیدؓ نے غالباً اسی صورت کو "امر بالناقوس" سے تعبیر فرمایا ہے، کبھی کبھی کسی چیز کی اجازت اور اختیار دینے کو بھی امر سے تعبیر کر دیا جاتا ہے، قرآن و حدیث میں اس کی مثالیں بکثرت موجود ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

دوسری وضاحت طلب بات اس حدیث میں یہ ہے کہ اذان میں جو کلمات دو دو دفعہ کہے گئے تھے

و اقامت کے کلمات کے بارے میں یہ اختلاف قرآن مجید کی مختلف قرأتوں کا سا اختلاف ہے اور ہر وہ طریقہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے صحیح اور کافی ہے۔①

ابو محذورہ کو اذان کی تعلیم

۳۴) عَنْ أَبِي مَحْذُورَةَ قَالَ أَلْقَى عَلَيَّ رَسُولُ اللهِ ﷺ التَّأْذِينَ هُوَ بِنَفْسِهِ فَقَالَ قُلْ اللهُ أَكْبَرُ اللهُ أَكْبَرُ اللهُ أَكْبَرُ اللهُ أَكْبَرُ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ ثُمَّ تَعُودُ فَتَقُولُ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ. أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ، حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ، حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ. اَللهُ أَكْبَرُ اللهُ أَكْبَرُ. لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اذان پڑھنا مجھے رسول اللہ ﷺ نے بہ نفس نفیس سکھایا، مجھ سے فرمایا کہو:

اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر، اشہد ان لا الہ الا اللہ، اشہد ان لا الہ الا اللہ، اشہد ان محمدا رسول اللہ، اشہد ان محمدا رسول اللہ۔ آپ نے فرمایا پھر دوبارہ کہو اشہد ان لا الہ الا اللہ، اشہد ان لا الہ الا اللہ، اشہد ان محمدا رسول اللہ، اشہد ان محمدا رسول اللہ، حی علی الصلوٰۃ، حی علی الصلوٰۃ، حی علی الفلاح، حی علی الفلاح، اللہ اکبر، اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ۔ (صحیح مسلم)

۳۵) عَنْ أَبِي مَحْذُورَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ عَلَّمَهُ الْأَذَانَ تِسْعَ عَشْرَةَ كَلِمَةً وَالْإِقَامَةَ سَبْعَ عَشْرَةَ كَلِمَةً۔ (رواہ احمد والترمذی وابو داؤد والنسائی والدارمی وابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اذان سکھائی انیس کلمے اور اقامت سترہ کلمے۔ (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن دارمی، سنن ابن ماجہ)

تشریح: حضرت ابو محذورہ کی اوپر والی روایت میں اذان کے پورے انیس کلمے ہیں کیونکہ شہادت کے چاروں کلمے اس میں مکرر آئے ہیں اور اقامت میں سترہ کلمے اس طرح ہوں گے کہ شہادت کے کلمے مکرر نہ ہونے کی وجہ سے چار کلمے کم ہو جائیں گے اور "قد قامت الصلوٰۃ، قد قامت الصلوٰۃ" دو کلموں کا اضافہ ہو جائے گا اس کمی اور بیشی کے بعد ان کی تعداد پوری سترہ ہو جائے گی۔

ابو محذورہ کو اذان سکھانے کا یہ واقعہ شوال ۸ھ کا ہے جب رسول اللہ ﷺ غزوہ حنین سے فارغ ہو کر واپس آ رہے تھے۔ اس واقعہ کی تفصیل جو مختلف روایات کے جمع کرنے سے معلوم ہوتی ہے دلچسپ بھی ہے اور ایمان افروز بھی۔ اس لیے اس کا ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

① وعندی انہا کاحرف القرآن کلہا شاف کاف۔ حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۹۱ ج ۱

اور خوب بلند آواز سے کہو۔ اس عاجز کا خیال ہے کہ آپ ان کی زبان سے یہ کلمے کہلوا رہے تھے اور خود اللہ تعالیٰ کی جانب متوجہ تھے کہ وہ ان کلموں کو اپنے اس بندے کے دل میں اتار دے۔ الغرض یہ بات بالکل قرین قیاس ہے کہ اس وقت کی ان کی خاص حالت کی وجہ سے آپ نے شہادت کے یہ کلمے مکرر کہلوائے ہوں ورنہ کسی صحیح روایت سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے مستقل مؤذن حضرت بلالؓ کو یہ حکم دیا ہو اور وہ اذان میں شہادت کے یہ کلمے اس طرح چار چار دفعہ کہتے ہوں، اسی طرح عبداللہ بن زیدؓ کے خواب کی صحیح روایت میں بھی شہادت کے یہ کلمے دو ہی دفعہ وارد ہوئے ہیں۔ لیکن اس میں شبہ نہیں کہ ابو محذورہؓ مکہ معظمہ میں ہمیشہ اسی طرح اذان دیتے رہے یعنی ان کلموں کو دو دو بار ترتیب کے مطابق چار چار دفعہ کہتے رہے جس کو اصطلاح میں (ترجیع) کہتے ہیں جس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ حضورؐ نے جس طرح ان سے اذان کہلوائی تھی اور جس کی برکت سے ان کو دین کی دولت ملی تھی وہ ایک عاشق کی طرح چاہتے تھے کہ ہو بہو وہی اذان ہمیشہ دیا کریں ورنہ وہ یہ ضرور جانتے ہوں گے کہ حضورؐ کے مؤذن بلالؓ کس طرح اذان دیتے ہیں۔ اسی واقعہ کی روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابو محذورہ کے سر کے اگلے حصے (ناصیہ) پر جہاں دست مبارک رکھا تھا وہ وہاں کے اپنے بالوں کو کبھی کٹواتے نہیں تھے، اس عاجز کا خیال ہے کہ یہ بھی ان کی ایک عاشقانہ ادا تھی اسی طرح ان کی ایک ادا یہ بھی تھی کہ وہ ہمیشہ ترجیع کے ساتھ اذان کہتے تھے، اور بلاشبہ حضورؐ کو اس کا علم تھا لیکن حضورؐ نے منع نہیں فرمایا اس لیے اس کے بھی جواز میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں! اور حقیقت وہی ہے جو حضرت شاہ ولی اللہ نے بیان فرمائی ہے کہ اذان و اقامت کے کلمات کا یہ اختلاف بس مختلف قراءتوں کا سا اختلاف ہے۔ واللہ اعلم

اذان و اقامت میں دین کے بنیادی اصولوں کی دعوت

اذان و اقامت کے سلسلہ میں یہاں اس حقیقت کی طرف اشارہ بھی ناظرین کے لیے ان شاء اللہ مفید اور موجب بصیرت ہوگا کہ اگرچہ یہ دونوں چیزیں بظاہر وقت نماز کے اعلان کا ایک وسیلہ اور نماز کا بلاوا ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے ایسے جامع کلمات الہام فرمائے ہیں جو دین کی روح بلکہ دین کے پورے بنیادی اصولوں کی تعلیم و دعوت کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہیں، دین کے سلسلے میں سب سے پہلی چیز اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا مسئلہ ہے اس بارہ میں اسلام کا جو نظریہ ہے اس کے اعلان کے لیے اللہ اکبر اللہ اکبر سے بہتر اور اس سے جاندار الفاظ تلاش نہیں کیے جا سکتے، اس کے بعد نمبر آتا ہے عقیدۂ توحید کا بلکہ صفات کا مسئلہ اسی سے صاف اور مکمل ہوتا ہے اس کے لیے "اشهد ان لا اله الا الله" جیسا جاندار اور مؤثر کوئی دوسرا مختصر کلمہ منتخب نہیں کیا جا سکتا۔ پھر اس حقیقت کے واضح اور معلوم ہو جانے کے بعد کہ بس اللہ ہی ہمارا الٰہ و معبود ہے، یہ سوال فوراً سامنے آ جاتا ہے کہ اس اللہ تک پہنچنے کا راستہ یعنی اس سے بندگی کا صحیح رابطہ قائم کرنے کا طریقہ کہاں سے معلوم ہو سکے گا؟ اس کے جواب کے لیے "اشهد ان محمدا رسول الله" سے بہتر کوئی کلمہ نہیں سوچا جا سکتا، اس کے بعد "حی علی الصلوٰۃ" کے ذریعہ اس صلوٰۃ کی دعوت دی جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی

عبادت و بندگی اور اس سے رابطہ قائم کرنے کا سب سے اعلیٰ ذریعہ ہے، اور اللہ کی طرف چلنے والے کا سب سے پہلا قدم بھی ہے۔ اس کے بعد حی علی الفلاح کے ذریعہ اس حقیقت کا اعلان کیا جاتا ہے کہ یہی راستہ فلاح یعنی نجات و کامیابی کی منزل تک پہنچانے والا ہے، اور جو لوگ اس راستہ کو چھوڑ کر دوسری راہوں پر چلیں گے وہ فلاح سے محروم رہیں گے، گویا اس میں عقیدۂ آخرت کا اعلان ہے اور ایسے الفاظ کے ذریعہ اعلان ہے کہ ان سے صرف عقیدہ ہی کا علم نہیں ہوتا بلکہ وہ زندگی کا سب سے اہم اور قابلِ فکر مسئلہ بن کر ہمارے سامنے کھڑا ہو جاتا ہے، اور آخر میں اللہ اکبر اللہ اکبر، لا الٰہ الا اللہ کے ذریعہ پھر یہ اعلان اور پکار ہے کہ انتہائی عظمت و کبریائی والا بس اللہ ہی ہے اور وہی بلا شرکتِ غیرے الٰہ برحق ہے۔ اس لیے بس اسی کی رضا کو اپنا مطلوب و مقصود بناؤ۔

پھر غور کیجئے کہ اذان و اقامت کے ان چند کلمات میں دین کے بنیادی اصولوں کا کس قدر جامع اعلان ہے اور کتنی جاندار اور مؤثر دعوت ہے۔ گویا ہماری ہر مسجد سے روزانہ پانچ وقت دین کی یہ جامع دعوت نشر کی جاتی ہے۔

ہم مسلمان اگر اتنا بھی کر لیں کہ اپنے ہر بچہ کو اذان یاد کرا دیں اور کسی قدر تفصیل کے ساتھ اس کا مطلب سمجھا دیں، خصوصاً اشہد ان لا الٰہ الا اللہ اور اشہد ان محمدا رسول اللہ کا مطلب زمانہ اور ماحول کے مطابق سمجھا دیں تو انشاء اللہ وہ زندگی کی غیر اسلامی راہوں سے محفوظ ہو سکیں گے۔ اذان و اقامت سے متعلق بعض احکام

۳۶) **عَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لِبِلَالٍ اِذَا اَذَّنْتَ فَتَرَسَّلْ وَاِذَا اَقَمْتَ فَاحْدُرْ وَاجْعَلْ بَيْنَ اَذَانِكَ وَاِقَامَتِكَ قَدْرَ مَا يَفْرُغُ الْاٰكِلُ مِنْ اَكْلِهٖ وَالشَّارِبُ مِنْ شُرْبِهٖ وَالْمُعْتَصِرُ اِذَا دَخَلَ لِقَضَاءِ حَاجَتِهٖ وَلَا تَقُوْمُوْا حَتّٰى تَرَوْنِىْ.** (رواه الترمذى)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب تم اذان دو تو آہستہ آہستہ اور ٹھہر ٹھہر کر دیا کرو (یعنی ہر کلمہ پر سانس توڑو اور وقفہ کیا کرو) اور جب اقامت ہو تو رواں کہا کرو، اور اپنی اذان اور اقامت کے درمیان اتنا فصل کیا کرو کہ جو شخص کھانے پینے میں مشغول ہے وہ فارغ ہو جائے اور جس کو استنجے کا تقاضا ہے وہ اپنی ضرورت سے فارغ ہو لے اور کھڑے نہ ہوا کرو جب تک کہ مجھے دیکھ نہ لو۔ (جامع ترمذی)

تشریح اس حدیث میں اذان و اقامت سے متعلق جو ہدایات دی گئی ہیں وہ تو بالکل واضح ہیں، کسی تشریح کی محتاج نہیں، البتہ آخری ہدایت لا تقوموا حتی ترونی (اور کھڑے نہ ہوا کرو جب تک کہ مجھے دیکھ نہ لو) وضاحت طلب ہے۔ غالباً کبھی ایسا ہوتا تھا کہ حجرہ شریفہ سے حضور ﷺ کے مسجد تشریف لانے سے پہلے یہ اندازہ کر کے کہ آپ نماز پڑھانے کے لیے عنقریب باہر تشریف لانے والے ہیں، لوگ نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے تھے، اس کی آپ نے ممانعت فرما دی اور ارشاد فرمایا کہ میں جب تک مسجد میں نہ آ جاؤں اور تم مجھے دیکھ نہ لو اس وقت تک کھڑے نہ ہوا کرو۔ اس ممانعت کی وجہ تو ظاہر ہے کہ پہلے سے کھڑے ہو جانا بے وجہ کی تکلیف اٹھانا ہے اور ہو سکتا ہے کہ کسی وجہ سے آپ کو تشریف لانے میں دیر ہو جائے، لیکن اس

کے علاوہ آپ کی تواضع پسند طبیعت کے لیے یہ بات بھی تکلیف اور گرانی کا باعث ہوتی ہوگی کہ اللہ کے بندے صف باندھ کر آپ کے انتظار میں کھڑے ہوں۔

۳۷) **عَنْ سَعْدٍ مُؤَذِّنِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَمَرَ بِلَالًا اَنْ يَجْعَلَ اِصْبَعَيْهِ فِيْ اُذُنَيْهِ قَالَ اِنَّهٗ اَرْفَعُ لِصَوْتِكَ۔**

سعد قرظ جو (مسجد قبا) میں رسول اللہ ﷺ کے مقرر کیے ہوئے مؤذن تھے ان سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بلالؓ کو حکم دیا کہ اذان دیتے وقت دونوں انگلیاں کانوں میں دے لیا کریں، آپ نے ان سے فرمایا کہ ایسا کرنے سے تمہاری آواز زیادہ بلند ہو جائے گی۔

۳۸) **عَنْ زِيَادِ بْنِ الْحَارِثِ الصُّدَائِيِّ قَالَ اَمَرَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ اُؤَذِّنَ فِيْ صَلٰوةِ الْفَجْرِ فَاَذَّنْتُ فَاَرَادَ بِلَالٌ اَنْ يُّقِيْمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اَخَا صُدَاءٍ قَدْ اَذَّنَ وَمَنْ اَذَّنَ فَهُوَ يُقِيْمُ۔**

زیاد بن حارث صدائی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ فجر کی نماز کے وقت رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ تم اذان پڑھو میں نے اذان پڑھ دی۔ اس کے بعد جب اقامت کہنے کا وقت آیا تو بلال نے ارادہ کیا کہ اقامت وہ کہیں تو حضورؐ نے (میرے متعلق) فرمایا کہ اس صدائی نے اذان پڑھی ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ جو اذان پڑھے وہی اقامت کہے۔

۳۹) **عَنْ عُثْمَانَ بْنِ اَبِي الْعَاصِ قَالَ اِنَّ مِنْ آخِرِ مَا عَهِدَ اِلَيَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنِ اتَّخِذْ مُؤَذِّنًا لَا يَاْخُذُ عَلٰى اَذَانِهٖ اَجْرًا۔**

عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (جب طائف کا عامل بنا کر مجھے روانہ فرمایا تو اس وقت آپ نے) آخر میں جو تاکیدی ہدایتیں مجھے فرمائیں ان میں سے ایک یہ ہدایت بھی تھی کہ کوئی ایسا مؤذن مقرر کرلینا جو اذان پڑھنے کی مزدوری نہ لے (بس اللہ کے لیے اور آخرت کے ثواب کی نیت سے اذان پڑھا کرے)۔

تشریح: اس حدیث کی روشنی میں اکثر ائمہ دین کا جن میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل ہیں مسلک یہ ہے کہ اذان پڑھنے کی تنخواہ اور اجرت لینا درست نہیں ہے۔ دوسرے حضرات نے رسول اللہ ﷺ کی اس ہدایت کو تقویٰ اور عزیمت پر محمول کیا ہے۔ حنفیہ میں سے بھی متاخرین اہل فتویٰ نے زمانہ کے بدلے ہوئے حالات کے تحت اس میں گنجائش سمجھی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اذان اور امامت جیسے دینی اعمال کی عظمت اور تقدس کا تقاضا یہی ہے کہ وہ خالصاً لوجہ اللہ ہوں اور تنخواہ کا معاملہ اگر ناگزیر ہو تو دوسری متعلقہ خدمتوں اور پابندیوں کے عوض میں ہو اور معاملہ کے وقت یہ بات صاف کرلی جائے۔

۴۰) **عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْاِمَامُ ضَامِنٌ وَالْمُؤَذِّنُ مُؤْتَمَنٌ اَللّٰهُمَّ اَرْشِدِ الْاَئِمَّةَ**

وَاغْفِرْ لِلْمُؤَذِّنِيْنَ . (رواہ احمد و ابو داؤد والترمذی و الشافعی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ امام ضامن اور ذمہ دار ہے اور مؤذن امین ہے۔ اے اللہ (اماموں کو ٹھیک چلنے کی توفیق دے اور مؤذنوں کی مغفرت فرما۔

مطلب یہ ہے کہ امام پر اپنی نماز کے علاوہ مقتدیوں کی نماز کی بھی ذمہ داری ہے اس لیے اس کو اپنے امکان کی حد تک ظاہر اور باطنا دونوں حیثیت سے اچھی نماز پڑھنے کی کوشش کرنی چاہئے اور مؤذن پر لوگوں نے اذان کے بارے میں اعتماد کیا ہے، لہٰذا اس کو چاہیے کہ وہ اپنے ذاتی مصالح اور خواہشات کی رعایت سے بغیر صحیح وقت پر اذان پڑھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں مؤذن اور امام دونوں کی ذمہ داری کا تقاضا اور دونوں کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔

(۴۱) **عَنْ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ قَالَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ اَنَا وَابْنُ عَمٍّ لِيْ فَقَالَ اِذَا سَافَرْتُمَا فَاَذِّنَا وَ اَقِيْمَا وَلْيَؤُمَّكُمَا اَكْبَرُكُمَا .** (رواہ البخاری)

مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میرے ایک چچازاد بھائی بھی ساتھ تھے تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم سفر کرو تو نماز کے لیے اذان اور اقامت کہو اور جو تم میں بڑا ہو وہ امامت کرے اور نماز پڑھائے۔ (صحیح بخاری)

صحیح بخاری ہی کی دوسری ایک روایت میں ہے کہ یہ مالک بن الحویرث اپنے قبیلے کے بعض اور آدمیوں کے ساتھ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور دین سیکھنے اور حضور ﷺ کے فیض صحبت سے مستفید ہونے کی نیت سے قریباً بیس دن قیام کیا تھا، اپنی اس روایت میں انہوں نے حضور ﷺ کے جس ارشاد کا ذکر کیا ہے وہ غالباً اس وقت کا ہے جب وطن واپس جانے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے ان کو رخصت فرمایا تھا۔ اس میں آپ ﷺ نے ان کو دو ہدایتیں فرمائی تھیں ایک یہ کہ سفر میں بھی نماز کے لیے اذان، اقامت کا اہتمام کیا جائے، اور دوسری یہ کہ جو بڑا ہو وہ امامت کرے وجہ یہ تھی کہ دین اور علم دین کے لحاظ سے یہ اور ان کے ساتھی بظاہر برابر تھے، کسی کو دوسرے کے مقابلے میں کوئی خاص فضیلت اور فوقیت حاصل نہیں تھی اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ان کو یہ ہدایت فرمائی کہ تم میں عمر کے لحاظ سے جو بڑا ہو وہ امامت کرے اور ایسی صورت میں یہی اصول اور مسئلہ ہے۔

اذان اور مؤذنوں کی فضیلت

(۴۲) **عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا يَسْمَعُ مَدٰى صَوْتِ الْمُؤَذِّنِ جِنٌّ وَّلَا اِنْسٌ وَّلَا شَيْءٌ اِلَّا شَهِدَ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ .** (رواہ البخاری)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مؤذن کی آواز جہاں تک پہنچتی ہے وہاں تک جو جن اور جو انسان اور جو چیز بھی اس کی آواز سنتی ہے وہ قیامت کے دن ضرور

اس کے حق میں شہادت دے گی۔

اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کی ہر چیز کو اپنی معرفت کا کوئی حصہ عطا فرمایا ہے[1] ... الآیہ) اس لیے جب مؤذن اذان دیتا ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی کبریائی اور اس کی توحید اور اس کے رسول کی رسالت اور اس کی دعوت کا اعلان کرتا ہے تو جن و انس کے علاوہ دوسری مخلوقات بھی اس کو سنتی اور سمجھتی ہیں اور قیامت میں اس کی شہادت ادا کریں گی۔ بلاشبہ اذان اور مؤذنوں کی یہ بڑی قابلِ رشک فضیلت ہے۔

۱۳) عَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُوْلُ إِنَّ الشَّيْطَانَ إِذَا سَمِعَ النِّدَاءَ بِالصَّلٰوةِ ذَهَبَ حَتّٰى يَكُوْنَ مَكَانَ الرَّوْحَاءِ. (رواہ مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، فرماتے تھے کہ شیطان جب نماز کی پکار یعنی اذان سنتا ہے تو مقام روحاء کے برابر دور چلا جاتا ہے۔

اللہ کی مخلوق میں بعض چیزیں ایسی ہیں جو بعض دوسری چیزوں کے لیے ناقابلِ برداشت ہیں۔ مثلاً اندھیرے کے لیے آفتاب ناقابلِ برداشت ہے۔ آفتاب کے نکلتے ہی اندھیرا کافور ہو جاتا ہے۔ اسی طرح سردی کے لیے آگ ناقابلِ برداشت ہے، جہاں آگ روشن کر دی جائے وہاں سے سردی دفع ہو جاتی ہے۔ بس یہی حال شیطان کا اذان کی پکار سے ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ جیسے ہی وہ اس کو سنتا ہے اتنی دور چلا جاتا ہے جتنی دور مدینہ سے مثلاً مقام روحاء ہے۔ (حضرت جابرؓ سے اس حدیث کے روایت کرنے والے راوی طلحہ بن نافع کا بیان اسی حدیث کے ساتھ صحیح مسلم میں مروی ہے کہ روحاء مدینہ سے ۳۶ میل دور ہے) حدیث کی روح یہ ہے کہ اذان جو توحید اور ایمان کی پکار ہے جس طرح وہ اللہ تعالیٰ کو نہایت محبوب ہے اور اس کے اچھے بندے اس کو سن کر مسجدوں کی طرف دوڑ پڑتے ہیں۔ اسی طرح شیطان مردود کے لیے وہ گویا بم کا گولا ہے، جہاں اللہ کے منادی نے اذان شروع کی وہ اس سے ایسا بھاگتا ہے جیسے آفتاب سے اندھیرا کافور ہوتا ہے۔ واللہ اعلم

۱۴) عَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ الْمُؤَذِّنُوْنَ أَطْوَلُ النَّاسِ أَعْنَاقًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ. (رواہ مسلم)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے خود سنا ہے آپؐ فرماتے تھے کہ اذان کہنے والے قیامت کے دن دوسرے سب لوگوں کے مقابلے میں دراز گردن (یعنی سربلند) ہوں گے۔

حدیث کے الفاظ ... کا لفظی ترجمہ تو دراز گردن ہی ہے لیکن شارحین نے

---

[1] یہ قرآن مجید کی آیت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ہر چیز اور ہر مخلوق اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور حمد کرتی ہے لیکن ان کی یہ تسبیح اور حمد تم انسانوں کے فہم و ادراک سے باہر ہے۔ ۱۲

اس کے کئی مطلب بیان کئے گئے ہیں، اس عاجز کے نزدیک اس سے مراد ان کی سر بلندی ہے۔ اور قیامت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے انکو یہ امتیاز اسی طرح حاصل ہوگا جیسا کہ آگے آنے والی حدیث میں ان کا یہ امتیاز بھی بتایا گیا ہے کہ وہ قیامت کے دن مشک کے ٹیلوں پر ہوں گے۔

(۴۵) **عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ثَلٰثَةٌ عَلٰى كُثْبَانِ الْمِسْكِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَبْدٌ اَدّٰى حَقَّ اللّٰهِ وَ حَقَّ مَوْلَاهُ وَ رَجُلٌ اَمَّ قَوْمًا وَهُمْ بِهٖ رَاضُوْنَ وَرَجُلٌ يُّنَادِىْ بِالصَّلَوٰتِ الْخَمْسِ كُلَّ يَوْمٍ وَّلَيْلَةٍ —** (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، قیامت کے دن تین (قسم کے) آدمی مشک کے ٹیلوں پر ٹھہرائے جائیں گے۔ ایک وہ غلام جس نے دنیا میں اللہ کا حق بھی ادا کیا اور اپنے آقا کا بھی، دوسرا وہ آدمی جو کسی جماعت کا امام ہو اور لوگ (اس کی نیک عملی اور پرہیزگاری کی وجہ سے) اس سے راضی اور خوش ہوں، اور تیسرا وہ بندہ جو دن رات کی پانچوں نمازوں کے لیے روزانہ اذان دیتا تھا۔ (جامع ترمذی)

(۴۶) **عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ اَذَّنَ سَبْعَ سِنِيْنَ مُحْتَسِبًا كُتِبَ لَهٗ بَرَاءَةٌ مِّنَ النَّارِ۔** (رواہ الترمذی وابو داؤد وابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے جس بندہ نے سات سال تک اللہ کے واسطے اور ثواب کی نیت سے اذان دی اس کے لیے آتش دوزخ سے برأت لکھ دی جاتی ہے (یعنی اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے طے کر دیا جاتا ہے کہ دوزخ سے اس کا کوئی واسطہ نہیں اور اس کی آگ اور لپٹ کو اس بندہ کو چھونے کی بھی اجازت نہیں)۔

(جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

(۴۷) **عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ الْمُؤَذِّنِيْنَ وَالْمُلَبِّيْنَ يَخْرُجُوْنَ مِنْ قُبُوْرِهِمْ يُؤَذِّنُ الْمُؤَذِّنُ وَيُلَبِّى الْمُلَبِّىْ۔** (رواہ الطبرانی فی الاوسط)

ترجمہ: حضرت جابر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اذان کہنے والے اور تلبیہ[1] پڑھنے والے اپنی قبروں سے اس حال میں نکلیں گے کہ اذان کہنے والے اذان پکارتے ہوں گے اور تلبیہ پڑھنے والے تلبیہ کی صدا بلند کرتے ہوں گے۔" (معجم اوسط للطبرانی)

تشریح: اذان اور مؤذنوں کی جو یہ مخصوص فضیلتیں ان حدیثوں میں بیان فرمائی گئی ہیں ان کا راز یہی ہے کہ اذان ایمان و اسلام کا شعار اور اپنے معنی و ترتیب کے لحاظ سے دین کی دعوت تبلیغ اور دعوت و پکار ہے اور

[1] تلبیہ حج اور عمرہ کرنے والوں کا خاص نعرہ اور ورد ہوتا ہے اور وہ یہ ہے لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ

مؤذن اس کا داعی اور گویا اللہ تعالیٰ کا نقیب اور منادی ہے۔ افسوس آج ہم مسلمانوں نے اس حقیقت کو بالکل بھلا دیا ہے اور اذان کہنا ایک حقیر پیشہ بن گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے اس عظیم ترین اجتماعی گناہ کو معاف فرمائے اور توبہ واصلاح کی ہمیں توفیق دے۔

اذان کا جواب اور اس کے بعد کی دعا

۱۸) عَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا قَالَ الْمُؤَذِّنُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ فَقَالَ اَحَدُكُمْ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ ثُمَّ قَالَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ قَالَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ثُمَّ قَالَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ قَالَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ ثُمَّ قَالَ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ قَالَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ثُمَّ قَالَ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ قَالَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ قَالَ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ ثُمَّ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مِنْ قَلْبِهٖ دَخَلَ الْجَنَّةَ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب مؤذن کہے اللہ اکبر اللہ اکبر اور (اس کے جواب میں) تم میں سے کوئی کہے اللہ اکبر اللہ اکبر، پھر مؤذن کہے اشہد ان لا الٰہ الا اللہ اور وہ جواب دینے والا بھی (اس کے جواب میں) کہے اشہد ان لا الٰہ الا اللہ پھر مؤذن کہے اشہد ان محمدا رسول اللہ اور جواب دینے والا بھی کہے اشہد ان محمدا رسول اللہ پھر مؤذن کہے حی علی الصلوٰۃ تو جواب دینے والا کہے لا حول ولا قوۃ الا باللہ پھر مؤذن کہے حی علی الفلاح اور جواب دینے والا کہے لا حول ولا قوۃ الا باللہ پھر مؤذن کہے اللہ اکبر اللہ اکبر اور جواب دینے والا بھی کہے اللہ اکبر اللہ اکبر، پھر مؤذن کہے لا الٰہ الا اللہ اور جواب دینے والا بھی کہے لا الٰہ الا اللہ اور یہ کہنا دل سے ہو تو وہ جنت میں جائے گا۔ (صحیح مسلم)

تشریح: ناظرین کو جیسا کہ پہلے معلوم ہو چکا ہے اذان کے دو پہلو ہیں یا کہنا چاہئے کہ اذان دو حیثیتوں کی جامع ہے، ایک یہ کہ وہ نماز باجماعت کا اعلان اور بلاوا ہے، دوسرے یہ کہ وہ ایمان کی دعوت و پکار اور دین حق کا منشور ہے۔ پہلی حیثیت سے اذان سننے والے اور ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اذان کی آواز سنتے ہی نماز میں شرکت کے لیے تیار ہو جائے اور ایسے وقت مسجد میں پہنچ جائے کہ جماعت میں شریک ہو سکے۔ ⓵ اور دوسری حیثیت سے ہر مسلمان کو حکم ہے کہ وہ اذان سنتے وقت اس ایمانی دعوت کے ہر جزو اور ہر کلمے کی اور اس آسمانی منشور کی ہر دفعہ کی اپنے دل اور اپنی زبان سے تصدیق کرے اور اس طرح پوری اسلامی آبادی ہر اذان کے وقت اپنے ایمان عہد و میثاق کی تجدید کیا کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے اذان کا جواب دینے کی اور اس کے بعد دعا میں پھر کلمہ شہادت پڑھنے کی اپنے ارشادات میں جو تعلیم و ترغیب دی ہے۔ اس عاجز کے نزدیک

⓵ اس بارہ میں رسول اللہ ﷺ کے تاکیدی ارشادات ان شاء اللہ آگے جماعت کے بیان میں درج کیے جائیں گے۔ ۱۲

اس کی خاص حکمت بھی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ اس سے یہ بات بھی سمجھ میں آجاتی ہے کہ اذان کا جواب جو بظاہر ایک معمولی سا عمل ہے اس پر داخلہ جنت کی بشارت کا کیا راز ہے؟

۹) عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَنْ قَالَ حِيْنَ يَسْمَعُ الْمُؤَذِّنَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ رَضِيْتُ بِاللهِ رَبًّا وَبِمُحَمَّدٍ رَسُوْلًا وَبِالْإِسْلَامِ دِيْنًا غُفِرَ لَهُ ذَنْبُهُ۔ (رواه مسلم)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص مؤذن کی اذان سننے کے وقت (یعنی جب وہ اذان پڑھ کر فارغ ہو جائے) کہے کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور شہادت دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں اور میں راضی و خوش ہوں اللہ کو رب مان کر اور حضرت محمد ﷺ کو رسول اللہ مان کر اور اسلام کو اپنا دین مان کر، تو اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

ف۔ ایمان کی برکت سے گناہوں کی بخشش کے بارے میں کچھ ضروری وضاحت وضو کے فضائل و برکات کے بیان میں کی جا چکی ہے وہ یہاں بھی ملحوظ رہنی چاہئے۔

۱۰) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَنْ قَالَ حِيْنَ يَسْمَعُ النِّدَاءَ اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَائِمَةِ اٰتِ مُحَمَّدَ نِ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَ نِ الَّذِيْ وَعَدْتَّهُ حَلَّتْ لَهُ شَفَاعَتِيْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔ (رواه البخاري)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو کوئی اذان سننے کے وقت اللہ تعالیٰ سے یوں دعا کرے "اے اللہ! اس دعوت تامہ کاملہ اور اس صلوٰۃ قائمہ کے رب! (یعنی اے وہ اللہ جس کے لیے اور جس کے حکم سے یہ اذان اور یہ نماز ہے) اپنے رسول پاک (محمد ﷺ) کو وسیلہ اور فضیلہ کے خاص درجہ اور مرتبہ عطا فرما اور ان کو اس مقام محمود پر سرفراز فرما جس کا تو نے ان کے لیے وعدہ فرمایا ہے" تو وہ بندہ قیامت کے دن میری شفاعت کا حقدار ہو گیا۔

ف۔ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے لیے تین چیزوں کی دعا کا ذکر کیا گیا ہے اور فرمایا گیا ہے کہ جو بندہ اذان سننے کے وقت اللہ تعالیٰ سے ان تین چیزوں کے رسول اللہ ﷺ کو عطا کرنے کی دعا کرے گا وہ قیامت کے دن شفاعت محمدی ﷺ کا خاص طور سے حقدار ہوگا، ایک وسیلہ، دوسرے فضیلہ، تیسرے مقام محمود۔ صحیح مسلم کی ایک حدیث میں اس وسیلہ کی تشریح خود رسول اللہ ﷺ سے یہ مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مقبولیت و محبوبیت کا ایک خاص اختصاصی مقام و مرتبہ اور جنت کا ایک مخصوص و ممتاز درجہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے کسی ایک ہی بندہ کو ملنے والا ہے، اور فضیلہ بھی گویا اسی مقام اختصاص و امتیاز کا ایک عنوان ہے اور اسی طرح مقام محمود وہ مقام عزت ہے جس پر فائز ہونے والا ہر ایک کی نگاہ میں محمود اور محترم ہوگا اور سب اس کے ثناخواں اور شکر گزار ہوں گے۔

اسی سلسلہ میں معارف الحدیث کی پہلی جلد میں شفاعت کے بیان میں وہ حدیثیں ناظرین کی نظر سے گزر چکی ہوں گی جن میں بیان کیا گیا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے جلال کے ظہور کا خاص دن ہوگا اور سارے انسان اپنے اعمال اور احوال کے اختلاف کے باوجود اس وقت دہشت زدہ اور پریشان ہوں گے۔ حتیٰ کہ حضرت نوح و ابراہیم اور موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام جیسے اولوالعزم پیغمبر بھی اللہ تعالیٰ کے حضور میں کچھ عرض کرنے کی ہمت نہ کرسکیں گے تو اس وقت سید الرسل حضرت محمد ﷺ ہی انا لہا انا لہا کہہ کر احکم الحاکمین کی بارگاہِ جلال میں سب سے پہلے سارے انسانوں کے لیے حساب اور فیصلہ کی استدعا اور شفاعت کریں گے اور اس کے بعد گنہگاروں کی سفارش اور ان کے دوزخ سے نکالے جانے کی استدعا کا دروازہ بھی آپ ہی کے اقدام سے کھلے گا، خود آپ کا ارشاد ہے "انا اول شافع و اول مشفع" (سب سے پہلا شافع میں ہوں گا اور بارگاہِ خداوندی میں سب سے پہلے میری ہی شفاعت قبول کی جائے گی) نیز آپ کا ارشاد ہے "وانا حامل لواء الحمد یوم القیامۃ تحتہ آدم فمن دونہ ولا فخر" (قیامت کے دن حمد کا جھنڈا میرے ہی ہاتھ میں ہوگا اور آدم اور ان کے علاوہ سارے انبیاء و رسل اور ان کے متبعین میرے اسی جھنڈے لواء الحمد کے نیچے ہوں گے) یہی وہ مقامِ محمود ہے جس کے متعلق قرآن مجید میں رسول اللہ ﷺ سے فرمایا گیا ہے۔ "عسیٰ ان یبعثک ربک مقاما محمودا" (بنی اسرائیل۔ ع ۱۰) (امید ہے کہ آپ کا رب آپ کو مقامِ محمود عطا فرمادے)۔ الغرض وہ خاص الخاص مرتبہ اور درجہ جس کو حدیث میں وسیلہ اور فضیلہ کہا گیا ہے اور عزت و امتیاز اور محمودیتِ عامہ کا وہ مقامِ بلند جس کو قرآن مجید میں اور اس حدیث میں مقامِ محمود کہا گیا ہے۔ یقیناً رسول اللہ ﷺ کی ہم امتیوں پر یہ نوازش ہے کہ زیرِ تشریح حدیث میں آپ نے ہم کو اس کی ترغیب دی کہ ہم بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ یہ درجے اور مقامات آپ کو عطا کیے جائیں اور بتلایا کہ جو کوئی میرے لیے یہ دعا کرے گا وہ قیامت کے دن میری شفاعت کا خاص طور سے مستحق ہوگا۔

فائدہ۔۔۔ مندرجہ بالا تینوں حدیثوں پر عمل کرنے کا طریقہ اور ترتیب یہ ہے کہ مؤذن کی اذان کے ساتھ تو اس کے ہر کلمے کو دہرایا جائے جس طرح کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مذکور ہوا اور اس کے بعد سعد بن ابی وقاص کی حدیث کے مطابق کہا جائے اشہد ان لا الہ الا اللہ (آخر تک) اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے حضور میں دعا کی جائے "اللہم رب ہذہ الدعوۃ التامۃ" سے "وابعثہ مقاما محمودا الذی وعدتہ" تک۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں نقل کیا ہے کہ بیہقی کی روایت میں اس دعا کے آخر میں "انک لا تخلف المیعاد" کا اضافہ بھی ہے، اللہ تعالیٰ ہم کو توفیق دے کہ ان احکام کی روح کو سمجھ کر ان پر عمل کی حقیقی برکات حاصل کریں۔

مساجد

ان کی عظمت و اہمیت اور آداب و حقوق

جو عظیم و وسیع مقاصد نماز سے وابستہ ہیں جن میں سے بعض کی طرف حضرت شاہ ولی اللہ کے حوالے

لگائیں اور وہاں کی آلودگیوں سے مثلاً جھوٹ، فریب اور بد دیانتی سے اپنی حفاظت کریں۔ ان حدود کی پابندی کے ساتھ بازاروں سے تعلق رکھنے کی اجازت دی گئی ہے۔ بلکہ ایسے سوداگروں اور تاجروں کو خود رسول اللہ ﷺ نے جنت کی بشارت سنائی ہے جو اللہ تعالیٰ کے احکام اور اصول دیانت و امانت کی پابندی کے ساتھ تجارتی کاروبار کریں اور یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ بیت الخلاء نجاست اور گندگی کی جگہ ہونے کی وجہ سے اگرچہ اصلاً سخت ناپسندیدہ مقام ہے لیکن ضرورت کے بقدر اس سے بھی تعلق رکھا جاتا ہے، بلکہ وہاں کے آنے جانے میں اور قضاءِ حاجت میں اگر بندہ اللہ تعالیٰ کے احکام اور رسول اللہ ﷺ کی ہدایات و سنن کا لحاظ رکھے تو بہت کچھ ثواب بھی کما سکتا ہے۔

۵۲) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِیْ ظِلِّهٖ يَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّهٗ، اِمَامٌ عَادِلٌ وَ شَابٌّ نَشَاَ فِیْ عِبَادَةِ اللّٰهِ وَرَجُلٌ قَلْبُهٗ مُعَلَّقٌ بِالْمَسْجِدِ اِذَا خَرَجَ مِنْهُ حَتّٰى يَعُوْدَ اِلَيْهِ وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِی اللّٰهِ اجْتَمَعَا عَلَيْهِ وَتَفَرَّقَا عَلَيْهِ وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللّٰهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ وَرَجُلٌ دَعَتْهُ امْرَاَةٌ ذَاتُ حَسَبٍ وَ جَمَالٍ فَقَالَ اِنِّیْ اَخَافُ اللّٰهَ وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَاَخْفَاهَا حَتّٰى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهٗ مَا تُنْفِقُ يَمِيْنُهٗ. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سات قسم کے آدمی ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے سایہ میں جگہ دے گا قیامت کے اس دن میں جس دن کہ اس کے سایۂ رحمت کے سوا کوئی دوسرا سایہ نہیں ہوگا، ایک عدل و انصاف سے حکمرانی کرنے والا فرمانروا، دوسرا وہ جوان جس کی نشو و نما اللہ تعالیٰ کی عبادت میں ہوئی (یعنی جو بچپن سے عبادت گزار تھا اور جوانی میں بھی عبادت گزار رہا، اور جوانی کی مستیوں نے اسے غافل نہیں کیا) تیسرا وہ مرد مومن جس کا حال یہ ہے کہ مسجد سے باہر جانے کے بعد بھی اس کا دل مسجد ہی سے اٹکا رہتا ہے، جب تک کہ پھر مسجد میں نہ آ جائے، اور چوتھے وہ دو آدمی جنہوں نے اللہ کے لیے باہم محبت کی، اسی پر جڑے رہے اور اسی پر الگ ہوئے (یعنی ان کی محبت صرف منہ دیکھے کی محبت نہیں تھی جیسی کہ اس دنیا کی محبتیں ہوتی ہیں، بلکہ ان کا حال یہ ہے کہ جب یکجا اور ساتھ ہیں جب بھی محبت ہے اور جب ایک دوسرے سے الگ اور غائب ہوتے ہیں جب بھی ان کے دل للّٰہی محبت سے لبریز ہوتے ہیں) پانچواں خدا کا وہ بندہ جس نے اللہ کو یاد کیا تنہائی میں تو اس کے آنسو بہہ پڑے اور چھٹا وہ مرد خدا جسے حرام کی دعوت دی کسی ایسی عورت نے جو خوبصورت بھی ہے اور صاحب وجاہت و عزت بھی، تو اس بندے نے کہا کہ میں خدا سے ڈرتا ہوں اس لیے حرام کی طرف قدم نہیں اٹھا سکتا) اور ساتواں وہ شخص جس نے اللہ کی راہ میں کچھ صدقہ کیا اور اس قدر چھپا کر کیا کہ گویا اس کے بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہیں کہ اس کا داہنا ہاتھ اللہ کی راہ میں کیا خرچ کر رہا ہے اور کس کو دے رہا ہے۔

اس حدیث میں تیسرے نمبر پر اس شخص کو اللہ کے سایۂ رحمت کی بشارت سنائی گئی ہے جس کا

حال یہ ہو کہ مسجد سے باہر ہونے کی حالت میں بھی اس کا دل مسجد میں اٹکا رہے۔ بے شک مومن کا حال یہی ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ان سات باتوں میں سے کوئی نہ کوئی بات ہم کو بھی نصیب فرمائے۔

(٥٣) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ غَدَا اِلَى الْمَسْجِدِ اَوْ رَاحَ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهٗ نُزُلَهٗ مِنَ الْجَنَّةِ كُلَّمَا غَدَا اَوْ رَاحَ. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو بندہ جس وقت بھی صبح کو یا شام کو اپنے گھر سے نکل کر مسجد کی طرف جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے واسطے جنت کی مہمانی کا سامان تیار کراتا ہے۔ وہ جتنی دفعہ بھی صبح یا شام کو جائے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح۔۔۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بندہ صبح یا شام جس وقت بھی اور دن میں جتنی دفعہ بھی خدا کے گھر میں (یعنی مسجد میں) حاضر ہوتا ہے، رب کریم اس کو اپنے عزیز مہمان کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور ہر دفعہ کی حاضری پر جنت میں اس کے لیے مہمانی کا خاص سامان تیار کراتا ہے، جو وہاں پہنچنے کے بعد بندہ کے سامنے آنے والا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ رب کریم کے جنت والے سامان مہمانی کا یہاں کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا۔ کنز العمال میں تاریخ حاکم کے حوالے سے بروایت عبداللہ بن عباس ایک حدیث کے الفاظ یہ نقل کیے گئے ہیں۔

اَلْمَسَاجِدُ بُيُوْتُ اللّٰهِ وَالْمُؤْمِنُوْنَ زُوَّارُ اللّٰهِ وَحَقٌّ عَلَى الْمَزُوْرِ اَنْ يُّكْرِمَ زَائِرَهٗ

(کنز العمال ص ٢٢٥ ج ٤)

مسجدیں اللہ کے گھر ہیں اور ان میں حاضر ہونے والے اہل ایمان اللہ تعالیٰ کے ملاقاتی (اور مہمان) ہیں اور جس کی ملاقات کو کوئی آئے اس پر حق ہے کہ وہ آنے والے ملاقاتی کا اکرام اور اس کی خاطر داری کرے۔

تاریخ حاکم جس کے حوالے سے یہ روایت کنز العمال میں نقل کی گئی ہے اس کی روایتیں محدثین کے نزدیک عموماً ضعیف ہیں خود کنز العمال کے مقدمہ میں بھی اس کی تصریح کر دی گئی ہے۔ لیکن اس کی اس روایت کا مضمون بخاری و مسلم کی مندرجہ بالا ابو ہریرہؓ والی حدیث کے بالکل مطابق ہے اس لیے تشریح میں یہاں اس کو نقل کر دینا مناسب معلوم ہوا۔[1]

(٥٤) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ صَلٰوةُ الرَّجُلِ فِى الْجَمَاعَةِ تُضَعَّفُ عَلٰى صَلٰوتِهٖ فِىْ بَيْتِهٖ وَفِىْ سُوْقِهٖ خَمْسَةً وَّعِشْرِيْنَ ضِعْفًا وَذٰلِكَ اَنَّهٗ اِذَا تَوَضَّأَ فَاَحْسَنَ الْوُضُوْءَ ثُمَّ خَرَجَ اِلَى الْمَسْجِدِ لَا يُخْرِجُهٗ اِلَّا الصَّلٰوةُ لَمْ يَخْطُ خُطْوَةً اِلَّا رُفِعَتْ بِهَا دَرَجَةٌ وَحُطَّ عَنْهُ بِهَا خَطِيْئَةٌ فَاِذَا صَلّٰى لَمْ تَزَلِ الْمَلٰٓئِكَةُ تُصَلِّىْ عَلَيْهِ مَا دَامَ فِىْ مُصَلَّاهُ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ وَلَا يَزَالُ اَحَدُكُمْ فِىْ صَلٰوةٍ مَا انْتَظَرَ الصَّلٰوةَ. (رواہ البخاری و مسلم)

---

[1] بعد میں کنز العمال ہی میں بالکل اسی مضمون کی ایک اور حدیث حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے معجم کبیر طبرانی کے حوالے سے بھی مل گئی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آدمی کی نماز جو وہ جماعت سے مسجد میں ادا کرے اس کی اس نماز کے مقابلہ میں جو اپنے گھر میں یا بازار میں پڑھے (ثواب میں) پچیس گنا زیادہ ہوتی ہے اور وجہ یہ ہے کہ جب وہ بندہ اچھی طرح وضو کر کے مسجد کی طرف جاتا ہے اور اس جانے میں نماز کے سوا اس کا کوئی دنیوی مقصد نہیں ہوتا، تو اس کے ہر قدم پر اس کا ایک درجہ بلند کر دیا جاتا ہے اور اس کی ایک خطا معاف کر دی جاتی ہے، پھر جب وہ نماز پڑھتا ہے تو فرشتے اس وقت تک برابر اس کے حق میں عنایت اور رحمت کی دعا کرتے رہتے ہیں جب تک کہ وہ نماز پڑھنے کی جگہ میں رہے، ان فرشتوں کی دعا یہ ہوتی ہے اے اللہ! اپنے اس بندے پر خاص عنایت فرما، اس پر رحمت فرما، اور جب تک تم میں سے کوئی نماز کے انتظار میں مسجد میں رہتا ہے اللہ کے نزدیک اور اس کے حساب میں وہ برابر نماز ہی میں رہتا ہے۔

مسجد میں جماعت سے نماز پڑھنے پر بہ نسبت گھر اور دکان وغیرہ کے ۲۵ گنا ثواب، اور راستہ کے ہر قدم پر ایک درجہ کی بلندی اور ایک گناہ کی معافی، یہ کتنی بڑی اور کتنی ارزاں دولت ہے! اور پھر اس سے بھی آگے فرشتوں کی دعا "اللهم صل عليه اللهم ارحمه" کیسی عظیم نعمت ہے۔ اس کے علاوہ اس حدیث کی ایک دوسری روایت میں فرشتوں کی اس دعا میں "اللهم اغفر له اللهم تب عليه" کا اضافہ بھی ہے (یعنی اے اللہ اس بندے کی مغفرت فرما دے، اس کی توبہ قبول فرما لے)۔ نیز اسی روایت کے آخر میں ایک اضافہ یہ بھی ہے "ما لم يؤذ فيه ما لم يحدث" یعنی نماز کے بعد مسجد میں بیٹھنے والے اس بندے کے حق میں فرشتے یہ دعائیں اس وقت تک برابر کرتے رہتے ہیں جب تک وہ کسی کو اپنے ہاتھ یا اپنی زبان سے ایذا نہ پہنچائے یا اس کا وضو ٹوٹ نہ جائے۔

۵۵) عَنْ عُثْمَانَ بْنِ مَظْعُوْنٍ اَنَّهٗ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ائْذَنْ لَنَا فِى التَّرَهُّبِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ تَرَهُّبَ اُمَّتِى الْجُلُوْسُ فِى الْمَسَاجِدِ اِنْتِظَارَ الصَّلٰوةِ. (رواه في شرح السنة)

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ حضرت! مجھ کو رہبانیت اختیار کرنے کی اجازت دے دیجئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میری امت کی رہبانیت نماز کے انتظار میں مسجدوں میں بیٹھنا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے بعض صحابہ میں دنیوی معاملات اور دنیا کی لذتوں سے بے تعلق اور کنارہ کش ہو جانے کا جذبہ پیدا ہوتا تھا اور وہ اس باب میں رسول اللہ ﷺ سے عرض معروض کرتے تھے۔ اس حدیث کے راوی عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ میں یہ رجحان بہت تیز تھا، انہوں نے ایک دفعہ کئی باتیں اسی طرح کی حضور ﷺ سے عرض کیں، ان میں سے آخری بات یہ تھی کہ ہمیں رہبانیت اختیار کرنے کی اجازت دے دی جائے جس کے بعد ہم تارک الدنیا راہبوں والی زندگی گزاریں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کا جو جواب دیا اس کا مطلب یہ ہے کہ جن روحانی مقاصد اور اخروی منافع کے لیے پچھلی امتوں میں رہبانیت تھی

میری امت کو وہ چیزیں نماز کے انتظار میں مسجد میں بیٹھنے ہی پر اللہ تعالیٰ عطا فرمانے والے ہیں اور بس یہی میری امت کی رہبانیت اور درویشی ہے۔ دراصل نماز کے انتظار میں مسجد میں بیٹھنا بھی ایک طرح کا اعتکاف ہے۔ کاش ہم اس کی قدر و قیمت جانیں۔

(۵۶) عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بَشِّرِ الْمَشَّائِيْنَ فِي الظُّلَمِ إِلَى الْمَسَاجِدِ بِالنُّوْرِ التَّامِّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ... (رواه الترمذي و ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے جو بندے اندھیروں میں مسجدوں کو جاتے ہیں ان کو بشارت سنا دو کہ (ان کے اس عمل کے صلہ میں) قیامت کے دن ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور کامل عطا ہوگا۔

تشریح: رات کے اندھیروں میں نماز کے لیے پابندی سے مسجد جانا بلاشبہ بڑا مجاہدہ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ سچے تعلق کی دلیل ہے، ایسے بندوں کو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی زبانی بشارت سنوائی ہے کہ ان کے اس عمل کے صلہ میں قیامت کے اندھیروں میں ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور کامل عطا فرمایا جائے گا۔

(۵۷) عَنْ أَبِيْ أُسَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْيَقُلِ اللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ وَإِذَا خَرَجَ فَلْيَقُلِ اللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ. (رواه مسلم)

ترجمہ: ابو اسید ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہونے لگے تو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرے اللهم افتح لي ابواب رحمتك (اے اللہ میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے) اور جب مسجد سے باہر جانے لگے تو دعا کرے اللهم اني اسئلك من فضلك (اے اللہ میں تجھ سے تیرے فضل کا سوال کرتا ہوں تو میرے لیے اس کا فیصلہ فرما دے)۔ (صحیح مسلم)

تشریح: قرآن و حدیث میں رحمت کا لفظ زیادہ تر اخروی اور دینی و روحانی انعامات کے لیے اور فضل کا لفظ رزق وغیرہ دنیوی نعمتوں کی داد و دہش اور ان میں زیادتی کے لیے استعمال کیا گیا ہے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے مسجد کے داخلہ کے لیے فتح باب رحمت کی دعا تعلیم فرمائی کیونکہ مسجد دینی و روحانی اور اخروی نعمتوں ہی کے حاصل کرنے کی جگہ ہے اور مسجد سے نکلتے وقت کے لیے اللہ سے اس کا فضل یعنی دنیوی نعمتوں کی فراوانی مانگنے کی تلقین فرمائی، کیونکہ مسجد سے باہر کی دنیا کے لیے یہی مناسب ہے۔ ان دونوں باتوں کا خاص منشاء یہ ہے کہ مسجد میں آنے اور جانے کے وقت بندہ غافل نہ ہو اور ان دونوں حالتوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی توجہ سائلانہ ہو۔

تحیۃ المسجد

۵۸) عَنْ اَبِىْ قَتَادَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ اِذَا دَخَلَ اَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ اَنْ يَّجْلِسَ. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو اس کو چاہیے کہ بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھے۔

[تشریح] مسجد کو اللہ تعالیٰ سے ایک خاص نسبت ہے اور اسی نسبت سے اس کو [بیت اللہ] کہا جاتا ہے اس لیے اس کے حقوق اور اس میں داخلہ کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ وہاں جا کر بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز ادا کی جائے، یہ گویا بارگاہ خداوندی کی سلامی ہے، اس لیے اس کو [تحیۃ المسجد] کہتے ہیں (تحیۃ کے معنی سلامی کے ہیں) لیکن یہ حکم جمہور ائمہ کے نزدیک استحبابی ہے۔

[ف] اس حدیث میں صراحۃً حکم ہے کہ تحیۃ المسجد کی یہ دو رکعتیں مسجد میں بیٹھنے سے پہلے پڑھنی چاہئیں، بعض لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ مسجد میں جا کر پہلے قصداً بیٹھتے ہیں اس کے بعد کھڑے ہو کر نماز کی نیت کرتے ہیں معلوم نہیں یہ غلطی کہاں سے رواج پا گئی ہے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اب سے چار صدی پہلے ان کے زمانہ کے عام مسلمانوں میں بھی یہ غلطی رائج تھی۔

۵۹) عَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ النَّبِىُّ ﷺ لَا يَقْدَمُ مِنْ سَفَرٍ اِلَّا نَهَارًا فِى الضُّحٰى فَاِذَا قَدِمَ بَدَءَ بِالْمَسْجِدِ فَصَلّٰى فِيْهِ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ جَلَسَ فِيْهِ. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت کعب بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا دستور تھا کہ سفر سے واپسی میں آپ دن ہی میں چاشت کے وقت مدینہ میں تشریف لاتے اور پہلے مسجد میں رونق افروز ہوتے تھے اور وہاں دو رکعت نماز پڑھنے کے بعد وہیں (کچھ دیر تک) تشریف رکھتے تھے۔

[تشریح] دوسری بعض حدیثوں میں یہ تفصیل آئی ہے کہ آپ سفر سے واپسی میں آخری منزل عموماً مدینہ طیبہ کے قریب ہی فرماتے تھے، جس کی وجہ سے مدینہ طیبہ میں یہ اطلاع ہو جاتی تھی کہ آپ فلاں مقام پر ٹھہر گئے ہیں اور کل صبح تشریف لانے والے ہیں، پھر علی الصبح آپ اس منزل سے روانہ ہو کر کچھ دن چڑھے یعنی چاشت کے وقت مدینہ طیبہ میں رونق افروز ہوتے تھے اور سب سے پہلے سیدھے اپنی مسجد مبارک میں تشریف لاتے تھے، گویا گھر والوں کی ملاقات سے بھی پہلے بارگاہ خداوندی میں حاضر ہو کر اس کے حضور میں یہ ہدیہ عبودیت پیش کرتے تھے، پھر اس کے بعد بھی کچھ دیر تک مسجد ہی میں تشریف رکھتے تھے اور مشتاقان زیارت وہیں آ کر آپ سے ملاقات کی سعادت حاصل کرتے تھے۔ یہ تھا مسجد کے تعلق کے بارہ میں آنحضرت ﷺ کا اسوۂ حسنہ۔ اللہ تعالیٰ ہم امتیوں کو اس کی روح کو سمجھنے اور اس کی پیروی کرنے کی توفیق دے۔

مسجد سے تعلق ایمان کی نشانی

۶۰) **عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا رَاَیْتُمُ الرَّجُلَ یَتَعَاهَدُ الْمَسْجِدَ فَاشْهَدُوْا لَهٗ بِالْاِیْمَانِ فَاِنَّ اللّٰهَ یَقُوْلُ اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ۔**

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ مسجد سے تعلق رکھتا ہے اور اس کی خدمت اور نگہداشت کرتا ہے تو اس کے لیے ایمان کی شہادت دو، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ کی مسجدوں کو آباد وہی لوگ کرتے ہیں جو ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور یوم آخرت پر۔

مطلب یہ ہے کہ مسجد اللہ تعالیٰ کی عبادت کا مرکز اور دین مقدس کا شعار و نشان ہے اس لیے اس کے ساتھ مخلصانہ تعلق اور اس کی خدمت و نگہداشت اور اس بات کی فکر و سعی کہ وہ اللہ کے ذکر و عبادت سے معمور اور آباد رہے یہ سب سچے ایمان کی نشانی اور دلیل ہے۔

[illegible]

۶۱) **عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِبِنَاءِ الْمَسْجِدِ فِی الدُّوْرِ وَاَنْ یُّنَظَّفَ وَیُطَیَّبَ۔**

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا محلوں میں مسجدیں بنانے کا اور یہ بھی حکم دیا کہ ان کی صفائی کا اور خوشبو کے استعمال کا اہتمام کیا جائے۔

مطلب یہ ہے کہ جو محلے اور آبادیاں دور دور ہوں (جیسا کہ مدینہ کے قرب و جوار کی بستیوں کا حال تھا) تو ضرورت کے مطابق وہاں مسجدیں بنائی جائیں اور ہر قسم کے کوڑے کرکٹ سے ان کی صفائی کا اور ان میں خوشبو کے استعمال کا انتظام کیا جائے، مسجدوں کی دینی عظمت اور اللہ تعالیٰ سے ان کی نسبت کا یہ بھی خاص حق ہے۔

مسجد بنانے کا اجر

۶۲) **عَنْ عُثْمَانَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ بَنٰی لِلّٰهِ مَسْجِدًا بَنَی اللّٰهُ لَهٗ بَیْتًا فِی الْجَنَّةِ۔**

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو کوئی اللہ کے لیے (یعنی صرف اس کی خوشنودی اور اس کا ثواب حاصل کرنے کی نیت سے) مسجد تعمیر کرائے تو اللہ تعالیٰ

اس کے لیے جنت میں ایک شاندار محل تعمیر فرمائیں گے۔ ❶

تشریح — حدیث و قرآن کے بہت سے ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ آخرت میں ہر عمل کا صلہ اس کے مناسب عطا ہوگا۔ اس بنیاد پر مسجد بنانے والے کے لیے جنت میں ایک شاندار محل عطا ہونا یقیناً قرین حکمت ہے۔

مسجدوں کی ظاہری شان و شوکت اور ٹیپ ٹاپ پسندیدہ نہیں

(۶۳) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا أُمِرْتُ بِتَشْيِيْدِ الْمَسَاجِدِ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَتُزَخْرِفُنَّهَا كَمَا زَخْرَفَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى۔ (رواه ابو داؤد)

ترجمہ — حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے خدا کی طرف سے حکم نہیں دیا گیا ہے مسجدوں کو بلند اور شاندار بنانے کا (یہ حدیث بیان فرمانے کے بعد حدیث کے راوی عبداللہ بن عباس نے بطور پیشین گوئی) فرمایا کہ یقیناً تم لوگ اپنی مسجدوں کی آرائش و زیبائش اسی طرح کرنے لگو گے جس طرح یہود و نصاریٰ نے اپنی عبادت گاہوں میں کی ہے۔

تشریح — رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد "ما امرت بتشييد المساجد" کا منشاء اور اس کی روح یہ ہے کہ مسجدوں میں ظاہری شان و شوکت اور ٹیپ ٹاپ مطلوب اور محمود نہیں ہے بلکہ ان کے لیے سادگی ہی مناسب اور پسندیدہ ہے۔ آگے حضرت عبداللہ بن عباس نے مسجدوں سے متعلق امت کی بے راہ روی کے بارہ میں جو پیشین گوئی فرمائی ظاہر یہی ہے کہ وہ بات بھی انہوں نے کسی موقع پر رسول اللہ ﷺ ہی سے سنی ہوگی۔ سنن ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ ابن عباس ہی کی روایت سے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے۔

أَرَاكُمْ سَتُشَرِّفُوْنَ مَسَاجِدَكُمْ بَعْدِيْ كَمَا شَرَّفَتِ الْيَهُوْدُ كَنَائِسَهُمْ وَكَمَا شَرَّفَتِ النَّصَارٰى بِيَعَهَا.

میں دیکھ رہا ہوں کہ تم لوگ بھی ایک وقت (جب میں تم میں نہ ہوں گا) اپنی مسجدوں کو اسی طرح شاندار بناؤ گے جس طرح یہود نے اپنے کنیسے بنائے ہیں اور نصاریٰ نے اپنے گرجے۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس نے (جو رسول اللہ ﷺ کے بعد قریباً ساٹھ سال تک اس دنیا میں رہے) مسلمانوں کے مزاج اور طرز زندگی میں تبدیلی کا رخ اور اس کی رفتار دیکھ کر یہ پیشین گوئی فرمائی ہو۔ بہر حال پیشین گوئی کی بنیاد جو بھی ہو حرف بحرف پوری ہوئی، خود ہم نے اپنی آنکھوں سے ہندوستان ہی کے بعض علاقوں میں ایسی مسجدیں دیکھی ہیں جن کی آرائش و زیبائش کے مقابلے میں ہمارا خیال ہے کہ کوئی کنیسہ اور کوئی گرجہ پیش نہیں کیا جا سکتا۔

---

❶ ہمارے نزدیک حدیث کے لفظ "[illegible]" کی تنوین تعظیم کے افادہ کے لئے ہے اسی بنا پر ہم نے اس لفظ کا ترجمہ "شاندار" کیا ہے۔ واللہ اعلم

مسجدوں میں دنیا کی بات نہ کی جائے

(۶۸) **عَنِ الْحَسَنِ مُرْسَلًا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَأْتِيْ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ يَكُوْنُ حَدِيْثُهُمْ فِيْ مَسَاجِدِهِمْ فِيْ أَمْرِ دُنْيَاهُمْ فَلَا تُجَالِسُوْهُمْ فَلَيْسَ لِلّٰهِ فِيْهِمْ حَاجَةٌ** (رواه البيهقي في شعب الإيمان)

ترجمہ: حضرت حسن بصری سے مرسلاً روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ مسجدوں میں لوگوں کی بات چیت اپنے دنیوی معاملات میں ہوا کرے گی، تمہیں چاہیے کہ ان لوگوں کے پاس بھی نہ بیٹھو، اللہ کو ان لوگوں سے کوئی سروکار نہیں۔ (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح: مسجد چونکہ خانۂ خدا ہے اس لیے اس کے ادب کا یہ بھی تقاضا ہے کہ اس میں ایسی باتیں نہ کی جائیں جن کا اللہ کی رضا طلبی سے اور دین سے کوئی تعلق نہ ہو۔ ہاں مسلمانوں کے اجتماعی اور ملی مسائل کے بارے میں خواہ ان کا تعلق مسلمانوں کی زندگی کے کسی شعبہ سے ہو، مسجدوں میں مشورے کیے جا سکتے ہیں اور ان مقصد کے کاموں کے لیے مسجدوں کو استعمال کیا جا سکتا ہے لیکن اس میں بھی مسجدوں کے عام آداب کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، یہ بھی شرط ہوگی کہ یہ جو کچھ ہو اللہ کی ہدایت کے تحت ہو اس سے آزاد ہو کر نہ ہو۔

ف: اس حدیث کے راوی حضرت حسن بصری تابعی ہیں، ظاہر ہے کہ ان کو یہ حدیث کسی صحابی کے واسطے سے پہنچی ہوگی، لیکن انہوں نے ان صحابی کا حوالہ نہیں دیا۔ ایسی حدیث کو جسے کوئی تابعی صحابی کا حوالہ دیے بغیر روایت کرے محدثین کی اصطلاح میں "مرسل" کہا جاتا ہے، یہ روایت بھی اسی قسم کی ہے۔

مسجد میں نماز کے لیے عورتوں کا آنا

(۶۹) **عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا اسْتَأْذَنَكُمْ نِسَاؤُكُمْ بِاللَّيْلِ فَأْذَنُوْا لَهُنَّ.** (رواه البخاري ومسلم)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تمہاری بیویاں رات کو مسجد جانے کیلئے تم سے اجازت مانگیں تو ان کو اجازت دے دیا کرو۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۷۰) **عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تَمْنَعُوْا نِسَاءَكُمُ الْمَسَاجِدَ وَبُيُوْتُهُنَّ خَيْرٌ لَهُنَّ.**

(رواه ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنی عورتوں کو مسجدوں میں جانے سے منع نہ کرو، اور ان کے لیے بہتر ان کے گھر ہی ہیں۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح: رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں جبکہ مسجد نبوی میں پانچوں وقت کی نماز ہوتی تھی جسے آپ خود پڑھاتے تھے تو آپ کی طرف سے بار بار اس کی وضاحت کے باوجود کہ عورتوں کے لیے اپنے گھروں ہی میں نماز پڑھنا افضل اور زیادہ ثواب کا باعث ہے، بہت سی نیک بخت عورتوں کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ وہ کم از کم رات کی نمازوں میں (یعنی عشاء اور فجر میں) مسجد میں جا کر حضور ﷺ کے پیچھے نماز پڑھا کریں، لیکن بعض لوگ

ترجمہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ منافقوں پر کوئی نماز بھی فجر و عشاء سے زیادہ بھاری نہیں ہے، اور اگر وہ جانتے کہ ان دونوں میں کیا اجر و ثواب ہے اور کیا برکتیں ہیں تو وہ ان نمازوں میں بھی حاضر ہوا کرتے اگرچہ ان کو گھٹنوں کے بل گھسٹ کر آنا پڑتا (یعنی اگر بالفرض کسی بیماری کی وجہ سے وہ چل کر نہ آسکتے تو گھٹنوں کے بل گھسٹ کے آتے) اس کے بعد آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرے جی میں آتا ہے کہ (کسی دن) میں مؤذن کو حکم دوں کہ وہ جماعت کے لئے اقامت کہے، پھر میں کسی شخص کو حکم دوں کہ (میری جگہ) وہ لوگوں کی امامت کرے اور خود آگ کے شعلے ہاتھ میں لوں اور ان لوگوں پر (یعنی ان کے موجود ہوتے ہوئے ان کے گھروں میں) آگ لگا دوں جو اس کے بعد بھی (یعنی اذان سننے کے بعد بھی) نماز میں شرکت کرنے کے لئے گھروں سے نہیں نکلتے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح ... اللہ اکبر! کتنی سخت وعید ہے اور کیسے جلال اور غصہ کا اظہار ہے رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ان لوگوں کے حق میں جو آپ ﷺ کے زمانے میں جماعت میں غیر حاضر ہوتے تھے۔

اور اسی بارے میں رسول اللہ ﷺ کا اسی طرح کا ایک لرزہ خیز ارشاد حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے سنن ابن ماجہ میں مروی ہے، بلکہ وہ اس سے بھی زیادہ صاف و صریح ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:

لَيَنْتَهِيَنَّ رِجَالٌ عَنْ تَرْكِ الْجَمَاعَةِ أَوْ لَأُحَرِّقَنَّ بُيُوتَهُمْ — (کنز العمال بحوالہ ابن ماجہ)

لوگوں کو چاہئے کہ وہ جماعت ترک کرنے سے باز آئیں ورنہ میں ان کے گھروں میں آگ لگوا دوں گا۔

یہ تارکین جماعت جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے اتنے سخت غصہ کا اظہار فرمایا خواہ عقیدے کے منافق ہوں یا عمل کے منافق (یعنی دینی اعمال میں سستی اور کوتاہی کرنے والے) بہرحال اس وعید اور دھمکی کا تعلق ان کے عمل "ترک جماعت" سے ہے۔ اسی بناء پر بعض ائمہ سلف (جن میں سے ایک امام احمد ابن حنبل بھی ہیں) اس طرف گئے ہیں کہ ہر غیر معذور شخص کے لئے جماعت سے نماز پڑھنا فرض ہے۔ یعنی ان کے نزدیک جس طرح نماز پڑھنا فرض ہے اسی طرح اس کو جماعت سے پڑھنا ایک مستقل فرض ہے اور جماعت کا تارک ایک فرض عین کا تارک ہے۔ لیکن محققین احناف نے جماعت سے متعلق تمام احادیث کو سامنے رکھ کر یہ رائے قائم کی ہے کہ اس کا درجہ واجب کا ہے اور اس کا تارک گنہگار ہے، اور مندرجہ بالا حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ایک طرح کی تہدید اور دھمکی ہے۔ واللہ اعلم

(۷۵) **عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ سَمِعَ الْمُنَادِيَ فَلَمْ يَمْنَعْهُ مِنْ اِتِّبَاعِهِ عُذْرٌ قَالُوْا وَمَا الْعُذْرُ قَالَ خَوْفٌ اَوْ مَرَضٌ لَمْ تُقْبَلْ مِنْهُ الصَّلٰوةُ الَّتِيْ صَلّٰى ۔** (رواہ ابوداؤد والدارقطنی)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص نماز باجماعت کے لئے مؤذن کی پکار سنے اور اس کی تابعداری کرنے سے (یعنی جماعت میں شریک ہونے

سے) کوئی واقعی عذر اس کے لیے مانع نہ ہو (اور اس کے باوجود وہ جماعت میں نہ آئے بلکہ الگ ہی اپنی نماز پڑھ لے) تو اس کی وہ نماز اللہ کے ہاں قبول نہیں ہوگی۔ بعض صحابہؓ نے عرض کیا کہ حضرت (ﷺ) واقعی عذر کیا ہو سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جان ومال کا خوف یا مرض۔

تشریح — اس حدیث میں بھی تارکین جماعت کے لیے سخت وعید اور تہدید ہے۔ بعض ائمہ سلف کا مذہب اسی حدیث کی بنا پر یہ ہے کہ جماعت وضو وغیرہ کی طرح نماز کے شرائط میں سے ہے، اور غیر معذور آدمی کی نماز جماعت کے بغیر سرے سے ہوتی ہی نہیں ہے۔ لیکن جمہور ائمہ کا مذہب یہ نہیں ہے ان کے نزدیک ایسی نماز ہو تو جاتی ہے لیکن بہت ناقص ادا ہوتی ہے، اور اس کا ثواب بھی کم ہو جاتا ہے، اور رضاء الٰہی جو خاص الخاص مقصد اور ثمرہ ہے اس سے محروم رہتی ہے، جمہور کے نزدیک مقبول نہ ہونے کا مطلب یہی ہے۔ اور دوسری ان حدیثوں سے جن میں نماز باجماعت اور نماز بے جماعت کے ثواب کی کمی بیشی بتائی گئی ہے۔ جمہور ہی کے مسلک کی تائید ہوتی ہے۔ تاہم یہ حقیقت ہے کہ بغیر عذر کے ترک جماعت بہت بڑی محرومی اور بدبختی ہے۔

(۷۶) عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَا مِنْ ثَلَاثَةٍ فِي قَرْيَةٍ وَلَا بَدْوٍ لَا تُقَامُ فِيهِمُ الصَّلٰوةُ إِلَّا قَدِ اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَعَلَيْكَ بِالْجَمَاعَةِ فَإِنَّمَا يَأْكُلُ الذِّئْبُ الْقَاصِيَةَ .

(رواہ احمد و ابو داؤد و النسائی)

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کسی بستی میں یا بادیہ[1] میں تین آدمی ہوں اور وہ نماز باجماعت نہ پڑھتے ہوں تو ان پر شیطان ضرور مسلط ہو جائے گا۔ لہٰذا تم جماعت کی پابندی کو اپنے پر لازم کر لو کیونکہ بھیڑیا اسی بھیڑ کو اپنا لقمہ بناتا ہے جو گلے سے الگ دور رہتی ہے۔

تشریح — مطلب یہ ہے کہ اگر کسی جگہ صرف تین آدمی بھی نماز پڑھنے والے ہوں تو ان کو جماعت ہی سے نماز پڑھنا چاہیے، اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو شیطان آسانی سے ان کو شکار کر لے گا۔

نماز باجماعت کی فضیلت اور برکات

(۷۷) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ صَلٰوةُ الْجَمَاعَةِ تَفْضُلُ صَلٰوةَ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَعِشْرِينَ دَرَجَةً ـ

(رواہ البخاری و مسلم)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ باجماعت نماز پڑھنا اکیلے نماز پڑھنے کے مقابلے میں ستائیس درجہ زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔

تشریح — جس طرح ہماری اس مادی دنیا میں چیزوں کے خواص اور اثرات میں درجوں اور نمبروں کا فرق

[1] بادیہ = وہ جنگل جہاں کوئی مستقل بستی نہ ہو بلکہ عارضی طور پر کوئی مقیم ہو گیا ہو۔ ۱۲

ہوتا ہے اور اس کی بناء پر ان چیزوں کی افادیت اور قدر و قیمت میں بھی فرق ہو جاتا ہے، اسی طرح ہمارے اعمال میں بھی درجوں اور نمبروں کا فرق ہوتا ہے، اور اس کا صحیح اور تفصیلی علم بس اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ رسول اللہ ﷺ جب کسی عمل کے متعلق یہ فرماتے ہیں کہ یہ فلاں عمل کے مقابلے میں اتنے درجہ افضل ہے تو وہ اس انکشاف کی بناء پر فرماتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس سلسلہ میں آپ پر کیا جاتا ہے۔ پس رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد کہ نماز باجماعت کی فضیلت اکیلے نماز پڑھنے کے مقابلے میں ۲۷ درجہ زیادہ ہے اور اس کا ثواب ۲۷ گنا زیادہ ملنے والا ہے، وہ حقیقت ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ پر منکشف فرمائی اور آپ نے اہل ایمان کو بتلائی۔ اب صاحب ایمان کا مقام یہ ہے کہ وہ اس پر دل سے یقین کرتے ہوئے ہر وقت کی نماز جماعت ہی سے پڑھنے کا اہتمام کرے۔

اس حدیث سے ضمناً یہ بھی معلوم ہوا کہ اکیلے پڑھنے والے کی نماز بھی بالکل کالعدم نہیں ہے وہ بھی ادا ہو جاتی ہے لیکن ثواب میں ۲۶ درجہ کی رہتی ہے اور یہ بھی یقیناً بہت بڑا خسارہ اور بڑی محرومی ہے۔

۷۸) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ صَلّٰى لِلّٰهِ اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا فِىْ جَمَاعَةٍ يُدْرِكُ التَّكْبِيْرَةَ الْاُوْلٰى كُتِبَ لَهٗ بَرَاءَتَانِ بَرَاءَةٌ مِّنَ النَّارِ وَ بَرَاءَةٌ مِّنَ النِّفَاقِ. (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص چالیس دن تک ہر نماز جماعت کے ساتھ پڑھے اس طرح کہ اس کی تکبیر اولیٰ بھی فوت نہ ہو تو اس کے لئے دو پروانے لکھ دی جاتی ہیں ایک آتش دوزخ سے براءت اور دوسری نفاق سے براءت۔ ([illegible])

تشریح: مطلب یہ ہے کہ کامل ایک چلہ ایسی پابندی اور اہتمام سے جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا کہ تکبیر اولیٰ بھی فوت نہ ہو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسا مقبول و محبوب عمل ہے اور بندہ کے ایمان و اخلاص کی ایسی نشانی ہے کہ اس کے لیے فیصلہ کر دیا جاتا ہے کہ اس کا دل نفاق سے پاک ہے اور یہ ایسا جنتی ہے کہ دوزخ کی آنچ سے بھی وہ آشنا نہ ہوگا۔ اللہ کے بندے صدق دل سے ارادہ اور ہمت کریں تو اللہ تعالیٰ سے توفیق کی امید ہے، کوئی بہت بڑی بات نہیں ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی عمل خیر کی چالیس دن تک پابندی خاص تاثیر رکھتی ہے۔

جماعت کی نیت پر جماعت کا پورا ثواب

۷۹) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ تَوَضَّاَ فَاَحْسَنَ وُضُوْءَهٗ ثُمَّ رَاحَ فَوَجَدَ النَّاسَ قَدْ صَلَّوْا اَعْطَاهُ اللّٰهُ مِثْلَ اَجْرِ مَنْ صَلَّاهَا وَحَضَرَهَا، لَا يَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَيْئًا.

(رواہ ابو داؤد و النسائی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے وضو کیا اور اچھی طرح (یعنی پورے آداب کے ساتھ) وضو کیا پھر وہ (جماعت کے ارادے سے مسجد کی طرف)

گیا اور وہاں پہنچ کر اس نے دیکھا کہ لوگ جماعت سے نماز پڑھ چکے اور جماعت ہو چکی، تو اللہ تعالیٰ اس بندے کو بھی ان لوگوں کے برابر ثواب دے گا جو جماعت میں شریک ہوئے اور جنہوں نے جماعت سے نماز ادا کی، اور یہ چیز ان لوگوں کے اجر و ثواب میں کمی کا باعث نہیں بنے گی۔

مطلب یہ ہے کہ ایک شخص جو جماعت کی پابندی کرتا ہے اور اس کے لئے پورا اہتمام کرتا ہے اس کو اگر کبھی ایسا واقعہ پیش آ جائے کہ وہ اپنی عادت کے مطابق اچھی طرح وضو کر کے جماعت کی نیت سے مسجد جائے اور وہاں جا کر اسے معلوم ہو کہ جماعت ہو چکی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی نیت اور اس کے اہتمام کی وجہ سے اس کو جماعت والی نماز کا پورا ثواب عطا فرمائیں گے، کیونکہ ظاہر ہے کہ اس کی کسی سستی کوتاہی و غفلت ولاپرواہی کی وجہ سے اس کی جماعت فوت نہیں ہوئی ہے، بلکہ وقت کے اندازہ کی غلطی یا کسی ایسی ہی وجہ سے وہ بے چارہ جماعت سے رہ گیا ہے، جس میں اس کا قصور نہیں ہے۔

کن حالات میں مسجد اور جماعت کی پابندی سے رخصت ہے

(٨٠) عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ أَذَّنَ بِالصَّلٰوةِ فِيْ لَيْلَةٍ ذَاتِ بَرْدٍ وَرِيْحٍ ثُمَّ قَالَ أَلَا صَلُّوْا فِي الرِّحَالِ ثُمَّ قَالَ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَأْمُرُ الْمُؤَذِّنَ إِذَا كَانَتْ لَيْلَةٌ ذَاتُ بَرْدٍ وَمَطَرٍ يَقُوْلُ أَلَا صَلُّوْا فِي الرِّحَالِ. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک رات میں جو بہت سردی اور تیز ہوا والی رات تھی، اذان دی، پھر خود ہی اذان کے بعد پکار کے فرمایا: لوگو! اپنے گھروں ہی میں نماز پڑھ لو۔ پھر آپ نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ کا دستور تھا کہ جب سردی اور بارش والی رات ہوتی تو آپ مؤذن کو حکم فرما دیتے کہ وہ یہ بھی اعلان کر دے کہ آپ لوگ اپنے گھروں ہی میں نماز پڑھ لیں۔

اس حدیث میں سردی اور ہوا کا جو ذکر ہے ظاہر ہے کہ اس سے غیر معمولی اور خطرناک قسم کی سردی اور ہوا ہی مراد ہے اور ایسی صورت میں یہی حکم ہے۔ اسی طرح بارش آ رہی ہو کہ مسجد تک جانے میں بھیگ جانے کا اندیشہ ہو یا راستہ میں پانی و کیچڑ یا پھسلن ہو تو بھی یہی حکم ہے یعنی اجازت ہے کہ اپنے گھر ہی پر پڑھ لی جائے ایسی سب صورتوں میں جماعت میں حاضری ضروری نہیں رہتی۔

(٨١) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا وُضِعَ عَشَاءُ أَحَدِكُمْ وَأُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَابْدَءُوْا بِالْعَشَاءِ وَلَا يَعْجَلْ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنْهُ. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے ہی یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کا رات کا کھانا (کھانے کے لئے) سامنے رکھ دیا جائے اور (دوسری طرف مسجد میں) جماعت کھڑی ہو جائے تو پہلے وہ کھانا کھا لے اور جب تک اس سے فراغت نہ ہو جائے جلد بازی سے کام نہ لے۔

تشریح — شارحین نے لکھا ہے اور واقعہ بھی یہی ہے کہ یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ آدمی کو بھوک اور کھانے کا تقاضا ہو اور کھانا سامنے رکھ دیا گیا ہو، ایسی حالت میں اگر آدمی کو حکم دیا جائے گا کہ وہ کھانا چھوڑ کے نماز میں شریک ہو تو اس کا کافی امکان ہے کہ اس کا دل نماز پڑھتے ہوئے بھی کھانے میں لگا رہے، اس لئے ایسی صورت میں شریعت کا حکم اور حکمت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ وہ پہلے کھانے سے فارغ ہو اس کے بعد نماز پڑھے۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی اسی روایت میں حدیث کے راوی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق نقل کیا گیا ہے کہ خود ان کو بھی ایسا اتفاق ہو جاتا تھا کہ ان کے سامنے کھانا رکھ دیا گیا اور مسجد میں جماعت کھڑی ہو گئی، تو ایسی صورت میں آپ کھانا چھوڑ کے نہیں جاتے تھے بلکہ کھانا کھاتے رہتے تھے، حالانکہ (مکان مسجد کے بالکل قریب ہونے کی وجہ سے) امام کی قرأت کی آواز کانوں میں آتی رہتی تھی لیکن آپ کھانے سے فارغ ہو کر ہی نماز پڑھتے تھے۔ اس کے ساتھ یہ بھی ملحوظ رہنا چاہئے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ شریعت و سنت کے بے حد پابند بلکہ عاشق تھے، ان کا یہ طرز عمل خود ان کی روایت کردہ مندرجہ بالا حدیث ہی کی بنا پر تھا۔

۸۲) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّهَا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ لَا صَلٰوةَ بِحَضْرَةِ الطَّعَامِ وَلَا وَهُوَ يُدَافِعُهُ الْاَخْبَثَانِ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے: نماز کا حکم نہیں ہے کھانے کے سامنے ہوتے ہوئے اور نہ ایسی حالت میں جب کہ آدمی کو پاخانے یا پیشاب کا تقاضا ہو۔ (صحیح مسلم)

۸۳) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَرْقَمَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ اِذَا اُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ وَوَجَدَ اَحَدُكُمُ الْخَلَاءَ فَلْيَبْدَأْ بِالْخَلَاءِ. (رواہ الترمذی وروی مالک وابوداؤد والنسائی نحوہ)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے: جب جماعت کھڑی ہو جائے اور تم میں سے کسی کو استنجے کا تقاضا ہو تو اس کو چاہئے کہ پہلے استنجے سے فارغ ہو۔ (جامع ترمذی، نیز یہی حدیث مؤطا امام مالک، سنن ابی داؤد، سنن نسائی میں الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ مروی ہے)

تشریح — ان حدیثوں میں طوفانی ہوا یا بارش یا سخت سردی کے اوقات میں یا کھانے پینے اور پیشاب پاخانے کے تقاضے کی حالت میں جماعت سے غیر حاضری اور اکیلے ہی نماز پڑھنے کی جو اجازت دی گئی ہے یہ اس کی واضح مثال ہے کہ شریعت میں انسانوں کی حقیقی مشقتوں اور مجبوریوں کا کتنا لحاظ کیا گیا ہے۔

مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ (الحج ۲۲: ۷۸)

اللہ نے دین میں تمہارے لئے تنگی اور مشکل نہیں رکھی ہے۔

جماعت میں صف بندی

نماز کے لئے جو اجتماعی نظام "جماعت" کی شکل میں تجویز کیا گیا ہے، اس کے لئے رسول اللہ ﷺ نے یہ طریقہ تعلیم فرمایا ہے کہ لوگ صفیں بنا کر برابر برابر کھڑے ہوں۔ ظاہر ہے کہ نماز جیسی اجتماعی عبادت کے لئے اس سے زیادہ حسین و سنجیدہ اور اس سے بہتر کوئی صورت نہیں ہو سکتی۔ پھر اس کی تکمیل کے لئے آپ نے تاکید فرمائی کہ صفیں بالکل سیدھی ہوں، کوئی شخص ایک انچ نہ آگے ہو اور نہ پیچھے، پہلے اگلی صف پوری کر لی جائے اس کے بعد پیچھے کی صف شروع کی جائے۔ بڑے اور ذمہ دار اور اصحاب علم و فہم اگلی صفوں میں اور امام سے قریب جگہ حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ چھوٹے بچے پیچھے کھڑے ہوں اور اگر خواتین جماعت میں شریک ہوں تو ان کی صف سب سے پیچھے ہو۔ امام سب سے آگے اور صفوں کے درمیان میں کھڑا ہو۔ ظاہر ہے کہ ان سب باتوں کا مقصد جماعت کی تکمیل اور اس کو زیادہ مفید اور موثر بنانا ہے۔ رسول اللہ ﷺ خود بھی ان باتوں کا عملاً اہتمام فرماتے اور وقتاً فوقتاً امت کو بھی ان کی ہدایت و تلقین فرماتے اور ان کا ثواب بیان فرما کر ترغیب دیتے، نیز ان امور میں بے پروائی کرنے والوں کو سخت تنبیہ فرماتے اور اللہ کے عذاب سے ڈراتے تھے۔

ان تمہیدی سطروں کے بعد اس سلسلہ کی مندرجہ ذیل چند حدیثیں پڑھئے!

صفوں کو سیدھا اور برابر رکھنے کی اہمیت اور تاکید

(۸۴) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ سَوُّوْا صُفُوْفَكُمْ فَاِنَّ تَسْوِيَةَ الصُّفُوْفِ مِنْ اِقَامَةِ الصَّلٰوةِ۔ (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: لوگو! نماز میں صفوں کو برابر کیا کرو، کیونکہ صفوں کو سیدھا اور برابر کرنا نماز کو اچھی طرح ادا کرنے کا جزو ہے۔ [illegible]

تشریح: مطلب یہ ہے کہ "اقامت صلوٰۃ" جس کا قرآن مجید میں جا بجا حکم دیا گیا ہے اور جو مسلمانوں کا سب سے اہم فریضہ ہے، اس کی کامل ادائیگی کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ جماعت کی صفیں بالکل سیدھی اور برابر ہوں۔

سنن ابی داؤد وغیرہ میں حضرت انسؓ ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز پڑھانے کے لئے کھڑے ہوتے تو پہلے داہنی جانب رخ کر کے لوگوں سے فرماتے کہ: برابر برابر ہو جاؤ اور صفوں کو سیدھا کرو۔ پھر اسی طرح بائیں جانب رخ کر کے ارشاد فرماتے کہ برابر برابر ہو جاؤ اور صفوں کو سیدھا کرو۔ اس حدیث سے اور اس کے علاوہ بھی بعض دوسری حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ خصوصاً نماز کے لئے کھڑے ہونے کے وقت اکثر و بیشتر یہ تاکید فرماتے تھے۔

(۸۵) عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُسَوِّىْ صُفُوْفَنَا حَتّٰى كَاَنَّمَا يُسَوِّىْ بِهَا

الرِّجَالَ وَصَفَّ خَلْفَهُمُ الْغِلْمَانَ ثُمَّ صَلّٰى بِهِمْ فَذَكَرَ صَلٰوتَهُ ثُمَّ قَالَ هٰكَذَا صَلٰوةُ اُمَّتِىْ .

(رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت ابو مالک اشعری سے روایت ہے کہ انہوں نے لوگوں سے کہا میں تم سے رسول اللہ ﷺ کی نماز نہ بیان کروں؟ پھر بیان کیا کہ آپ نے نماز قائم فرمائی، پہلے آپ نے مردوں کو صف بستہ کیا، ان کے پیچھے بچوں کی صف بنائی، پھر آپ نے ان کو نماز پڑھائی، اس کے بعد فرمایا کہ یہی طریقہ ہے میری امت کی نماز کا۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح: اس سے معلوم ہوا کہ صحیح اور مسنون طریقہ یہ ہے کہ مردوں کی صفیں آگے ہوں، اور چھوٹے بچوں کی صفیں ان کے پیچھے الگ ہوں۔ اور آگے درج ہونے والی بعض حدیثوں سے معلوم ہوگا کہ اگر عورتیں بھی شریک جماعت ہوں تو وہ چھوٹے بچوں سے بھی پیچھے کھڑی ہوں۔

امام کو وسط میں کھڑا ہونا چاہئے

٩١) **عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ تَوَسَّطُوا الْاِمَامَ وَسُدُّوا الْخَلَلَ .** (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ لوگو امام کو اپنے وسط میں لو (یعنی اس طرح صف بناؤ کہ امام تمہارے درمیان میں ہو)، اور صفوں میں جو خلاء ہو اس کو پر کرو۔ (سنن ابی داؤد)

جب ایک یا دو مقتدی ہوں تو کس طرح کھڑے ہوں

٩٢) **عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِيُصَلِّىَ فَجِئْتُ حَتّٰى قُمْتُ عَنْ يَسَارِهِ فَاَخَذَ بِيَدِىْ فَاَدَارَنِىْ حَتّٰى اَقَامَنِىْ عَنْ يَمِيْنِهِ ثُمَّ جَاءَ جَبَّارُ بْنُ صَخْرٍ فَقَامَ عَنْ يَسَارِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَاَخَذَ بِيَدَيْنَا جَمِيْعًا فَدَفَعَنَا حَتّٰى اَقَامَنَا خَلْفَهُ .**

(رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک دفعہ) رسول اللہ ﷺ نماز کے لئے کھڑے ہوئے۔ (یعنی آپ نے نماز شروع فرمائی) اتنے میں میں آ گیا اور (نیت کرکے) آپ کے بائیں جانب کھڑا ہو گیا، آپ نے میرا ہاتھ پکڑا اور اپنے پیچھے کی جانب سے مجھے گھما کے اپنی داہنی جانب کھڑا کر لیا، پھر اتنے میں جبار بن صخر آ گئے، وہ نیت کرکے آپ کی بائیں جانب کھڑے ہو گئے، تو آپ نے ہم دونوں کے ہاتھ پکڑ کے پیچھے کی جانب کر دیا اور پیچھے کھڑا کر لیا۔ (صحیح مسلم)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب امام کے ساتھ صرف ایک مقتدی ہو تو اس کو امام کی داہنی جانب کھڑا ہونا چاہئے، اور اگر وہ غلطی سے بائیں جانب کھڑا ہو جائے تو امام کو چاہئے کہ اس کو داہنی جانب کرلے، اور جب کوئی دوسرا مقتدی آکر شریک ہو جائے تو امام کو آگے ہو اور ان دونوں کو صف بنا کر پیچھے کھڑا ہونا چاہئے۔

صف کے پیچھے اکیلے کھڑے ہونے کی ممانعت

۹۳) عَنْ وَابِصَةَ بْنِ مَعْبَدٍ قَالَ رَأَى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ رَجُلًا يُصَلِّيْ خَلْفَ الصَّفِّ وَحْدَهٗ فَأَمَرَهٗ أَنْ يُعِيْدَ الصَّلٰوةَ. (رواه احمد و الترمذی و ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت وابصہ بن معبد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ صف کے پیچھے اکیلا کھڑا نماز پڑھ رہا ہے تو آپ نے اس کو دوبارہ نماز ادا کرنے کا حکم دیا۔

(مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

تشریح: صف کے پیچھے اکیلے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے میں چونکہ جماعت اور اجتماعیت کی شان بالکل نہیں پائی جاتی، اس لئے شریعت میں یہ اس قدر مکروہ اور ناپسندیدہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کو نماز دوبارہ ادا کرنے کا حکم دیا۔

فائدہ: اگر کوئی شخص ایسے وقت جماعت میں شریک ہو کہ آگے کی صف بالکل بھر چکی ہو اور اس کے ساتھ کھڑا ہونے والا کوئی دوسرا نمازی موجود نہ ہو تو اس کو چاہئے کہ آگے کی صف میں سے کسی جاننے والے کو پیچھے ہٹا کے اپنے ساتھ کھڑا کر لے، بشرطیکہ یہ امید ہو کہ وہ آسانی سے پیچھے ہٹ آئے گا، اور اگر ایسا کوئی آدمی اگلی صف میں نہ ہو تو پھر مجبوراً پیچھے اکیلا ہی کھڑا ہو جائے، اور اس صورت میں عند اللہ یہ شخص معذور ہوگا۔

عورتوں کو مردوں سے حتیٰ کہ بچوں سے بھی الگ پیچھے کھڑا ہونا چاہئے

۹۴) عَنْ أَنَسٍ قَالَ صَلَّيْتُ أَنَا وَيَتِيْمٌ فِيْ بَيْتِنَا خَلْفَ النَّبِيِّ ﷺ وَأُمُّ سُلَيْمٍ خَلْفَنَا۔ (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نماز پڑھی رسول اللہ ﷺ کے پیچھے اپنے گھر میں اور میرے ساتھ (میرے بھائی) یتیم [1] نے بھی (یعنی ہم دونوں صف بنا کر حضور ﷺ کے پیچھے کھڑے ہوئے) اور ہماری والدہ ام سلیم ہم دونوں کے پیچھے کھڑی ہوئیں۔ (صحیح مسلم)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر جماعت میں صرف ایک عورت بھی شریک ہو تو اس کو بھی مردوں اور بچوں سے الگ سب سے پیچھے کھڑا ہونا چاہئے، حتیٰ کہ اگر بالفرض آگے صف میں اس کے بیٹے ہی ہوں تب بھی وہ ان کے ساتھ کھڑی نہ ہو، بلکہ الگ پیچھے کھڑی ہو (صحیح مسلم ہی کی ایک دوسری روایت میں یہ بھی تصریح ہے کہ ام سلیم کو رسول اللہ ﷺ ہی نے پیچھے کھڑا کیا تھا)۔

اوپر کی حدیث سے معلوم ہو چکا ہے کہ صف کے پیچھے اکیلے کھڑے ہو کر نماز پڑھنا کس قدر ناپسندیدہ ہے، لیکن عورتوں کا مردوں بلکہ کمسن لڑکوں کے ساتھ بھی کھڑا ہونا چونکہ شریعت کی نگاہ میں اس سے بھی زیادہ ناپسندیدہ اور خطرناک ہے، اس لئے عورت اگر اکیلی ہو تو اس کو نہ صرف اجازت بلکہ حکم ہے کہ وہ اکیلی ہی صف کے پیچھے کھڑی ہو کر نماز پڑھے۔

[1] یتیم سے مراد حضرت انسؓ کے ایک بھائی ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ لقب تھا۔ ۱۲

امامت

جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے، دین کے تمام اعمال میں سب سے اہم اور مقدم نماز ہے اور دین کے نظام میں اس کا درجہ اور مقام گویا وہی ہے، جو جسم انسانی میں قلب کا ہے۔ اس لئے اس کی امامت بہت بڑا دینی منصب اور بڑی بھاری ذمہ داری، اور رسول اللہ کی ایک طرح کی نیابت ہے۔ اس واسطے ضروری ہے کہ امام ایسے شخص کو بنایا جائے جو موجودہ نمازیوں میں دوسروں کی بہ نسبت اس عظیم منصب کے لئے زیادہ اہل اور موزوں ہو، اور وہ وہی ہو سکتا ہے، جس کو رسول اللہ سے نسبتاً زیادہ قرب و مناسبت حاصل ہو اور آپ کی دینی وراثت سے جس نے زیادہ حصہ لیا ہو، اور چونکہ آپ کی وراثت میں اول اور اعلیٰ درجہ قرآن مجید کا ہے، اس لئے جس شخص نے سچا ایمان نصیب ہونے کے بعد قرآن مجید سے خاص تعلق پیدا کیا، اس کو یاد کیا اور اپنے دل میں اتارا، اس کی دعوت، اس کی تذکیر اور اس کے احکام کو سمجھا، اس کو اپنے اندر جذب اور اپنے اوپر طاری کیا، وہ رسول اللہ کی وراثت کے خاص حصہ داروں میں ہوگا، اور ان لوگوں کے مقابلے میں جو اس سعادت میں اس سے پیچھے ہوں گے آپ کی اس نیابت یعنی امامت کے لئے زیادہ اہل اور زیادہ موزوں ہوگا۔ اور اگر بالفرض سارے نمازی اس لحاظ سے برابر ہوں تو چونکہ قرآن مجید کے بعد سنت کا درجہ ہے اس لئے اس صورت میں ترجیح اس کو دی جائے گی جو سنت و شریعت کے علم میں دوسروں کے مقابلے میں امتیاز رکھتا ہوگا، اور اگر بالفرض اس لحاظ سے بھی سب برابر کے سے ہوں، تو پھر جو کوئی ان میں تقویٰ اور پرہیزگاری اور محاسن اخلاق جیسی دینی صفات کے لحاظ سے ممتاز ہوگا امامت کے لئے وہ لائق ترجیح ہوگا، اور اگر بالفرض اس طرح کی صفات میں بھی یکسانی ہی ہو تو پھر عمر کی بڑائی کے لحاظ سے ترجیح دی جائے گی، کیونکہ عمر کی بڑائی اور بزرگی بھی ایک مسلم فضیلت ہے۔

بہرحال امامت کے لئے یہ اصولی ترتیب عقل سلیم کے بالکل مطابق مقتضائے حکمت ہے، اور یہی رسول اللہ کی تعلیم و ہدایت ہے۔

امامت کی ترتیب

عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَؤُمُّ الْقَوْمَ أَقْرَؤُهُمْ لِكِتَابِ اللَّهِ فَإِنْ كَانُوا فِي الْقِرَاءَةِ سَوَاءً فَأَعْلَمُهُمْ بِالسُّنَّةِ فَإِنْ كَانُوا فِي السُّنَّةِ سَوَاءً فَأَقْدَمُهُمْ هِجْرَةً فَإِنْ كَانُوا فِي الْهِجْرَةِ سَوَاءً فَأَقْدَمُهُمْ سِنًّا وَلَا يَؤُمَّنَّ الرَّجُلُ الرَّجُلَ فِي سُلْطَانِهِ وَلَا يَقْعُدْ فِي بَيْتِهِ عَلَى تَكْرِمَتِهِ إِلَّا بِإِذْنِهِ -

(رواه مسلم)

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا جماعت کی امامت وہ شخص کرے جو ان میں سب سے زیادہ کتاب اللہ کا پڑھنے والا ہو، اور اگر اس میں سب یکساں ہوں تو پھر وہ آدمی امامت کرے جو سنت و شریعت کا زیادہ علم رکھتا ہو، اور اگر اس میں بھی سب برابر ہوں تو وہ جس

ہوتے ہیں۔

یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ امام اللہ تعالیٰ کے حضور میں پوری جماعت کی نمائندگی کرتا ہے، اس لئے خود جماعت کا فرض ہے کہ وہ اس اہم اور مقدس مقصد کے لئے اپنے میں سے بہترین آدمی کو منتخب کرے۔

رسول اللہ ﷺ جب تک اس دنیا میں رونق افروز رہے خود امامت فرماتے رہے اور مرض وفات میں جب معذور ہو گئے تو علم و عمل کے لحاظ سے امت کے افضل ترین فرد حضرت ابو بکر صدیقؓ کو امامت کے لئے نامزد اور مامور فرمایا۔

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کی مندرجہ بالا حدیث میں حق امامت کی جو تفصیلی ترتیب بیان فرمائی گئی ہے اس کا منشاء بھی دراصل یہی ہے کہ جماعت میں جو شخص سب سے بہتر اور افضل ہو اس کو امام بنایا جائے کہ اعلم بکتاب اللہ اور اعلمہم بالسنۃ یہ سب اسی بہتری اور افضلیت فی الدین کی تفصیل ہے۔

افسوس ہے کہ بعد کے دور میں اس اہم ہدایت سے بہت تغافل برتا گیا اور اس کی وجہ سے امت کا پورا نظام درہم برہم ہو گیا۔

امام کی ذمہ داری اور مسئولیت

۹۷) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ اَمَّ قَوْمًا فَلْيَتَّقِ اللّٰهَ وَلْيَعْلَمْ اَنَّهُ ضَامِنٌ مَسْئُوْلٌ لِمَا ضَمِنَ وَاِنْ اَحْسَنَ كَانَ لَهُ مِنَ الْاَجْرِ مِثْلُ اَجْرِ مَنْ صَلّٰى خَلْفَهُ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَنْقُصَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَيْئًا وَمَا كَانَ مِنْ نَقْصٍ فَهُوَ عَلَيْهِ. (رواه الطبراني في الاوسط — كنز العمال)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص کسی جماعت کی امامت کرے اس کو چاہئے کہ خدا سے ڈرے اور یقین رکھے کہ وہ مقتدیوں کی نماز کا بھی ضامن یعنی ذمہ دار ہے اور اس سے اس ذمہ داری کے بارے میں بھی سوال ہوگا، اگر اس نے اچھی نماز پڑھائی تو پیچھے نماز پڑھنے والے سب مقتدیوں کے مجموعی ثواب کے برابر اس کو ثواب ملے گا بغیر اس کے کہ مقتدیوں کے ثواب میں کوئی کمی کی جائے، اور نماز میں جو نقص اور قصور رہا ہوگا اس کا بوجھ تنہا امام پر ہوگا۔

مقتدیوں کی رعایت

۹۸) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا صَلّٰى اَحَدُكُمْ لِلنَّاسِ فَلْيُخَفِّفْ فَاِنَّ فِيْهِمُ السَّقِيْمَ وَالضَّعِيْفَ وَالْكَبِيْرَ وَاِذَا صَلّٰى اَحَدُكُمْ لِنَفْسِهٖ فَلْيُطَوِّلْ مَاشَاءَ (رواه البخاري ومسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی لوگوں کا امام بن کر نماز پڑھائے تو چاہئے کہ ہلکی نماز پڑھائے (یعنی زیادہ طول نہ دے) کیونکہ مقتدیوں میں بیمار،

بھی ہوتے ہیں اور کمزور بھی اور بوڑھے بھی (جن کے لئے طویل نماز باعث زحمت ہو سکتی ہے) اور جب تم میں سے کسی کو بس اپنی نماز اکیلے پڑھنی ہو تو جتنی چاہے لمبی پڑھے۔

تشریح ۔۔۔ بعض صحابہ کرام جو اپنے قبیلہ یا محلہ کی مسجدوں میں نماز پڑھاتے تھے اپنے عبادتی ذوق و شوق میں بہت لمبی نماز پڑھتے تھے جس کی وجہ سے بعض بیمار یا کمزور یا بوڑھے یا تھکے ہارے مقتدیوں کو کبھی کبھی بڑی تکلیف پہنچ جاتی تھی، اس غلطی کی اصلاح کے لئے رسول اللہ ﷺ نے مختلف موقعوں پر اس طرح کی ہدایت فرمائی۔ آپ کا منشاء اس سے یہ تھا کہ امام کو چاہئے کہ وہ اس بات کا لحاظ رکھے کہ مقتدیوں میں بھی کوئی بیمار کمزور یا بوڑھا بھی ہوتا ہے اس لئے نماز زیادہ طویل نہ پڑھے۔ یہ مطلب نہیں کہ ہمیشہ اور ہر وقت کی نماز میں بس چھوٹی سے چھوٹی سورتیں ہی پڑھی جائیں اور رکوع سجدہ میں تین دفعہ سے زیادہ تسبیح بھی نہ پڑھی جائے خود رسول اللہ ﷺ جیسی معتدل نماز پڑھاتے تھے وہی امت کے لئے اس بارے میں اصل معیار اور نمونہ ہے اور اسی کی روشنی میں ان ہدایت کا مطلب سمجھنا چاہئے۔ انشاء اللہ وہ حدیثیں آگے اپنے موقع پر آئیں گی جن سے رسول اللہ ﷺ کی نماز کی تفصیلی کیفیت اور قرات وغیرہ کی مقدار معلوم ہوگی۔

(۹۹) عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِيْ حَازِمٍ قَالَ أَخْبَرَنِيْ أَبُوْ مَسْعُوْدٍ أَنَّ رَجُلًا قَالَ وَاللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنِّيْ لَأَتَأَخَّرُ عَنْ صَلٰوةِ الْغَدَاةِ مِنْ أَجْلِ فُلَانٍ مِمَّا يُطِيْلُ بِنَا فَمَا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فِيْ مَوْعِظَةٍ أَشَدَّ غَضَبًا مِنْهُ يَوْمَئِذٍ ثُمَّ قَالَ إِنَّ مِنْكُمْ مُنَفِّرِيْنَ فَأَيُّكُمْ مَا صَلّٰى بِالنَّاسِ فَلْيَتَجَوَّزْ فَإِنَّ فِيْهِمُ الضَّعِيْفَ وَالْكَبِيْرَ وَذَا الْحَاجَةِ. (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: قیس بن ابی حازم سے روایت ہے کہ مجھ سے ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ! خدا کی قسم فلاں شخص کی وجہ سے میں صبح کی نماز میں شریک نہیں ہوتا (یعنی جماعت چھوڑ کر اپنی نماز الگ پڑھتا ہوں) کیونکہ وہ بہت طویل نماز پڑھاتے ہیں (تو میرے بس کی نہیں) حدیث کے راوی ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ (رسول اللہ ﷺ نے پھر اس بارے میں خطبہ دیا) اور میں نے کبھی آپ کو وعظ اور خطبہ کی حالت میں اس دن سے زیادہ غضبناک نہیں دیکھا پھر اس خطبے میں آپ نے فرمایا کہ تم میں سے بعض وہ لوگ ہیں جو اپنے غلط طرز عمل سے اللہ کے بندوں کو دور بھگانے والے ہیں، جو کوئی تم میں سے لوگوں کا امام بنے اور ان کو نماز پڑھائے تو اس کے لئے لازم ہے کہ مختصر نماز پڑھائے (زیادہ طویل نہ پڑھائے) کیونکہ ان میں ضعیف بھی ہوتے ہیں اور بوڑھے بھی اور حاجت والے بھی۔

تشریح ۔۔۔ جن صحابی کے طویل نماز پڑھانے کی شکایت اس حدیث میں مذکور ہوئی ہے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ہیں۔

اسی قسم کا ایک دوسرا واقعہ صحیح بخاری و صحیح مسلم ہی میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا بھی مروی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ عام طور سے نماز عشاء دیر کر کے پڑھتے تھے، ایک دن حسب معمول نماز دیر سے

۱۰۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تُبَادِرُوا الْإِمَامَ إِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا وَ إِذَا قَالَ وَلَا الضَّالِّيْنَ فَقُوْلُوْا اٰمِيْنَ وَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوْا وَإِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ فَقُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ — (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ لوگو امام پر سبقت نہ کرو (بلکہ اس کی اتباع اور پیروی کرو) جب وہ اللہ اکبر کہے تو تم اللہ اکبر کہو اور جب وہ ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو اور جب وہ رکوع کرے تو تم رکوع کرو جب وہ سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم اللھم ربنا لک الحمد کہو۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ نماز کے تمام ارکان اور اجزاء میں مقتدیوں کو امام کے پیچھے رہنا چاہئے کسی چیز میں بھی اس پر سبقت نہیں کرنی چاہئے۔

مسند بزار میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے ایک حدیث مروی ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ جو شخص امام سے پہلے رکوع یا سجدے سے سر اٹھاتا ہے اس کی پیشانی شیطان کے ہاتھ میں ہے اور وہ اس سے ایسا کراتا ہے اور حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد بھی مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جو شخص امام سے پہلے رکوع یا سجدے سے سر اٹھاتا ہے اس کو ڈرنا چاہئے کہ مبادا اس کا سر گدھے کا سا نہ کر دیا جائے۔

۱۰۳) عَنْ عَلِيٍّ وَ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا أَتٰى أَحَدُكُمُ الصَّلٰوةَ وَالْإِمَامُ عَلٰى حَالٍ فَلْيَصْنَعْ كَمَا يَصْنَعُ الْإِمَامُ — (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت علی اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی نماز کے لئے آئے اور امام کسی حال میں ہو (یعنی قیام یا رکوع یا سجدہ وغیرہ میں ہو) تو آنے والے کو چاہئے کہ جو امام کر رہا ہو وہی کرے۔

۱۰۴) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا جِئْتُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ وَنَحْنُ سُجُوْدٌ فَاسْجُدُوْا وَلَا تَعُدُّوْهُ شَيْئًا وَمَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً فَقَدْ أَدْرَكَ الصَّلٰوةَ — (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم نماز کو آؤ اور ہم سجدے میں ہوں تو تم سجدے میں شریک ہو جاؤ اور اس کو کچھ شمار نہ کرو اور جس نے امام کے ساتھ رکوع پالیا اس نے نماز (یعنی نماز کی وہ رکعت) پالی۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ مقتدی اگر امام کے ساتھ رکوع میں شریک ہو جائے تو رکعت کی شرکت کے قائم مقام ہے۔ اور اگر صرف سجدے میں شرکت ہو سکے تو اگرچہ اللہ تعالیٰ اس سجدے کا بھی پورا ثواب یقیناً

عطا فرمائیں گے لیکن یہ سجدہ رکعت کے قائم مقام نہ ہوگا بلکہ وہ شمار بھی نہ ہوگا۔

نماز کس طرح پڑھی جائے؟

(۱۰۵) **عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَجُلًا دَخَلَ الْمَسْجِدَ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ جَالِسٌ فِىْ نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ فَصَلّٰى ثُمَّ جَاءَ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَقَالَ وَعَلَيْكَ السَّلَامُ اِرْجِعْ فَصَلِّ فَاِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ فَرَجَعَ فَصَلّٰى ثُمَّ جَاءَ فَسَلَّمَ فَقَالَ وَعَلَيْكَ السَّلَامُ اِرْجِعْ فَصَلِّ فَاِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ فَقَالَ فِى الثَّالِثَةِ اَوْفِى الَّتِىْ بَعْدَهَا عَلِّمْنِىْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ اِذَا قُمْتَ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاَسْبِغِ الْوُضُوْءَ ثُمَّ اسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ فَكَبِّرْ ثُمَّ اقْرَأْ بِمَا تَيَسَّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ثُمَّ ارْكَعْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ رَاكِعًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَسْتَوِىَ قَائِمًا ثُمَّ اسْجُدْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا ثُمَّ اسْجُدْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا (وَفِىْ رِوَايَةٍ ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَسْتَوِىَ قَائِمًا) ثُمَّ افْعَلْ ذٰلِكَ فِىْ صَلٰوتِكَ كُلِّهَا۔**

(رواه البخارى ومسلم)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں ایک جانب تشریف فرما تھے کہ ایک شخص مسجد میں آیا اور اس نے نماز پڑھی اس کے بعد وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلام عرض کیا آپ نے سلام کا جواب دینے کے بعد فرمایا کہ پھر جا کر نماز پڑھو تم نے ٹھیک نماز نہیں پڑھی۔ وہ واپس گیا اور اس نے پھر سے نماز پڑھی اور پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلام عرض کیا۔ آپ نے سلام کا جواب دیتے ہوئے پھر فرمایا کہ تم جاکے پھر نماز پڑھو تم نے ٹھیک نماز نہیں پڑھی۔ اس آدمی نے تیسری دفعہ میں یا اس کے بعد والی دفعہ میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے بتا دیجئے اور سکھا دیجئے کہ میں کس طرح نماز پڑھوں (یعنی مجھے جو پڑھنی آتی ہے وہ تو میں کئی دفعہ پڑھ چکا) آپ نے فرمایا کہ جب تم نماز پڑھنے کا ارادہ کرو تو پہلے خوب اچھی طرح وضو کرو پھر قبلہ کی طرف رخ کر کے پھر تکبیر تحریمہ کہہ کے نماز شروع کرو اس کے بعد (جب قرأت کا موقع آ جائے تو) جو قرآن تمہیں یاد ہو اور تمہیں پڑھنا آسان ہو وہ پڑھو (اسی حدیث کی بعض روایات میں ہے کہ اس موقع پر آپ نے فرمایا کہ سورۂ فاتحہ پڑھو اور اس کے سوا جو چاہو پڑھو) پھر قرأت کے بعد رکوع کرو یہاں تک کہ مطمئن اور ساکن ہو جاؤ رکوع میں پھر رکوع سے اٹھو یہاں تک کہ سیدھے کھڑے ہو جاؤ پھر سجدہ کرو یہاں تک کہ مطمئن اور ساکن ہو جاؤ سجدہ میں پھر اٹھو یہاں تک کہ مطمئن ہو کر بیٹھ جاؤ۔ (اور ایک راوی نے اس آخری خط کشیدہ بیٹھنے کے بجائے کہا ہے (پھر اٹھو یہاں تک کہ سیدھے کھڑے ہو جاؤ) پھر اپنی پوری نماز میں یہی کرو (یعنی ہر رکعت میں رکوع و سجود اور قومہ و جلسہ اور تمام ارکان اچھی طرح اطمینان و سکون سے اور ٹھہر ٹھہر کے ادا کرو)۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) یہ صاحب جن کا واقعہ اس حدیث میں مذکور ہوا ہے مشہور صحابی رفاعہ بن رافع کے بھائی خلاد

بن رافع تھے۔ اور سنن نسائی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے مسجد نبوی ﷺ میں آکر دو رکعت نماز پڑھی تھی۔ بعض شارحین نے لکھا ہے کہ غالباً یہ تحیۃ المسجد کی دو رکعتیں تھیں لیکن انہوں نے ان رکعتوں میں بہت جلد بازی سے کام لیا اور رکوع و سجدہ وغیرہ جس طرح تعدیل و اطمینان کے ساتھ یعنی ٹھہر ٹھہر کے کرنا چاہئے نہیں کیا، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "تم نے نماز ٹھیک نہیں پڑھی" اور دوبارہ پڑھنے کا حکم دیا۔

آپ نے پہلی دفعہ میں صاف صاف ان کو یہ نہیں بتلا دیا کہ تم سے نماز میں یہ غلطی ہوئی ہے اور تم کو نماز اس طرح پڑھنا چاہئے، بلکہ تیسری یا چوتھی دفعہ میں ان کے دریافت کرنے پر بتلایا۔ جاننے والے جانتے ہیں کہ تعلیم و تربیت کے نقطۂ نظر سے یہی بہترین طریقہ ہو سکتا تھا کہ آدمی کو جو سبق اس طرح دیا جائے جس طرح رسول اللہ ﷺ نے ان صاحب کو اس موقع پر دیا، وہ کبھی زندگی بھر نہیں بھولتا اور دوسرے لوگوں میں بھی اس کا بڑا چرچا ہوتا ہے۔

آپ نے اس موقع پر نماز کے متعلق تمام ضروری باتیں نہیں بتلائیں۔ مثلاً یہ نہیں بتلایا کہ رکوع میں قومہ میں سجدہ میں کیا پڑھنا چاہئے، یہاں تک کہ قعدۂ اخیرہ اور تشہد اور سلام کا بھی ذکر نہیں فرمایا۔ ایسا آپ نے اسلئے کیا کہ ان سب باتوں سے وہ صاحب واقف تھے۔ ان کی خاص غلطی جس کی اصلاح ضروری تھی یہ تھی کہ وہ رکوع سجدہ وغیرہ تعدیل کے ساتھ یعنی ٹھہر ٹھہر کے ادا نہیں کرتے تھے اس لئے رسول اللہ ﷺ نے ان کی اسی غلطی کی خصوصیت کے ساتھ نشاندہی فرمائی اور اسی کی اصلاح فرمائی۔

حدیث کے آخری جملہ کے بارے میں راویوں کے بیان میں تھوڑا سا اختلاف ہے۔ بعض راویوں کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دوسرے سجدے سے اٹھنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا تھا "ثم ارفع حتى تطمئن جالسا" (پھر تم اٹھو یہاں تک کہ مطمئن ہو کر بیٹھ جاؤ)۔ اور بعض دوسرے راویوں کا بیان ہے کہ آپ نے فرمایا تھا "ثم ارفع حتى تستوي قائما" (پھر تم اٹھو یہاں تک کہ سیدھے کھڑے ہو جاؤ)۔ یہ دونوں روایتیں امام بخاری نے بھی اپنی صحیح میں ذکر فرمائی ہیں۔ جن ائمہ حدیث کی تحقیق یہ ہے کہ پہلی اور تیسری رکعت میں بھی دوسرے سجدے کے بعد کھڑے ہونے سے پہلے ذرا بیٹھ جانا چاہئے (جس کو جلسۂ استراحت کہا جاتا ہے) ان کے نزدیک پہلی روایت راجح ہے۔ اور دوسرے حضرات دوسری روایت کو قابل ترجیح سمجھتے ہیں۔

اس حدیث کی خاص ہدایت یہی ہے کہ پوری نماز ٹھہر ٹھہر کے اور اطمینان سے پڑھی جائے اور اگر کسی نے بہت جلدی جلدی اس طرح نماز پڑھی کہ اس کے ارکان پوری طرح ادا نہ ہوسکے مثلاً رکوع و سجدہ میں بس جانا آنا ہوا اور جتنا توقف ضروری ہے وہ بھی نہیں ہوا تو ایسی نماز نا قابل اعتبار اور واجب الاعادہ ہوگی۔

رسول اللہ ﷺ کس طرح نماز پڑھتے تھے

(۱۰۶) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَسْتَفْتِحُ الصَّلٰوةَ بِالتَّكْبِيْرِ وَالْقِرَاءَةِ بِالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ

لئے نماز میں اس طرح بیٹھنے سے بھی رسول اللہ ﷺ نے خصوصیت کے ساتھ منع فرمایا ہے۔

واضح رہے کہ یہ ممانعت صرف اس صورت میں ہے جبکہ بغیر کسی مجبوری کے آدمی ایسا کرے۔ اگر بالفرض کسی کو کوئی خاص مجبوری ہو تو وہ معذور ہے اور اس کے حق میں بلا کراہت جائز ہے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق مروی ہے کہ ان کے پاؤں میں کچھ تکلیف رہتی تھی جس کی وجہ سے وہ بطریق مسنون قعدہ نہیں کر سکتے تھے اسلئے کبھی کبھی اس طرح بھی بیٹھ جاتے تھے۔

اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے صحیح مسلم وغیرہ میں جو مروی ہے کہ انہوں نے اس طرح بیٹھنے کو "سنۃ نبیکم" فرمایا تو اس کا مطلب بھی بظاہر یہی ہے رسول اللہ ﷺ بھی کسی معذوری کی وجہ سے اس طرح بھی بیٹھے ہیں۔ واللہ اعلم۔ بہر حال اگر کوئی معذور ہو تو وہ اس طرح بھی بیٹھ سکتا ہے ورنہ عام حالات میں اور بلا عذر نماز میں اس طرح بیٹھنے کی ممانعت ہے۔

۱۰۷) **عَنْ أَبِي حُمَيْدٍ السَّاعِدِيِّ قَالَ فِي نَفَرٍ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ أَنَا أَحْفَظُكُمْ لِصَلَاةِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ رَأَيْتُهُ إِذَا كَبَّرَ جَعَلَ يَدَيْهِ حِذَاءَ مَنْكِبَيْهِ وَإِذَا رَكَعَ أَمْكَنَ يَدَيْهِ مِنْ رُكْبَتَيْهِ ثُمَّ هَصَرَ ظَهْرَهُ فَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ اسْتَوَى حَتَّى يَعُودَ كُلُّ فَقَارٍ مَكَانَهُ فَإِذَا سَجَدَ وَضَعَ يَدَيْهِ غَيْرَ مُفْتَرِشٍ وَلَا قَابِضِهِمَا وَاسْتَقْبَلَ بِأَطْرَافِ رِجْلَيْهِ الْقِبْلَةَ فَإِذَا جَلَسَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ جَلَسَ عَلَى رِجْلِهِ الْيُسْرَى وَنَصَبَ الْيُمْنَى فَإِذَا جَلَسَ فِي الرَّكْعَةِ الْآخِرَةِ قَدَّمَ رِجْلَهُ الْيُسْرَى وَنَصَبَ الْأُخْرَى وَقَعَدَ عَلَى مَقْعَدَتِهِ ــ** (رواه البخاری)

(ترجمہ) حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے صحابہ کرام کی ایک جماعت کے سامنے فرمایا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کی نماز یعنی اس کی تفصیلات آپ سب لوگوں سے زیادہ یاد ہیں (اس کے بعد فرمایا کہ) میں نے آپ کو دیکھا ہے کہ نماز شروع کرتے ہوئے جب آپ تکبیر کہتے تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر مونڈھوں تک لے جاتے اور جب رکوع میں جاتے تو اپنے دونوں ہاتھوں سے گھٹنوں کو مضبوطی سے پکڑ لیتے پھر اپنی کمر کو پوری طرح موڑ دیتے (اور بالکل سیدھی برابر کر دیتے) پھر جب رکوع سے سر مبارک اٹھاتے تو بالکل سیدھے اس طرح کھڑے ہو جاتے کہ ریڑھ کی ہڈی کا ہر منکا (یعنی ہر جوڑ) ٹھیک اپنی جگہ پر آ جاتا (جہاں سیدھے کھڑے ہونے کی حالت میں وہ رہتا ہے) پھر جب آپ سجدہ میں جاتے تو اپنے دونوں ہاتھ زمین پر اس طرح رکھ دیتے کہ نہ تو ان کو زمین پر بچھا دیتے اور نہ ان کو سکیڑ لیتے (مطلب یہ ہے کہ آپ سجدہ کی حالت میں دونوں ہاتھوں کو سمیٹ نہیں لیتے تھے بلکہ آگے بڑھا کر اپنے چہرے کے مقابلے میں رکھ لیتے تھے اور بچھاتے بھی نہیں تھے، کہنیاں زمین سے الگ اور اٹھی رہتی تھیں) اور پیروں کی انگلیوں کا رخ سجدہ میں قبلہ کی جانب ہوتا تھا۔ پھر جب دو رکعت پڑھ کے آپ (التحیات کے لئے) بیٹھتے تو داہنے پاؤں کو کھڑا کر لیتے اور بائیں پاؤں پر بیٹھ جاتے۔ پھر جب آخری رکعت پڑھ کے آپ قعدہ اخیرہ کرتے تو اس طرح بیٹھتے کہ داہنے پاؤں کو کھڑا کر لیتے اور بائیں پاؤں کو (اس کے نیچے سے)

رکوع اور قومہ وغیرہ کی جو دعائیں ذکر کی گئی ہیں یہ روز مرہ کی فرض نمازوں میں رسول اللہ ﷺ کا عام اور دائمی معمول نہیں تھا، غالباً آپ کبھی کبھی ایسا بھی کرتے تھے اور یہ بھی ممکن ہے بلکہ اغلب ہے کہ آپ تہجد کی نماز اس طرح پڑھتے ہوں۔ امام مسلم نے اس حدیث کو تہجد ہی کی احادیث کے سلسلہ میں روایت کیا ہے۔

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کی جو دعائیں منقول ہوئی ہیں ان سے کچھ سمجھا جا سکتا ہے کہ نماز کی حالت میں حضورؐ کے قلب مبارک کی کیفیت کیا ہوتی تھی اور آپ نماز کس ذوق سے ادا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ اس کا کوئی ذرہ ہم کو نصیب فرمائے۔

نماز میں اور خاص کر تہجد میں رسول اللہ ﷺ سے اور بھی بہت سی دعاؤں کا پڑھنا ثابت ہے، جو انشاء اللہ آئندہ اپنے موقع پر ذکر کی جائیں گی۔ ان سب دعاؤں میں ایک خاص روح ہے، اگر اس کا اطمینان ہو کہ مقتدیوں کو تکلیف اور گرانی نہ ہوگی تو فرض نمازوں میں بھی امام ان دعاؤں میں سے پڑھ سکتا ہے، اور نوافل میں تو اس وسعت کی گنجائش ہے جس قدر جی چاہے — وفی ذلک فلیتنافس المتنافسون۔

نماز میں قراءت قرآن

قیام اور رکوع و سجود کی طرح قرآن مجید کی قراءت بھی نماز کا ایک لازمی جزو اور بنیادی رکن ہے اور اس کا محل و موقع قیام ہے۔ جیسا کہ معلوم اور معروف ہے قراءت کی ترتیب یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ کہنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا، تسبیح و تقدیس اور اپنی عبودیت کے اظہار پر مشتمل کوئی دعا اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کی جاتی ہے (اس موقع کی تین چار دعائیں سبحانک اللّٰھم وغیرہ مختصر سے پہلے مذکور ہو چکی ہیں) اس کے بعد قرآن مجید کی سب سے جامع سورہ جو گویا اس کا افتتاحیہ بھی ہے یعنی سورۂ فاتحہ پڑھی جاتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی حمد کے ساتھ اس کی صفات کا بیان بھی ہے اور مؤثر بیان بھی ہے، اس کے ساتھ ساتھ اس کی توحید کا اثبات و اقرار بھی ہے۔ صراط مستقیم یعنی دین حق اور شریعت الٰہیہ کے لیے اپنی ضرورت مندی اور محتاجی کی بنا پر اس کی ہدایت کے لیے عاجزانہ اور فقیرانہ سوال اور دعا بھی ہے۔

بہرحال سب سے پہلے یہ سورہ پڑھی جاتی ہے اور اپنی جامعیت اور خاص عظمت و اہمیت کی وجہ سے یہ متعین صورت اس درجہ میں لازمی اور ضروری ہے کہ اس کے بغیر گویا نماز ہی نہیں ہوتی۔ اس کے بعد نمازی کو اجازت بلکہ حکم ہے کہ وہ قرآن مجید کی کوئی بھی سورت یا کسی سورۃ کا کوئی بھی حصہ پڑھے۔ قرآن مجید کا جو حصہ بھی وہ پڑھے گا اس میں اس کے لیے ہدایت کا کوئی نہ کوئی پیغام ضرور ہوگا، یا تو اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی صفات کاملہ کا بیان ہوگا یا یوم آخرت اور جنت و دوزخ اور نیک کرداری و بدکرداری کی جزاء و سزا کا ذکر ہوگا یا عملی زندگی سے متعلق کوئی فرمان ہوگا یا کسی سبق آموز اور عبرت انگیز واقعہ کا تذکرہ ہوگا۔ الغرض پڑھنے والے کے لیے کوئی نہ کوئی رہنمائی اس میں ضرور ہوگی، یہ گویا اس کی دعاء ہدایت (اھدنا الصراط المستقیم) کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے نقد جواب ہوگا جو اسی کی زبان پر جاری ہوگا۔ پھر دوسری رکعت میں بھی اسی طرح سورۂ فاتحہ اور اس کے بعد کوئی اور سورۃ یا کسی سورۃ سے کچھ آیتیں پڑھی جائیں گی، اور اگر نماز تین یا

چار رکعت والی ہو تو تیسری اور چوتھی رکعت میں بھی سورۂ فاتحہ تو ضرور پڑھی جائے گی، لیکن اس کے ساتھ کچھ اور پڑھنا ضروری نہیں ہے۔

اس تمہید کے بعد مندرجہ ذیل حدیثیں پڑھئے جن میں سے بعض تو نماز کے اندر قرأت سے متعلق رسول اللہ ﷺ کے ارشادات ہیں، اور زیادہ تر وہ ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ قرأة في الصلوة کے بارے میں آپ کا طرزِ عمل کیا تھا اور کس نماز میں آپ کتنی قرأت کرتے تھے اور کون کون سی سورتیں زیادہ تر پڑھتے تھے۔

(۱۱۱) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَا صَلٰوةَ اِلَّا بِقِرَاءَةٍ ، قَالَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ فَمَا اَعْلَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَعْلَنَّاهُ وَمَا اَخْفَاهُ اَخْفَيْنَاهُ لَكُمْ ـ (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قرآن کی قرأت کے بغیر نماز ہوتی ہی نہیں۔ آگے حضرت ابوہریرہ اپنی طرف سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جن نمازوں میں قرأت بالجہر فرماتے تھے ان میں ہم بھی جہر کرتے ہیں اور دوسروں کو سنا کے پڑھتے ہیں، اور جہاں آپ آہستہ خاموشی سے پڑھتے تھے وہاں ہم بھی ایسا ہی کرتے ہیں، اور قوم کو سنا کے نہیں پڑھتے۔

تشریح: اس حدیث میں نماز کے لئے قرآن کی کسی خاص سورۃ کا نہیں بلکہ مطلق قرأت قرآن کا رکن ہونا بیان فرمایا گیا ہے۔ آگے حدیث کے راوی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ یہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جن نمازوں اور جن رکعتوں میں بالجہر قرأت فرماتے تھے ان میں ہم بھی بالجہر قرأت کرتے ہیں اور جہاں آپ خاموشی سے پڑھتے تھے وہاں ہم بھی خاموشی سے پڑھتے ہیں۔

(۱۱۲) عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَءْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ ـ

(رواه البخاري و مسلم وفي رواية لمسلم لمن لم يقرء بام القرآن فصاعدا)

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے نماز میں سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی اس کی نماز ہی نہیں ہوئی۔

اور اسی حدیث کی صحیح مسلم کی ایک روایت میں اس طرح ہے کہ ـ جس نے سورۂ فاتحہ اور اس کے آگے کچھ اور نہیں پڑھا تو اس کی نماز ہی نہیں۔

تشریح: اس حدیث سے یہ تفصیل معلوم ہوئی کہ سورۂ فاتحہ تو متعین طور سے نماز کا لازمی جزو ہے، اور اس کے بعد قرآن مجید ہی میں سے کچھ اور بھی پڑھنا ضروری ہے۔ لیکن اس میں پوری وسعت ہے اور اجازت ہے کہ جہاں سے چاہے پڑھے۔

مسئلہ قرأت فاتحہ میں ائمہ مجتہدین کے مذاہب

ائمہ مجتہدین میں سے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور بعض دوسرے حضرات نے اس حدیث سے

اور اسی طرح کی بعض اور احادیث سے یہ سمجھا ہے کہ نمازی خواہ کیسی نماز پڑھ رہا ہو، خواہ امامت کر رہا ہو، خواہ مقتدی ہو اور نماز خواہ جہری ہو یا سری ہر حال میں اس کے لئے سورۂ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے۔

اور حضرت امام مالکؒ، حضرت امام احمد بن حنبلؒ اور ان کے علاوہ دوسرے بھی بہت سے ائمہ نے اس حدیث کے ساتھ اسی مسئلہ سے متعلق دوسری بعض حدیثوں کو بھی سامنے رکھ کر یہ رائے قائم فرمائی ہے کہ اگر نمازی مقتدی ہو اور نماز جہری ہو تو امام کی قرأت مقتدیوں کی طرف سے بھی کافی ہے، لہٰذا اس صورت میں مقتدی کو خود قرأت نہیں کرنی چاہئے۔ اس کے علاوہ باقی تمام صورتوں میں نمازی کو سورۂ فاتحہ لازماً پڑھنا چاہئے۔

امام اعظم حضرت امام ابو حنیفہؒ بھی اسی کے قائل ہیں، بلکہ وہ سری نمازوں میں بھی امام کی قرأت کو مقتدی کی طرف سے کافی سمجھتے ہیں۔ ان حضرات کے اس نقطۂ نظر کی بنیاد جن حدیثوں پر ہے ان میں سے ایک وہ بھی ہے جو آگے ہی نمبر پر درج ہو رہی ہے۔

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِنَّمَا جُعِلَ الْاِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهٖ فَاِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا وَاِذَا قَرَأَ فَاَنْصِتُوْا.

(رواه ابو داؤد والنسائى وابن ماجه)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا امام اس لئے بنایا گیا ہے کہ مقتدی لوگ اس کی اقتداء اور اتباع کریں، لہٰذا جب وہ اللہ اکبر کہے تو تم بھی اللہ اکبر کہو اور جب وہ قرأت کرے تو تم خاموشی سے کان لگا کر سنو۔

تشریح ..... امام کی قرأت کے وقت خاموشی سے سننے کی یہ ہدایت انہی الفاظ میں بعض اور صحابہ کرام نے بھی رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث کے ضمن میں یہ ہدایت انہی الفاظ میں مروی ہے۔ اور ایک شاگرد کے سوال کے جواب میں امام مسلمؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ والی اس حدیث کی بھی تصحیح و توثیق کی ہے اور رسول اللہ ﷺ کی اس ہدایت کا ماخذ قرآن مجید کا یہ واضح فرمان ہے

"وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ o"

(اور جب قرآن پاک کی قرأت ہو تو تم اس کو متوجہ ہو کر سنو اور خاموش رہو، شاید کہ اس کی وجہ سے تم رحمت کے قابل ہو جاؤ)

امام ابو حنیفہؒ جو سری نمازوں میں بھی امام کی قرأت کو مقتدی کے لئے کافی سمجھتے ہیں ان کا خاص استدلال حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے بھی ہے جس کو امام احمد اور امام محمد اور امام دار قطنی وغیرہ نے خود امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی سند سے اپنی مصنفات میں روایت کیا ہے۔ مؤطا امام محمد کی روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

"عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللهِ عَنِ النَّبِىِّ ﷺ اَنَّهٗ قَالَ مَنْ صَلّٰى خَلْفَ الْاِمَامِ فَاِنَّ قِرَاءَةَ الْاِمَامِ

(۱۱۹) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَقْرَأُ فِىْ رَكْعَتَىِ الْفَجْرِ قُوْلُوْآ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَالَّتِىْ فِىْ اٰلِ عِمْرَانَ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ — (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فجر کی دو رکعتوں میں سورۂ بقرہ کی آیت قُل يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ الخ پڑھا کرتے تھے۔ (صحیح مسلم)

(۱۲۰) عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ كُنْتُ اَقُوْدُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ نَاقَتَهُ فِى السَّفَرِ فَقَالَ لِىْ يَا عُقْبَةُ اَلَا اُعَلِّمُكَ خَيْرَ سُوْرَتَيْنِ قُرِئَتَا فَعَلَّمَنِىْ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ وَقُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ قَالَ فَلَمْ يَرَنِىْ سُرِرْتُ بِهِمَا جِدًّا فَلَمَّا نَزَلَ لِصَلٰوةِ الصُّبْحِ صَلّٰى بِهِمَا صَلٰوةَ الصُّبْحِ لِلنَّاسِ فَلَمَّا فَرَغَ اِلْتَفَتَ اِلَىَّ فَقَالَ يَا عُقْبَةُ كَيْفَ رَاَيْتَ. (رواہ احمد و ابو داؤد و النسائی)

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ میں ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی کی مہار پکڑ کر چل رہا تھا، اثناء سفر میں رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: عقبہ! میں تم کو قرآن کی دو بہترین سورتیں نہ تعلیم کروں؟ اس کے بعد آپ ﷺ نے سورہ قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس تعلیم فرمائیں۔ پھر آپ نے محسوس فرمایا کہ ان دونوں سورتوں کی تعلیم سے مجھے بہت زیادہ خوشی نہیں ہوئی، تو جب صبح کی نماز کے لیے آپ اترے تو آپ نے یہی دونوں سورتیں پڑھ کر فجر کی نماز پڑھائی، پھر نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا عقبہ! تم نے کیا دیکھا اور محسوس کیا؟ (مسند احمد، سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

(۱۲۱) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِىُّ ﷺ يَقْرَأُ فِى الْفَجْرِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ بِالٓمّٓ تَنْزِيْلُ فِى الرَّكْعَةِ الْاُوْلٰى وَفِى الثَّانِيَةِ هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ. (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن فجر کی پہلی رکعت میں الٓمّٓ تنزیل (یعنی سورۂ سجدہ) اور دوسری رکعت میں ھل اتی علی الانسان (یعنی سورۂ الدھر) پڑھا کرتے تھے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح: فجر کی نماز میں رسول اللہ ﷺ کی قراءت سے متعلق جو حدیثیں یہاں تک درج کی گئیں اور کتب حدیث میں ان کے علاوہ جو اور روایات اس سلسلہ میں آئی ہیں ان سب کو پیش نظر رکھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی قراءت فجر کی نماز میں بہ نسبت دوسری نمازوں کے اکثر و بیشتر کسی قدر طویل ہوتی تھی۔ لیکن کبھی کبھی (غالباً کسی خاص داعیہ سے) آپ فجر کی نماز میں قل یایھا الکافرون اور قل ھو اللہ احد اور قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس جیسی چھوٹی سورتوں سے پڑھا دیتے تھے۔ اسی طرح ان حدیثوں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ کا عام معمول نماز کی رکعتوں میں مستقل سورتیں پڑھنے کا تھا، لیکن کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ کسی سورت میں سے چند آیات پڑھ دیتے تھے۔ اسی طرح کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ آپ نے دونوں رکعتوں میں ایک ہی سورت کی قراءت فرمائی۔

جمعہ کی فجر میں سورۂ "الٓمّٓ تنزیل السجدہ" اور سورۂ "الدھر" پڑھنے کی حکمت حضرت شاہ ولی اللہ نے

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عتبہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مغرب کی نماز میں سورۂ حم الدخان پڑھی۔ (سنن نسائی)

۱۲۵) عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقْرَأُ فِى الْمَغْرِبِ بِالطُّوْرِ (رواه البخارى ومسلم)

ترجمہ: حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو مغرب کی نماز میں سورۂ طور پڑھتے ہوئے سنا ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

۱۲۶) عَنْ اُمِّ الْفَضْلِ بِنْتِ الْحَارِثِ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقْرَأُ فِى الْمَغْرِبِ بِالْمُرْسَلَاتِ عُرْفًا. (رواه البخارى ومسلم)

ترجمہ: حضرت ام الفضل بنت الحارث رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو مغرب کی نماز میں سورۂ والمرسلات عرفا پڑھتے ہوئے سنا ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

۱۲۷) عَنْ عَائِشَةَ رَضِىَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ اِنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ صَلَّى الْمَغْرِبَ بِسُوْرَةِ الْاَعْرَافِ فَرَّقَهَا فِىْ رَكْعَتَيْنِ. (رواه النسائى)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پوری سورۂ اعراف مغرب کی دو رکعتوں میں تقسیم کر کے پڑھی۔ (سنن نسائی)

تشریح: ان چاروں حدیثوں میں نماز مغرب میں جن سورتوں کی قرأت کا ذکر ہے ان میں سے کوئی بھی ان چھوٹی سورتوں میں سے نہیں ہے جن کو "قصار مفصل" کہا جاتا ہے، بلکہ سب اوساط سورتوں میں سے ہیں جن کو "طوال" کہا جاتا ہے۔ بلکہ حضرت صدیقہؓ والی آخری حدیث میں جس سورۂ اعراف کی قرأت کا ذکر ہے وہ تو پورے سوا سیپارہ کی ہے۔ بہرحال ان چار حدیثوں میں تو نماز مغرب میں رسول اللہ ﷺ کا طویل طویل سورتیں پڑھنا ہی ذکر کیا گیا ہے لیکن آگے درج ہونے والی بعض دوسری روایتوں سے معلوم ہوگا کہ آپ کا آخری معمول مغرب میں چھوٹی سورتیں پڑھنے کا تھا، اس لئے اکثر علمائے کرام کا خیال ہے کہ مندرجہ بالا حدیثوں میں نماز مغرب کے جن واقعات کا ذکر کیا گیا ہے (جن میں آپ نے طویل طویل سورتیں پڑھیں) یہ سب اتفاقی واقعات ہیں، اور آپ کا عمومی اور آخری معمول مغرب میں چھوٹی سی سورتوں کی قرأت کا تھا، جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس مکتوب سے بھی معلوم ہوتا ہے جو آپ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو لکھا تھا، ان شاء اللہ عنقریب ہی حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ مکتوب بھی درج کیا جائے گا۔ واللہ اعلم

نماز عشاء میں رسول اللہ ﷺ کی قرأت

۱۲۸) عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِىَّ ﷺ يَقْرَأُ فِى الْعِشَاءِ وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ، وَمَا سَمِعْتُ اَحَدًا اَحْسَنَ صَوْتًا مِنْهُ ـــ (رواه البخارى ومسلم)

ترجمہ: حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو عشاء کی نماز میں سورۂ والتین والزیتون پڑھتے ہوئے سنا ہے، اور میں نے آپ ﷺ سے زیادہ اچھی آواز والا کسی کو نہیں سنا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح: صحیحین ہی کی بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ جس کا ذکر حضرت براء بن عازب نے اس حدیث میں کیا ہے سفر کا ہے، اور آپ نے اس نماز کی ایک رکعت میں سورۂ والتین پڑھی تھی۔

(۱۲۹) عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ يُصَلِّيْ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ ثُمَّ يَأْتِيْ فَيَؤُمُّ قَوْمَهُ، فَصَلّٰى لَيْلَةً مَعَ النَّبِيِّ ﷺ الْعِشَاءَ ثُمَّ أَتٰى قَوْمَهُ فَأَمَّهُمْ فَافْتَتَحَ بِسُوْرَةِ الْبَقَرَةِ فَانْحَرَفَ رَجُلٌ فَسَلَّمَ ثُمَّ صَلّٰى وَحْدَهُ وَانْصَرَفَ فَقَالُوْا لَهُ أَنَافَقْتَ يَا فُلَانُ؟ قَالَ لَا وَاللّٰهِ وَلَآتِيَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَلَأُخْبِرَنَّهُ فَأَتٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّا أَصْحَابُ نَوَاضِحَ نَعْمَلُ بِالنَّهَارِ وَإِنَّ مُعَاذًا صَلّٰى مَعَكَ الْعِشَاءَ ثُمَّ أَتٰى قَوْمَهُ فَافْتَتَحَ بِسُوْرَةِ الْبَقَرَةِ، فَأَقْبَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلٰى مُعَاذٍ فَقَالَ يَا مُعَاذُ أَفَتَّانٌ أَنْتَ؟ اِقْرَأْ وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا، وَالضُّحٰى، وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشٰى، وَسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰى۔ (رواه البخارى ومسلم)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ معاذ بن جبل کا معمول تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آپ کی مسجد میں نماز پڑھتے پھر آ کر اپنے قبیلہ کی مسجد میں امامت کرتے۔ ایک رات انہوں نے عشاء کی نماز رسول اللہ ﷺ کے ساتھ پڑھی پھر اپنے قبیلہ میں آئے اور ان کی امامت کی، اور (سورۂ فاتحہ کے بعد) سورۂ بقرہ شروع کر دی، ایک شخص نے نماز توڑ کر سلام پھیر دیا اور اس نے تنہا اپنی نماز پڑھی (اور چلا گیا) یہ بات بہت غیر معمولی تھی اور اس دور میں نماز باجماعت کو توڑ دینا منافقوں ہی کا طریقہ تھا، تو اس لئے لوگوں نے اس کو بہت محسوس کیا اور اس شخص سے کہا کہ کیا تم منافق تو نہیں ہو گئے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ خدا کی قسم نہیں! اور میں خود رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ سے سارا واقعہ عرض کروں گا۔ چنانچہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم اونٹوں سے پانی کھینچنے والے لوگ ہیں، دن بھر محنت مشقت کرتے ہیں اور (گذشتہ رات ایسا ہوا کہ) معاذ نے عشاء کی نماز آپ کے ساتھ پڑھنے کے بعد اپنے قبیلہ کی مسجد میں آئے (اور یہاں انہوں نے نماز پڑھانی شروع کی) تو سورۂ بقرہ شروع کر دی۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ سن کر حضرت معاذ کی طرف رخ فرمایا اور ارشاد فرمایا: معاذ! کیا تم لوگوں کو فتنہ میں مبتلا کرنا چاہتے ہو؟ سورۂ والشمس وضحٰھا، سورۂ والضحٰی، سورۂ واللیل اذا یغشٰی اور سبح اسم ربک الاعلیٰ پڑھا کرو۔

تشریح: اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ عشاء کی نماز دو دفعہ پڑھتے تھے، ایک دفعہ مسجد نبوی میں آنحضرت ﷺ کے مقتدی بن کر، اور دوسری دفعہ اپنے قبیلہ کی مسجد میں امام بن کر، تمام جمہور ائمہ و علماء اس پر متفق ہیں کہ ان میں سے ایک دفعہ کی نماز وہ نفل کی نیت سے پڑھتے تھے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا خیال ہے کہ جو نماز وہ مسجد نبوی میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اور آپ کی

"ان کی نماز رسول اللہ ﷺ کی نماز سے بہت زیادہ مشابہ تھی، اور کسی شخص کے پیچھے میں نے ایسی نماز نہیں پڑھی جو بہ نسبت ان کی نماز کے حضور ﷺ کی نماز سے بہت زیادہ مشابہ ہو۔"

بہر حال ان صاحب کا نام نہ تو حضرت ابو ہریرہؓ نے ذکر کیا اور نہ سلیمان بن یسار تابعی نے، مگر شارحین حدیث نے مختلف قیاس اور اندازہ سے ان کو متعین کرنے کی کوشش کی ہے، مگر کوئی بات بھی اس بارے میں قابل اطمینان نہیں ہے، لیکن حدیث کا مضمون بالکل واضح ہے اور نام معلوم نہ ہونے سے اصل مقصد اور مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

سلیمان بن یسار تابعی نے ان صاحب کی نماز کے بارے میں جو تفصیل بیان کی ہے حضرت ابو ہریرہؓ کے مذکورہ بالا ارشاد کی روشنی میں اسی سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ مختلف اوقات کی نماز کی قرأت کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا عام معمول بھی وہی تھا جو ان صاحب کا معمول سلیمان بن یسار نے بیان کیا ہے یعنی ظہر کی نماز میں تطویل، عصر میں تخفیف، مغرب میں قصار مفصل، عشاء میں اوساط مفصل اور فجر میں طوال مفصل۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو جو خط لکھا تھا (جس کا پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے) اس میں بھی مختلف اوقات کی نمازوں کی قرأت کے بارے میں یہی ہدایت کی گئی ہے۔ مصنف عبدالرزاق میں سند کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس خط کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے:-

"كَتَبَ عُمَرُ إِلَى أَبِي مُوسَى أَنِ اقْرَأْ فِي الْمَغْرِبِ بِقِصَارِ الْمُفَصَّلِ وَفِي الْعِشَاءِ بِوَسَطِ الْمُفَصَّلِ وَفِي الصُّبْحِ بِطِوَالِ الْمُفَصَّلِ"۔

(حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابو موسیٰ اشعری کو لکھا تھا کہ مغرب کی نماز میں قصار مفصل، عشاء میں اوساط مفصل اور فجر میں طوال مفصل پڑھا کرو۔)

اور امام ترمذی نے اسی خط کا حوالہ دیتے ہوئے ظہر میں اوساط مفصل پڑھنے کی ہدایت کا بھی ذکر کیا ہے۔ (جامع ترمذی باب ما جاء فی القراءۃ فی الظہر و العصر)

ظاہر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ ہدایت جب ہی فرمائی ہوگی جب کہ رسول اللہ ﷺ کی قولی اور عملی تعلیم سے انہوں نے ایسا ہی سمجھا ہوگا، اسی بناء پر اکثر ائمہ مجتہدین نے مختلف اوقات کی نمازوں میں قرأت کی مقدار کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس خط کو خاص اہمیت دی ہے اور اسی کے مطابق عمل کو اولیٰ اور مستحسن قرار دیا ہے۔

جمعہ اور عیدین کی نمازوں میں رسول اللہ ﷺ کی قرأت

(۱۳۶) **عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي رَافِعٍ قَالَ اسْتَخْلَفَ مَرْوَانُ أَبَا هُرَيْرَةَ عَلَى الْمَدِينَةِ وَخَرَجَ إِلَى مَكَّةَ فَصَلَّى لَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ الْجُمُعَةَ فَقَرَأَ سُورَةَ الْجُمُعَةِ فِي السَّجْدَةِ الْأُولَى وَفِي الْآخِرَةِ إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقْرَأُ بِهِمَا يَوْمَ الْجُمُعَةِ —** (رواہ مسلم)

[illegible]

عن ابی موسی الاشعری قال قال رسول اللہ ﷺ اذا صلیتم فاقیموا صفوفکم ثم لیؤمکم احدکم فاذا کبر فکبروا واذا قال غیر المغضوب علیھم ولا الضالین فقولوا آمین یجبکم اللہ۔

[illegible]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع فرماتے تھے تو (تکبیر تحریمہ کہنے کے ساتھ) دونوں ہاتھ مونڈھوں تک اٹھاتے تھے اور جب رکوع میں جانے کے لئے تکبیر کہتے تھے اور اسی طرح جب رکوع سے اٹھتے تھے تب بھی دونوں ہاتھ اسی طرح اٹھاتے تھے اور کہتے تھے سمع اللہ لمن حمدہ ربنا لک الحمد اور سجدے میں ایسا نہیں کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی اس حدیث میں تکبیر تحریمہ کے علاوہ صرف رکوع میں جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کا ذکر ہے اور اسی کے ساتھ سجدے میں رفع یدین نہ کرنے کی تصریح ہے۔ اور ان ہی کی بعض دوسری روایات میں تیسری رکعت کے لئے اٹھتے وقت بھی رفع یدین کا ذکر ہے، اور یہ روایت بھی صحیح بخاری ہی میں موجود ہے۔

اور مالک بن الحویرثؓ اور وائل بن حجرؓ کی حدیثوں میں (جن کو امام نسائی اور امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے) سجدے کے وقت بھی رفع یدین کا ذکر ہے، جس کی حضرت ابن عمرؓ کی مندرجہ بالا حدیث میں صراحۃً نفی کی گئی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ ان میں سے ہر روایت اور ہر بیان بجائے خود صحیح ہے اور مالک بن الحویرثؓ اور وائل بن حجرؓ کے اس بیان میں کہ رسول اللہ ﷺ سجدے میں جاتے وقت اور اس سے اٹھتے وقت بھی رفع یدین کرتے تھے۔ اور حضرت ابن عمرؓ کے اس بیان میں کہ آپ سجدے میں رفع یدین نہیں کرتے تھے تطبیق اس طرح دی جا سکتی ہے کہ ایسا آپ نے کبھی کبھی کیا جس کو مالک بن الحویرثؓ اور وائل بن حجرؓ نے تو دیکھا اور حضرت ابن عمرؓ نے اتفاق سے نہیں دیکھا اس لئے اپنے علم کے مطابق انہوں نے اس کی نفی کی، اگر یہ آپ کا دائمی یا اکثری عمل ہوتا تو ناممکن تھا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ جیسے صحابی کو اس کی خبر نہ ہوتی۔

۱۳۷) عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ قَالَ لَنَا ابْنُ مَسْعُوْدٍ اَلَا اُصَلِّيْ بِكُمْ صَلٰوةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَصَلّٰى فَلَمْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ اِلَّا فِيْ اَوَّلِ مَرَّةٍ. (رواه الترمذي وابو داؤد والنسائي)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے خاص شاگرد علقمہ سے روایت ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے ایک دفعہ ہم سے کہا کہ میں تمہیں رسول اللہ ﷺ والی نماز پڑھاؤں! یہ کہہ کر انہوں نے ہمیں نماز پڑھائی، اس نماز میں انہوں نے بس پہلی ہی دفعہ (تکبیر تحریمہ کے ساتھ) رفع یدین کیا، اس کے سوا رفع یدین بالکل نہیں کیا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ان ممتاز اور جلیل القدر صحابہ میں سے ہیں جن کو رسول اللہ ﷺ کی ہدایت تھی کہ وہ نماز میں پہلی صف میں رسول اللہ ﷺ کے قریب کھڑے ہوں، انہوں نے اپنے شاگردوں کو دکھانے اور سکھانے کے لئے اہتمام کے ساتھ رسول اللہ ﷺ والی نماز پڑھائی اور اس میں تکبیر تحریمہ کے علاوہ کسی موقع پر بھی رفع یدین نہیں کیا۔

حضرت ابن مسعودؓ کی اس حدیث کی بناء پر یہ ماننا پڑے گا کہ حضرت ابن عمرؓ وغیرہ نے رکوع میں جاتے

ورنہ ظاہر ہے کہ زمین و آسمان کی کوئی چیز بھی اللہ تعالیٰ سے مخفی اور اس کی نظر سے غائب نہیں ہے۔ ان دونوں حدیثوں میں رسول اللہ ﷺ نے تنبیہ فرمائی ہے کہ جو شخص رکوع، سجود کو قاعدے کے مطابق صحیح طور سے ادا نہیں کرے گا، اس کی نماز قبول نہیں ہوگی، یہی ان دونوں حدیثوں کی ہدایت ہے۔

(۱۴۰) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِعْتَدِلُوْا فِي السُّجُوْدِ وَلَا يَبْسُطْ أَحَدُكُمْ ذِرَاعَيْهِ اِنْبِسَاطَ الْكَلْبِ. (رواه البخاري ومسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سجدہ اعتدال کیساتھ کرو، اور کوئی اپنی باہیں سجدے میں اس طرح نہ بچھائے جس طرح کتا زمین پر باہیں بچھا دیتا ہے۔

سجدے میں اعتدال کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ سجدہ طمانیت کے ساتھ کیا جائے، ایسا نہ ہو کہ سر زمین پر رکھا اور فوراً اٹھا لیا۔ اور بعض شارحین نے اعتدال کے حکم کا مطلب یہ بھی سمجھا ہے کہ ہر عضو سجدے میں اس طرح رہے جس طرح کہ اس کو رہنا چاہئے۔ دوسری ہدایت اس حدیث میں یہ فرمائی گئی ہے کہ سجدے میں کلائیوں کو زمین سے اوپر اٹھا رہنا چاہئے۔ اس سلسلہ میں کتے کی مثال آپ نے اس واسطے دی کہ اس کی شناعت اور قباحت اچھی طرح سامعین کے ذہن نشین ہو جائے۔

(۱۴۱) عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا سَجَدْتَ فَضَعْ كَفَّيْكَ وَارْفَعْ مِرْفَقَيْكَ. (رواه مسلم)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم سجدہ کرو تو اپنی ہتھیلیاں زمین پر رکھو اور کہنیاں اوپر اٹھاؤ۔ (صحیح مسلم)

(۱۴۲) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَالِكٍ ابْنِ بُحَيْنَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا سَجَدَ فَرَّجَ بَيْنَ يَدَيْهِ حَتّٰى يَبْدُوَ بَيَاضُ إِبْطَيْهِ. (رواه البخاري ومسلم)

حضرت عبداللہ بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب سجدہ میں جاتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اچھی طرح کھول دیتے تھے، (یعنی پہلوؤں سے الگ رکھتے تھے) یہاں تک کہ بغل کی سفیدی نظر آتی تھی۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۱۴۳) عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ إِذَا سَجَدَ وَضَعَ رُكْبَتَيْهِ قَبْلَ يَدَيْهِ وَإِذَا نَهَضَ رَفَعَ يَدَيْهِ قَبْلَ رُكْبَتَيْهِ ...... (رواه ابو داؤد والترمذي والنسائي وابن ماجه)

حضرت وائل بن حجرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو خود دیکھا ہے کہ جب آپؐ سجدے میں جاتے تھے تو ہاتھوں سے پہلے اپنے گھٹنے زمین پر رکھتے تھے، اور جب آپؐ سجدے سے اٹھتے تھے تو اس کے برعکس اپنے ہاتھ گھٹنوں سے پہلے اٹھاتے تھے۔

۱۴۴) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أُمِرْتُ أَنْ أَسْجُدَ عَلٰى سَبْعَةِ أَعْظُمٍ عَلَى الْجَبْهَةِ وَالْيَدَيْنِ وَالرُّكْبَتَيْنِ وَأَطْرَافِ الْقَدَمَيْنِ وَلَا نَكْفِتَ الثِّيَابَ وَالشَّعْرَ. [illegible]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے حکم ملا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے) کہ میں سات اعضاء پر سجدہ کروں (یعنی سجدہ اس طرح کروں کہ یہ سات عضو زمین پر رکھے ہوں)۔ پیشانی اور دونوں ہاتھ اور دونوں گھٹنے اور دونوں پاؤں کے کنارے۔ اور یہ (بھی حکم ہے) کہ ہم اپنے کپڑوں اور بالوں کو نہ سمیٹیں۔

[illegible] یہ سات اعضاء جن کا حدیث میں ذکر ہے [illegible] کہلاتے ہیں۔ سجدے میں ان کو زمین پر ٹکنا چاہئے۔ بعض آدمی سجدے میں جاتے ہوئے اس کی کوشش کرتے ہیں کہ اپنے کپڑوں اور بالوں کو خاک آلودگی سے بچائیں، یہ بات چونکہ سجدے کی غایت اور روح کے منافی ہے اس لئے اس سے منع فرمایا گیا ہے۔

[illegible]

۱۴۵) عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ لَمَّا نَزَلَتْ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِجْعَلُوْهَا فِيْ رُكُوْعِكُمْ فَلَمَّا نَزَلَتْ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰى قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِجْعَلُوْهَا فِيْ سُجُوْدِكُمْ. [illegible]

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب قرآن مجید کی آیت [illegible] نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس کو اپنے رکوع میں رکھو (یعنی اس حکم کی تعمیل میں سبحان ربی العظیم رکوع میں کہا کرو) پھر جب آیت [illegible] کا نزول ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اس کو اپنے سجدے میں رکھو (یعنی اس کی تعمیل میں [illegible] سجدے میں کہا کرو)۔

۱۴۶) عَنْ حُذَيْفَةَ أَنَّهُ صَلّٰى مَعَ النَّبِيِّ ﷺ وَكَانَ يَقُوْلُ فِيْ رُكُوْعِهٖ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ وَفِيْ سُجُوْدِهٖ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰى. [illegible]

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیان فرماتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی، تو آپ رکوع میں [illegible] اور سجدے میں [illegible] کہتے تھے۔

۱۴۷) عَنْ عَوْنِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا رَكَعَ أَحَدُكُمْ فَقَالَ فِيْ رُكُوْعِهٖ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ فَقَدْ تَمَّ رُكُوْعُهٗ وَذٰلِكَ أَدْنَاهُ وَإِذَا سَجَدَ فَقَالَ فِيْ سُجُوْدِهٖ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰى ثَلٰثَ مَرَّاتٍ فَقَدْ تَمَّ سُجُوْدُهٗ وَذٰلِكَ أَدْنَاهُ.

[illegible]

[illegible]

عن ابی ھریرۃ انه قال قال رسول اللہ ﷺ اذا قال الامام سمع اللہ لمن حمدہ فقولوا اللھم ربنا لك الحمد فانه من وافق قوله قول الملائكة غفر له ما تقدم من ذنبه

[illegible]

کی برکت سے گناہوں کے معاف ہونے کی بشارت سنائی جاتی ہے اس سے مراد عموماً صغیرہ گناہ ہوتے ہیں۔ کبائر کے متعلق قرآنی آیات اور احادیث سے یہی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی معافی اصولی طور پر توبہ سے وابستہ ہے، یوں اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے کہ وہ بڑے سے بڑے گناہ جس کے چاہے محض اپنے کرم سے بخش دے۔

(۱۵۶) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَوْفٰى قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا رَفَعَ ظَهْرَهُ مِنَ الرُّكُوْعِ قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مِلْأُ السَّمٰوٰتِ وَ مِلْأُ الْاَرْضِ وَمِلْأُ مَاشِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب رکوع سے اٹھتے تو فرماتے

سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مِلْأُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمِلْأُ مَاشِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ

اللہ نے سنی اس بندہ کی جس نے اس کی حمد کی اے اللہ ہمارے رب تیرے ہی لئے ساری حمد و ستائش ہے اتنی کہ جس سے زمین آسمان کی ساری وسعتیں بھر جائیں اور زمین و آسمان سے آگے جو سلسلہ وجود تیری مشیت میں ہے اس کی بھی ساری وسعتیں بھر جائیں۔ (صحیح مسلم)

تشریح ..... اور صحیح مسلم ہی میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت سے قومہ میں یہی دعا کچھ اور اضافہ کے ساتھ مروی ہے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سمع اللہ لمن حمدہ کے بعد کبھی صرف اللہم ربنا لک الحمد کہتے تھے اور کبھی اس کے ساتھ وہ اضافہ بھی کرتے تھے جو عبداللہ بن اوفیٰ رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے معلوم ہوا اور کبھی اس پر مزید اضافہ وہ بھی فرماتے تھے جس کی روایت حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے کی ہے اور اسی واسطے کبھی کبھی آپ کا قومہ اتنا طویل ہو جاتا تھا کہ لوگوں کو سہو کا شبہ ہونے لگتا تھا جیسا کہ آگے درج ہونے والی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث سے معلوم ہوگا۔ واللہ اعلم

(۱۵۷) عَنْ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعٍ قَالَ كُنَّا نُصَلِّيْ وَرَاءَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا رَفَعَ رَاْسَهُ مِنَ الرَّكْعَةِ قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقَالَ رَجُلٌ وَرَاءَهُ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيْهِ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ مَنِ الْمُتَكَلِّمُ اٰنِفًا قَالَ اَنَا قَالَ رَاَيْتُ بِضْعَةً وَّ ثَلٰثِيْنَ مَلَكًا يَبْتَدِرُوْنَهَا اَيُّهُمْ يَكْتُبُهَا اَوَّلًا ۔ (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے جب آپ نے رکوع سے سر اٹھایا اور کہا سمع اللہ لمن حمدہ تو آپ کے پیچھے مقتدیوں میں سے ایک شخص نے کہا:

ربنا ولک الحمد حمدا کثیرا طیبا مبارکا فیہ ۔ اے ہمارے رب آپ ہی کے لئے ہی ساری حمد، بہت زیادہ حمد، بہت پاکیزہ اور مبارک حمد۔

جب رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ نے دریافت فرمایا اس وقت یہ کہنے والا کون تھا؟ اس شخص نے کہا کہ میں نے کہا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں نے تیس سے کچھ اوپر فرشتوں کو دیکھا کہ وہ باہم مسابقت کر رہے تھے کہ کون اس کو پہلے لکھے گا۔ (صحیح بخاری)

تشریح ..... حدیث میں اس کلمہ "ربنا ولک الحمد حمداً کثیراً" کے لکھنے کے لئے تیس سے زیادہ فرشتوں کی جس مسابقت کا ذکر ہے اس کا خاص سبب غالباً اس بندہ کے دل کی وہ خاص کیفیت تھی جس کیفیت سے اس نے اللہ کی حمد کا یہ مبارک کلمہ کہا تھا۔ واللہ اعلم

١٥٨) عَنْ حُذَيْفَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ رَبِّ اغْفِرْلِيْ.

(رواہ النسائی والدارمی)

ترجمہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ دونوں سجدوں کے درمیان جلسہ میں کہا کرتے تھے۔ "رب اغفرلی" — "اے اللہ! میری مغفرت فرما"۔ (سنن نسائی، سنن دارمی)

١٥٩) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقُوْلُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ. اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ وَارْحَمْنِيْ وَاهْدِنِيْ وَعَافِنِيْ وَارْزُقْنِيْ. (رواہ ابوداؤد والترمذی)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ دونوں سجدوں کے درمیان یہ دعا کرتے تھے۔ "اے اللہ! میری مغفرت فرما، مجھ پر رحم فرما، مجھے ہدایت کی دولت سے نواز، مجھے معاف فرمادے اور میری روزی کی کفالت فرما"۔ (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی)

١٦٠) عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ قَامَ حَتّٰى نَقُوْلَ قَدْ اَوْهَمَ ثُمَّ يَسْجُدُ وَيَقْعُدُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ حَتّٰى نَقُوْلَ قَدْ اَوْهَمَ. (رواہ مسلم)

ترجمہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (کبھی ایسا ہوتا) کہ رسول اللہ ﷺ جب رکوع سے اٹھ کر سمع اللہ لمن حمدہ کہتے تو (اتنی دیر تک) کھڑے رہتے کہ ہم کو خیال ہوتا کہ شاید آپ کو سہو ہو گیا، پھر سجدہ میں جاتے اور اس سے اٹھنے کے بعد دونوں سجدوں کے درمیان (اتنی دیر) بیٹھتے کہ ہم خیال کرنے لگتے کہ شاید آپ کو سہو ہو گیا۔ (صحیح مسلم)

تشریح ..... حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ کبھی کبھی آپ کا قومہ اور جلسہ اتنا طویل ہو جاتا تھا کہ صحابہ کرامؓ کو سہو کا شبہ ہونے لگتا تھا وہیں اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ایسا کبھی شاذ و نادر ہی ہوتا تھا، عام عادت شریفہ یہ نہیں تھی ورنہ اگر روز مرہ کا معمول یہی ہوتا یا بکثرت ایسا ہوا کرتا تو کسی کو سہو کا شبہ کبھی نہ ہوتا۔

رکوع اور سجدہ کی طرح قومہ اور جلسہ میں بھی جو کلمات اور جو دعائیں رسول اللہ ﷺ سے منقول و ماثور ہیں۔ ظاہر ہے کہ وہ سب نہایت ہی مبارک اور مقبول دعائیں ہیں۔ البتہ اگر نماز پڑھنے والا امام ہو، تو حضور

ہی کی ہدایت کے مطابق اس کو اس کا لحاظ رکھنا چاہئے کہ اس کا طرزِ عمل مقتدیوں کے لئے زحمت و مشقت کا باعث نہ بن جائے۔

قعدہ، تشہد اور سلام

نماز کا خاتمہ قعدہ اور سلام پر ہوتا ہے، یعنی یہ دونوں اس کے آخری اجزاء ہیں، ہاں اگر نماز تین یا چار رکعت والی ہو تو پہلی دو رکعت پڑھنے کے بعد ایک دفعہ درمیان میں بھی بیٹھا جاتا ہے اس کو قعدہ اولیٰ کہتے ہیں لیکن اس میں صرف تشہد پڑھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور تیسری یا چوتھی رکعت پڑھنے کے بعد دوبارہ بیٹھتے ہیں اور اس میں تشہد کے بعد درود شریف بھی پڑھنے کے بعد سلام پر نماز ختم کر دی جاتی ہے۔

ذیل کی حدیثوں سے معلوم ہوگا کہ قعدہ کا صحیح طریقہ کیا ہے اور رسول اللہ ﷺ کسطرح قعدہ فرماتے تھے، اور اسمیں کیا پڑھتے تھے کی آپ ﷺ نے تعلیم دی ہے، اور سلام پر کسطرح نماز ختم کرنی چاہئے

قعدہ کا صحیح اور مسنون طریقہ

(۱۶۶) **عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا جَلَسَ فِى الصَّلٰوةِ وَضَعَ يَدَيْهِ عَلٰى رُكْبَتَيْهِ وَرَفَعَ اِصْبَعَهُ الْيُمْنٰى الَّتِىْ تَلِى الْاِبْهَامَ فَدَعَا بِهَا وَيَدُهُ الْيُسْرٰى عَلٰى رُكْبَتِهِ بَاسِطُهَا عَلَيْهَا .** (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز میں بیٹھتے تھے تو اپنے دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھ لیتے تھے اور داہنے ہاتھ کے انگوٹھے کے برابر والی انگلی (انگشت شہادت) کو اٹھا کر اس سے اشارہ فرماتے تھے اور اس وقت بایاں ہاتھ آپ کا بائیں گھٹنے پر بچھا ہوا ہوتا تھا (یعنی اس سے آپ کوئی اشارہ نہیں فرماتے تھے)۔ (صحیح مسلم)

تشریح — قعدہ میں کلمہ شہادت کے وقت انگشت شہادت کا اٹھانا اور اشارہ کرنا حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے علاوہ دوسرے صحابہ کرامؓ نے بھی روایت کیا ہے، اور بلاشبہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے۔ اور اس کا مقصد بظاہر یہی ہے کہ جس وقت نمازی اشهد ان لا اله الا الله کہہ کر اللہ تعالیٰ کے وحدہٗ لاشریک ہونے کی شہادت دے رہا ہو اس وقت اس کا دل بھی توحید کے تصور اور یقین سے لبریز ہو اور ہاتھ کی ایک انگلی اٹھا کر جسم سے بھی اس کی شہادت دی جا رہی ہو، بلکہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی اسی حدیث کی بعض روایات میں یہ اضافہ بھی ہے کہ انگشت شہادت کے اس اشارے کے ساتھ آپ آنکھ سے بھی اشارہ فرماتے تھے (السنن الکبریٰ للبیہقی) اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ ہی نے اس اشارہ کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد بھی نقل فرمایا ہے:

لَهِىَ اَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنَ الْحَدِيْدِ

انگشت شہادت کا یہ اشارہ شیطان کے لئے لوہے کی دھار دار چھری اور تلوار سے زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے۔ (مسند احمد)

قعدۂ اولیٰ میں اختصار اور عجلت

۱۶۳) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا جَلَسَ فِى الرَّكْعَتَيْنِ كَاَنَّهٗ عَلَى الرَّضْفِ حَتّٰى يَقُوْمَ. (رواہ ابو داؤد والترمذی والنسائی)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب پہلی دو رکعتوں پر بیٹھتے تھے (یعنی قعدۂ اولیٰ فرماتے تھے تو آپ اتنی جلدی کرتے تھے) جیسے کہ آپ تپتے پتھروں پر بیٹھے ہیں، یہاں تک کہ تیسری رکعت کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

تشریح: حضور ﷺ کے اس دوامی طرزِ عمل سے یہ سمجھا گیا ہے کہ قعدۂ اولیٰ میں صرف تشہد پڑھ کے جلدی سے کھڑا ہو جانا چاہئے۔

تشہد

۱۶۴) عَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ عَلَّمَنِىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلتَّشَهُّدَ كَفِّىْ بَيْنَ كَفَّيْهِ كَمَا يُعَلِّمُنِى السُّوْرَةَ مِنَ الْقُرْاٰنِ اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّيِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِىُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ — (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس حالت میں کہ میرا ہاتھ آپ کے دونوں ہاتھوں کے درمیان تھا مجھے تشہد تعلیم فرمایا جس طرح کہ آپ قرآن مجید کی سورتیں تعلیم فرماتے تھے (آپ نے مجھے تلقین فرمایا) التحیات للہ والصلوات والطیبات
(ترجمہ) ادب و تعظیم اور اظہار نیاز کے سارے کلمے اللہ ہی کے لئے ہیں اور تمام عبادات اور تمام صدقات اللہ ہی کے واسطے ہیں (اور میں ان سب کا نذرانہ اللہ کے حضور میں پیش کرتا ہوں) تم پر سلام ہو اے نبی اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں۔ سلام ہو ہم پر اور اللہ کے سب نیک بندوں پر۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں (صرف وہی معبود برحق ہے)۔
اور میں اس کی بھی شہادت دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور پیغمبر ہیں۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح: رسول اللہ ﷺ صحابہ کرامؓ کو جو کچھ سکھاتے اور بتاتے تھے ان میں سب سے زیادہ اہتمام آپ قرآن مجید کی تعلیم کا فرماتے تھے، لیکن تشہد (التحیات) کی تعلیم و تلقین آپ نے اسی خاص الخاص اہتمام سے فرمائی جس اہتمام سے آپ قرآن مجید کی کسی سورت کی تعلیم دیتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ہاتھ اس وقت اپنے دونوں ہاتھوں کے درمیان پکڑنا بھی اسی سلسلہ کی ایک چیز تھی اور طحاوی کی ایک روایت میں ہے کہ آپ نے ابن مسعودؓ کو یہ تشہد ایک ایک کلمہ کر کے تلقین فرمایا جس طرح کہ بچوں یا ان پڑھوں کو کوئی اہم چیز یاد کرائی جاتی ہے۔ اور مسند احمد کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے عبداللہ بن مسعودؓ کو یہ تشہد تعلیم فرمایا اور ان کو حکم دیا کہ وہ دوسروں کو اس کی تعلیم دیں۔ تشہد، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے علاوہ

حضرت عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عائشہ صدیقہؓ اور بعض اور صحابہ کرامؓ سے بھی مروی ہے، اور ان روایات میں ایک دو لفظوں کا بہت معمولی سا فرق بھی ہے لیکن محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ سند اور روایت کے لحاظ سے حضرت ابن مسعودؓ کے اس تشہد ہی کو ترجیح ہے، اگرچہ دوسری روایات بھی صحیح ہیں اور ان میں وارد شدہ تشہد بھی پڑھا جا سکتا ہے۔

بعض شارحین حدیث نے ذکر کیا ہے کہ یہ تشہد شب معراج کا مکالمہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو جب بارگاہ قدوسیت میں شرف حضوری نصیب ہوا تو آپ نے نذرانہ عبودیت اس طرح پیش کیا، اور گویا اس طرح سلامی دی

التحیات للہ والصلوات والطیبات

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوا

السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ ﷺ نے جواباً عرض کیا

السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین

اسکے بعد (عہد ایمانی کی تجدید کے طور پر) مزید عرض کیا اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ

ان شارحین نے لکھا ہے کہ نماز میں اس مکالمہ کو شب معراج کی یادگار کے طور پر جوں کا توں لے لیا گیا ہے، اور اسی وجہ سے السلام علیک ایھا النبی میں خطاب کی ضمیر کو برقرار رکھا گیا ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ صحیح بخاری وغیرہ میں خود حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ تشہد میں السلام علیک ایھا النبی ہم حضور ﷺ کی حیات طیبہ میں اس وقت کہا کرتے تھے جب آپ ہمارے ساتھ اور ہمارے درمیان ہوتے تھے، پھر جب آپ کا وصال ہو گیا تو ہم بجائے اس کے السلام علی النبی کہنے لگے۔

لیکن جمہور امت کے عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جو الفاظ تلقین فرمایا تھا (یا معراج کے مکالمہ والی مشہور عام روایت کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو الفاظ ارشاد ہوا تھا) یعنی السلام علیک ایھا النبی حضور ﷺ کے وصال کے بعد بھی بطور یادگار اسی کو جوں کا توں برقرار رکھا گیا، اور بلاشبہ ارباب ذوق کے لئے اس میں ایک خاص لطف ہے۔ اب جو لوگ اس صیغہ خطاب سے حضور ﷺ کے حاضر ناظر ہونے کا عقیدہ پیدا کرنا چاہتے ہیں ان کے متعلق بس یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ شرک پسندی کے مریض، تہامت ہی کور ذوق اور عربی زبان و ادب کی لطافتوں سے بالکل ہی ناآشنا ہیں۔

درود شریف

درود شریف کی اہمیت

انسانوں پر خاص کر ان بندوں پر جن کو کسی نبی کی ہدایت و تعلیم سے ایمان نصیب ہوا، اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے بڑا احسان اس نبی و رسول کا ہوتا ہے، جس کے ذریعہ ان کو ایمان ملا ہو اور ظاہر ہے کہ امت محمدیہ ﷺ کو ایمان کی دولت اللہ کے آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے واسطے سے ملی ہے اس لئے یہ امت

اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے زیادہ ممنونِ احسان آنحضرت کی ہے۔ پھر جس طرح اللہ تعالیٰ جو خالق و مالک اور پروردگار ہے اس کا حق یہ ہے کہ اس کی عبادت اور حمد و تسبیح کی جائے، اسی طرح اس کے پیغمبروں کا حق ہے کہ ان پر درود و سلام بھیجا جائے، یعنی اللہ تعالیٰ سے ان کے لئے مزید رحمت و رأفت اور رفعِ درجات کی دعائیں کی جائیں۔ درود و سلام کا مطلب یہی ہوتا ہے۔ اور یہ دراصل ان محسنوں کی بارگاہ میں عقیدت و محبت کا ہدیہ، وفاداری و نیاز کیشی کا نذرانہ اور ممنونیت و سپاس گزاری کا اظہار ہوتا ہے، ورنہ ظاہر ہے کہ ان کو ہماری دعاؤں کی کیا احتیاج، بادشاہوں کو فقیروں اور مسکینوں کے ہدیوں اور تحفوں کی کیا ضرورت!

تاہم اس میں شبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارا یہ تحفہ بھی ان کی خدمت میں پہنچاتا ہے، اور ہماری اس دعاء التجا کے حساب میں بھی ان پر اللہ تعالیٰ کے الطاف و عنایات میں اضافہ ہوتا ہے، اور سب سے بڑا فائدہ اس دعا گوئی اور اظہارِ وفاداری کا خود ہم کو پہنچتا ہے، ہمارا ایمانی رابطہ مستحکم ہوتا ہے، اور ایک دفعہ کے مخلصانہ درود کے صلہ میں اللہ تعالیٰ کی کم از کم دس رحمتوں کے ہم مستحق ہو جاتے ہیں۔ یہ ہے درود و سلام کا راز اور اس کے فوائد و منافع۔

درود و سلام سے شرک کی جڑ کٹ جاتی ہے

اس کے علاوہ ایک خاص حکمت درود و سلام کی یہ بھی ہے کہ اس سے شرک کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے زیادہ مقدس اور محترم ہستیاں انبیاء علیہم السلام کی ہیں، جب ان کے لئے بھی حکم یہ ہے کہ ان پر درود و سلام بھیجا جائے (یعنی ان کے واسطے اللہ سے رحمت و سلامتی کی دعا کی جائے) تو معلوم ہوا کہ وہ بھی سلامتی اور رحمت کے لئے خدا کے محتاج ہیں، اور ان کا حق اور مقام عالی بس یہی ہے کہ ان کے واسطے رحمت و سلامتی کی دعائیں کی جائیں، رحمت و سلامتی خود ان کے ہاتھ میں نہیں ہے، اور جب ان کے ہاتھ میں نہیں ہے تو پھر ظاہر ہے کہ کسی مخلوق کے بھی ہاتھ میں نہیں ہے، کیونکہ ساری مخلوق میں انہیں کا مقام سب سے بالا و برتر ہے۔ اور شرک کی جڑ بنیاد یہی ہے کہ خیر و رحمت اللہ کے سوا کسی اور کے قبضہ میں بھی سمجھی جائے۔

بہر حال درود و سلام کے اس حکم نے ہم کو نبیوں اور رسولوں کا دعا گو بنا دیا، اور جو بندہ پیغمبروں کا دعا گو ہو وہ کسی مخلوق کا پرستار کیسے ہو سکتا ہے۔

قرآن مجید میں درود و سلام کا حکم

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ پر درود و سلام بھیجنے کا حکم سورۂ احزاب کی اس آیت میں دیا ہے اور بڑی شاندار تمہید کے ساتھ دیا ہے:

إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا [illegible]

اللہ تعالیٰ کا خاص لطف و کرم ہے اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں ان نبی پر، اے ایمان والو تم بھی درود و سلام بھیجا کرو ان پر۔

اس آیت میں نماز یا غیر نماز کا کوئی تذکرہ نہیں ہے، بالکل اسی طرح جس طرح کہ قرآن مجید میں جا بجا اللہ کی حمد و تسبیح کا حکم ہے اور نماز یا غیر نماز کا وہاں کوئی تذکرہ نہیں ہے، لیکن جس طرح نور نبوت کی روشنی میں انہی آیتوں سے رسول اللہ ﷺ نے سمجھا کہ اس حمد و تسبیح کا خاص محل نماز ہے (چنانچہ یہ حدیث اپنے موقع پر پہلے گزر چکی ہے، کہ جب فسبح باسم ربك العظيم اور سبح اسم ربك الاعلى۔ آیات قرآنی نازل ہوئیں تو آپ نے بتایا کہ اس حکم کی تعمیل اس طرح کی جائے کہ رکوع میں سبحان ربي العظيم اور سجدہ میں سبحان ربي الاعلى پڑھا جائے۔)

اس عاجز کا خیال ہے کہ اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے سورۂ احزاب کی اس آیت (صلوا عليه وسلموا تسليما) کے نزول کے وقت بھی صحابہ کرامؓ کو غالباً بتایا تھا کہ اس حکم کی تعمیل کا خاص محل و موقع نماز کا جزو اخیر قعدۂ اخیرہ ہے۔

اس بارے میں کوئی صریح روایت تو اس عاجز کی نظر سے نہیں گزری، لیکن جس بنیاد پر میرا یہ خیال ہے آگے درج ہونے والی حدیث کے ضمن میں اسکو عرض کروں گا۔ اب حدیث پڑھئے!

۱۶۵) عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ قَالَ سَأَلْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقُلْنَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ الصَّلٰوةُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ فَاِنَّ اللّٰهَ قَدْ عَلَّمَنَا كَيْفَ نُسَلِّمُ عَلَيْكَ فَقَالَ قُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.

(رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ (جو اصحاب بیعت رضوان میں سے ہیں) روایت ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کرتے ہوئے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ تو ہم کو بتا دیا کہ ہم آپ کی خدمت میں سلام کس طرح عرض کیا کریں (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ نے ہم کو بتا دیا ہے کہ ہم تشہد میں السلام عليك ايها النبي و رحمة الله وبركاته کہہ کر آپ پر سلام بھیجا کریں) اب آپ ہمیں یہ بھی بتا دیجئے کہ ہم آپ پر صلوٰۃ (درود) کیسے بھیجا کریں؟ آپ نے فرمایا یوں کہا کرو۔ اللهم صل على محمد و على آل محمد۔ "اے اللہ اپنی خاص عنایت اور رحمت فرما حضرت محمد پر اور حضرت محمد کے گھر والوں پر جیسے کہ تو نے عنایت و رحمت فرمائی حضرت ابراہیم پر اور ان کے گھر والوں پر، تو حمد و ستائش کا سزاوار اور عظمت و بزرگی والا ہے۔ اے اللہ! خاص برکتیں نازل فرما حضرت محمد ﷺ پر اور حضرت محمد ﷺ کے گھر والوں پر جیسے کہ تو نے خاص برکتیں نازل فرمائیں حضرت ابراہیم اور حضرت ابراہیم کے گھر والوں پر، تو حمد و ستائش کا سزاوار اور عظمت و بزرگی والا ہے۔" (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح — جیسا کہ سورۂ احزاب کی مندرجہ بالا آیت میں نماز یا غیر نماز کا کوئی ذکر نہیں ہے اسی طرح کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں بھی اس کا کوئی ذکر نہیں ہے، لیکن ایک دوسرے صحابی حضرت ابو مسعود انصاری بدری رضی اللہ عنہ سے بھی قریب قریب اسی مضمون کی ایک حدیث مروی ہے۔ اس کی

بعض روایات میں سوال کے الفاظ یہ نقل کئے گئے ہیں:

كَيْفَ نُصَلِّيْ عَلَيْكَ إِذَا نَحْنُ صَلَّيْنَا عَلَيْكَ فِيْ صَلوٰتِنَا [1]

حضرت (ﷺ)! ہم جب نماز میں آپ (ﷺ) پر درود بھیجیں تو کس طرح پڑھا کریں؟

اس روایت سے صراحۃً معلوم ہوا کہ صحابہ کا یہ سوال نماز میں درود شریف پڑھنے کے بارے میں تھا اور گویا یہ بات ان کو معلوم ہو چکی تھی کہ درود کا خاص محل نماز ہے۔

اس کے علاوہ حاکم نے مستدرک میں بہ سند قوی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد روایت کیا ہے:

يَتَشَهَّدُ الرَّجُلُ ثُمَّ يُصَلِّيْ عَلَى النَّبِيِّ ثُمَّ يَدْعُوْ لِنَفْسِهٖ [2]

آدمی نماز میں (یعنی قعدہ اخیرہ میں) تشہد پڑھے اس کے بعد رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجے، اس کے بعد اپنے لئے دعا کرے۔

ظاہر ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ بات حضور ﷺ سے سننے کے بعد ہی فرمائی ہوگی، وہ اپنی طرف سے کیسے کہہ سکتے تھے کہ تشہد کے بعد نمازی کو درود شریف پڑھنی چاہئے۔

بہر حال ان ساری چیزوں کو سامنے رکھنے کے بعد یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ سورۂ احزاب میں رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجنے کا جو حکم دیا گیا تھا اس کے بارے میں صحابہ کرامؓ کو یہ بات تو معلوم ہو چکی تھی کہ اس کی تعمیل کا خاص محل نماز اور اس کا بھی جزو اخیر قعدہ اخیرہ ہے، اسکے بعد انہوں نے آپ سے دریافت کیا تھا کہ ہم نماز میں یہ درود کس طرح اور کن الفاظ میں بھیجا کریں، بس اسی کے جواب میں آپ نے یہ درود ابراہیمی تلقین فرمائی جو ہم اپنی نمازوں میں پڑھتے ہیں۔

درود شریف میں "آل" کا مطلب

اس درود میں "آل" کا لفظ جو چار دفعہ آیا ہے اس کا ترجمہ ہم نے "گھر والوں" کیا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ عربی زبان خاص کر قرآن و حدیث کے محاورے میں کسی شخص کے "آل" ان کو کہا جاتا ہے جو اس کے ساتھ خاص الخاص تعلق رکھتے ہوں، خواہ یہ تعلق نسب اور رشتہ کا ہو (جیسے اس شخص کے بیوی بچے) یا رفاقت و معیت اور عقیدت و محبت اور اتباع و اطاعت [3] کا (جیسے کہ اس کے مشن کے خاص ساتھی اور محبین و متبعین)۔ اسلئے اصل لغت کے لحاظ سے یہاں آل کے معنی دونوں ہو سکتے ہیں، لیکن آگے حضرت ابو حمید

---

[1] ابو مسعودؓ کی حدیث تو صحیح مسلم میں بھی مروی ہے لیکن اس میں یہ الفاظ نہیں ہیں: اذا نحن صلينا عليك في صلوتنا — ان الفاظ کے اضافہ کے ساتھ یہ حدیث ابن خزیمہ، ابن حبان اور حاکم وغیرہ نے روایت کی ہے۔ (نووی شرح مسلم ص ۱۷۵ — فتح الباری کتاب التفسیر سورۃ الاحزاب ص ۴۰۵ پ ۱۹)

[2] فتح الباری کتاب الدعوات باب الصلوٰۃ علی النبی ﷺ ص ۱۵۵ پ ۲۶ ۱۲۔

[3] امام راغب اصفہانی اپنی مفردات القرآن میں لکھتے ہیں: ويستعمل فيمن يختص بالانسان اختصاصا ذاتيا اما بقرابة قريبة او بموالاة قال عز وجل (و آل ابراهيم و آل عمران) وقال (ادخلوا آل فرعون اشد العذاب) ص ۳۰ ۱۲۔

نماز میں درود شریف کا موقع اور اس کی حکمت

جیسا کہ معلوم ہے درود شریف نماز کے بالکل آخر میں یعنی آخری قعدہ میں تشہد کے بعد پڑھی جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہی اس کے لئے بہترین موقع ہو سکتا ہے۔ اللہ کے بندے کو رسول اللہ کی ہدایت و تعلیم کے صدقے میں ایمان نصیب ہوا، اللہ تعالیٰ کو اس نے جانا پہچانا اور نماز کی شکل میں اس کے دربار عالی کی حاضری اور حمد و تسبیح اور ذکر و مناجات کی دولت گویا ایک طرح کی معراج اسے نصیب ہوئی اور آخری قعدہ کے تشہد پر یہ نعمت گویا مکمل ہو گئی۔ اب اس کو حکم ہے کہ اللہ کے دربار سے رخصت ہونے سے پہلے اور اپنے لئے کچھ مانگنے سے بھی پہلے وہ بندہ حضرت محمد کے اس احسان کو محسوس کرتے ہوئے کہ انہی کی ہدایت کے صدقے میں اس دربار تک رسائی ہوئی اور یہ سب کچھ نصیب ہوا۔ اللہ تعالیٰ سے آپ کے لئے اور آپ کی زندگی کی شریک ازواج مطہرات اور آپ کی ذریت طیبہ کے لئے بہتر سے بہتر دعا کرے۔ اس کے سوا اور اس سے بہتر کوئی چیز اس کے پاس ہے ہی نہیں جس کو پیش کر کے وہ اپنے جذبہ ممنونیت کا اظہار اور احسان مندی کا حق ادا کر سکے۔ اسی کیلئے درود شریف کے یہ بہترین کلمے صحابہ کرام کو رسول اللہ نے تلقین فرمائے۔

یہاں درود شریف کا یہ بیان نماز کے سلسلے میں آیا تھا اس لئے صرف انہی دو حدیثوں پر یہاں اکتفا کیا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ اس سلسلے میں قابل ذکر جو حدیثیں درود شریف کے فضائل وغیرہ سے متعلق کتب حدیث میں روایت کی گئی ہیں انشاء اللہ وہ میں اپنے موقع پر درج ہوں گی اور مندرجہ بالا درود ابراہیمی کے علاوہ کے جو اور صیغے آنحضرت سے قابل اعتماد سندوں کے ساتھ مروی ہیں وہ بھی انشاء اللہ وہیں درج ہوں گے۔

درود شریف کے بعد اور سلام سے پہلے دعا

ابھی مستدرک حاکم کے حوالے سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد ذکر کیا جا چکا ہے کہ نمازی تشہد کے بعد درود شریف پڑھے اور اس کے بعد دعا کرے۔ بلکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہی کی ایک حدیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ آخری قعدہ میں تشہد کے بعد اور سلام سے پہلے دعا کا یہ حکم غالباً اس وقت بھی تھا جب کہ تشہد کے بعد درود شریف پڑھنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہ کی ایک روایت میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے تشہد کی تلقین والی حدیث ہی کے آخر میں رسول اللہ کا یہ ارشاد بھی مروی ہے:

ثُمَّ لِيَتَخَيَّرْ أَحَدُكُمْ مِنَ الدُّعَاءِ أَعْجَبَهُ إِلَيْهِ فَيَدْعُوْبِهِ

یعنی۔ نمازی جب تشہد پڑھ چکے تو جو دعا سے اچھی معلوم ہو اس کا انتخاب کرے، اور اللہ سے وہی دعا کرے۔

اور یہی بات (کہ تشہد کے بعد دعا کی جائے) آگے درج ہونے والی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث

تعلیم فرماتے ہیں۔ گویا آپ نے ان کو بتایا کہ اے ابو بکر! نماز پڑھ کر بھی دل میں یہ وسوسہ نہ آنے دو کہ اللہ کی عبادت کا حق ادا ہو گیا اور کچھ کر لیا، بلکہ نماز جیسی عبادت کے خاتمہ پر بھی اپنے کو سر سے پاؤں تک قصوروار اور خطاکار قرار دیتے ہوئے اس کے سامنے اپنی تقصیر و گنہگاری کا اقرار کرو اور اس سے معافی اور بخشش اور رحم کی بھیک مانگو، اور یہ کہہ کے مانگو کہ میرے اللہ! میرے پاس کوئی عمل اور کوئی چیز نہیں ہے جس کی وجہ سے بخشش اور معافی بھی میرا حق ہو، تو اپنی صفت مغفرت و رحمت کے طفیل محض مجھ گنہگار کو عطا فرمادے اور میرے لئے مغفرت و رحمت کا فیصلہ فرمادے۔

اللہ تعالیٰ توفیق دے۔ تشہد اور درود شریف کے بعد اور سلام سے پہلے یہ دعائیں ضرور مانگنی چاہئیں۔ ان کا یاد کرنا اور ان کا مطلب بھی ذہن میں بٹھا لینا کوئی بڑی اور مشکل بات نہیں ہے۔ معمولی توجہ سے تھوڑے سے وقت میں یہ کام ہو سکتا ہے۔ بڑی بے نصیبی اور ناقدری کی بات ہے کہ رسول اللہ کے عطا فرمائے ہوئے ان جواہرات سے ہم محروم رہیں۔ خدا کی قسم حضور کی تعلیم فرمائی ہوئی ایک ایک دعا دنیا و مافیہا سے زیادہ قیمتی ہے۔

[illegible]

رسول اللہ نے جس طرح نماز کے افتتاح و آغاز کے لئے کلمہ اللہ اکبر تعلیم فرمایا ہے جس سے بہتر کوئی دوسرا کلمہ افتتاح نماز کے لئے سوچا ہی نہیں جا سکتا، اسی طرح اس کے اختتام کے لئے [illegible] تلقین فرمایا ہے، اور بلاشبہ نماز کے خاتمہ کے لئے بھی اس سے بہتر کوئی لفظ نہیں سوچا جا سکتا۔ ہر شخص جانتا ہے کہ سلام اس وقت کیا جاتا ہے جب ایک دوسرے سے غائب اور الگ ہونے کے بعد پہلی ملاقات ہو، لہٰذا اختتام کیلئے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کی تعلیم میں واضح اشارہ ہے بلکہ گویا ہدایت ہے کہ بندہ اللہ اکبر کہہ کے جب نماز میں داخل ہو اور بارگاہ قدوس میں عرض معروض شروع کرے تو چاہئے کہ وہ اس وقت اس عالم شہود سے منقطع ہو کر اپنے ماحول اور اپنے دائیں بائیں والوں سے بھی غائب اور الگ ہو جائے، اور اللہ کے سوا کوئی بھی اس وقت اس کے دل کی نگاہ کے سامنے نہ رہے، پوری نماز میں اس کا یہی حال رہے۔ پھر جب قعدہ اخیرہ میں تشہد اور درود شریف اور آخری دعا اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کر کے اپنی نماز پوری کرلے، تو اس کے باطن کا حال یہ ہو کہ گویا اب وہ کسی دوسرے عالم سے اس دنیا میں اور اپنے ماحول میں واپس آیا ہے اور دائیں بائیں والے انسانوں یا فرشتوں سے اب اس کی نئی ملاقات ہو رہی ہے اس لئے اب وہ ان کی طرف رخ کر کے اور ان ہی سے مخاطب ہو کر کہے:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ

اس عاجز کے نزدیک اس حکم کا یہی راز اور یہی اس کی حکمت ہے۔ واللہ اعلم

اس کے بعد سلام سے متعلق رسول اللہ کی چند حدیثیں ذیل میں پڑھئے

۱۷۰) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مِفْتَاحُ الصَّلٰوةِ الطُّهُوْرُ وَتَحْرِيْمُهَا التَّكْبِيْرُ وَتَحْلِيْلُهَا

التَّسْلِيْمُ. (رواہ ابو داؤد والترمذی والدارمی و ابن ماجہ)

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا طہارت (یعنی وضو) نماز کی کنجی ہے، اور اس کی تحریم اللہ اکبر کہنا ہے اور اس کی بندشیں کھولنے کا ذریعہ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ کہنا ہے۔

— اس حدیث میں نماز سے متعلق تین باتیں فرمائی گئی ہیں:-

۱) اول یہ کہ نماز جو بارگاہ خداوندی کی خاص حاضری ہے طہارت اور باوضو ہونا اس کی کنجی یعنی اس کی مقدم شرط ہے، اس کے بغیر کسی کے لئے اس بارگاہ کا دروازہ نہیں کھل سکتا۔

۲) دوسرے یہ کہ نماز کا افتتاحی کلمہ لفظ اللہ اکبر ہے، اس کے کہتے ہی نماز والی ساری پابندیاں عائد ہو جاتی ہیں، مثلاً کھانا پینا، کسی سے بات چیت کرنا جیسے کام، جن کی اجازت تھی، وہ بھی ختم نماز تک کے لئے حرام ہو جاتے ہیں، اسی لئے اس کو کہتے ہیں۔

۳) تیسری بات یہ فرمائی گئی ہے کہ نماز کا اختتامی کلمہ جس کے کہنے کے بعد نماز والی ساری پابندیاں ختم ہو جاتی ہیں، اور جو جائز و مباح چیزیں کہنے کے بعد اس کے لئے ناجائز اور حرام ہو گئی تھیں وہ سب حلال ہو جاتی ہیں، وہ کلمہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ ہے۔

۱۷۱) عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِىْ وَقَّاصٍ قَالَ كُنْتُ اَرٰى رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يُسَلِّمُ عَنْ يَمِيْنِهٖ وَعَنْ يَسَارِهٖ حَتّٰى اَرٰى بَيَاضَ خَدِّهٖ. (رواہ مسلم)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو خود دیکھا تھا کہ آپ سلام پھیرتے وقت داہنی جانب اور بائیں جانب رخ فرماتے تھے اور چہرہ مبارک کو داہنی جانب اور بائیں جانب اتنا پھیرتے تھے کہ ہم رخسار مبارک کی سفیدی دیکھ لیتے تھے۔

— یہی بات الفاظ کے تھوڑے سے فرق کے ساتھ سنن اربعہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور سنن ابن ماجہ میں حضرت عمار بن یاسرؓ سے بھی مروی ہے۔

نماز کے خاتمہ پر سلام سے پہلے رسول اللہ ﷺ جو دعائیں مانگتے تھے یا جن دعاؤں کی آپ نے اس موقع کے لئے تلقین فرمائی ہے ان کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے اب ذیل میں وہ حدیثیں پڑھئے جن میں بتایا گیا ہے کہ سلام کے بعد ذکر و دعا کے بارے میں آپ نے امت کو کیا ہدایت فرمائی ہے اور خود آپ کا معمول اس باب میں کیا تھا۔

۱۷۲) عَنْ اَبِىْ اُمَامَةَ قَالَ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللهِ اَىُّ الدُّعَاءِ اَسْمَعُ قَالَ جَوْفَ اللَّيْلِ الْاٰخِرِ وَدُبُرَ الصَّلَوٰتِ الْمَكْتُوْبَاتِ. (رواہ الترمذی)

حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ حضرت (ﷺ)! کون سی دعا زیادہ سنی جاتی ہے؟ (یعنی کس وقت کی دعا زیادہ قبول ہوتی ہے)؟ آپ ﷺ نے فرمایا آخری رات کے درمیان (یعنی رات کے آخری حصہ میں جو تہجد کا وقت ہے) اور فرض نمازوں کے بعد۔

(۱۷۳) عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ اَخَذَ بِيَدِىْ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ فَقَالَ اِنِّىْ لَاُحِبُّكَ يَا مُعَاذُ فَقُلْتُ وَاَنَا اُحِبُّكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ فَلَا تَدَعْ اَنْ تَقُوْلَ فِىْ دُبُرِ كُلِّ صَلٰوةٍ "رَبِّ اَعِنِّىْ عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ"۔ (رواہ احمد و ابو داؤد والنسائی)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑ کے مجھ سے فرمایا اے معاذ! مجھے تجھ سے محبت ہے! میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ) مجھے بھی آپ سے محبت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا (تو اس محبت کی بناء پر میں تجھ سے کہتا ہوں کہ) ہر نماز کے بعد اللہ تعالیٰ سے یہ دعا ضرور کیا کرو، اور کبھی اسے نہ چھوڑو۔ رب اعنی علی ذکرک وشکرک وحسن عبادتک (اے پروردگار! میری مدد فرما، اور مجھے توفیق دے اپنے ذکر کی اور اپنے شکر کی اور اپنی اچھی عبادت کی)۔

(۱۷۴) عَنْ ثَوْبَانَ رَضِىَ اللهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِذَا انْصَرَفَ مِنْ صَلٰوتِهٖ اِسْتَغْفَرَ ثَلٰثًا وَقَالَ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ۔ (رواہ مسلم)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز سے فارغ ہوتے تو تین دفعہ استغفار پڑھتے اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتے اور اس کے بعد کہتے۔ اللهم انت السلام ومنک السلام تبارکت یا ذالجلال والاکرام۔ (اے اللہ! تو ہی سلام ہے (اور محفوظ و منزہ ہے ہر عیب و نقص سے، حوادث و آفات سے، ہر قسم کے تغیر و زوال سے) اور تیری ہی طرف سے اور تیرے ہی ہاتھ میں ہے سلامتی (جس کے لئے چاہے اور جب چاہے سلامتی کا فیصلہ کرے، اور جس کے لئے نہ چاہے نہ کرے) تو برکت والا ہے، اے بزرگی و برتری والے، تعظیم و اکرام والے۔

تشریح حضرت ثوبانؓ کی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ نماز سے فارغ ہونے یعنی سلام پھیرنے کے بعد متصلاً پہلے تین دفعہ استغفار کرتے تھے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کرتے تھے استغفر اللہ، استغفر اللہ، استغفر اللہ یہ دراصل کمال عبدیت ہے کہ نماز جیسی عبادت کے بعد بھی اپنے کو قصور وار اور حق عبادت ادا کرنے سے قاصر و عاجز سمجھتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے معافی اور بخشش مانگی جائے۔

اس حدیث میں استغفار کے بعد جو چھوٹی سی دعا حضرت ثوبانؓ نے رسول اللہ ﷺ سے نقل کی ہے صحیح روایات میں وہ صرف اتنی ہی وارد ہوئی ہے یعنی۔ اللهم انت السلام ومنک السلام تبارکت یا

والجلال والاکرام ۔ عوام میں اس دعا کے اندر اللهم انت السلام کے بعد جو یہ اضافہ مشہور ہے والیک یرجع السلام فحینا ربنا بالسلام وادخلنا دار السلام محدثین نے تصریح کی ہے کہ یہ بعد کا اضافہ ہے، رسول اللہ ﷺ سے یہ ثابت نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

(۱۷۵) عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَقُولُ فِي دُبُرِ كُلِّ صَلوٰةٍ مَكْتُوبَةٍ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ. اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ. (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر فرض نماز کے بعد کہا کرتے تھے۔ لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ..... (اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ اکیلا اور یکتا ہے، اس کا کوئی شریک ساجھی نہیں، اسی کی حکومت اور فرمانروائی ہے اور وہی حمد و ستائش کا مستحق ہے اور ہر چیز پر اس کی قدرت ہے۔ اے اللہ! جو کچھ تو کسی کو دے کوئی اسے روک سکنے والا نہیں اور جس چیز کے دینے کا تو فیصلہ نہ کرے کوئی اسے دے سکنے والا نہیں، اور کسی سرمایہ والے کو اس کا سرمایہ تجھ سے مستغنی نہیں کر سکتا (یعنی بڑے سے بڑا سرمایہ دار اور صاحب جاہ و عظمت بھی ہر آن تیرے کرم کا محتاج ہے)۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۱۷۶) عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ الزُّبَيْرِ يَخْطُبُ عَلٰى هٰذَا الْمِنْبَرِ وَهُوَ يَقُولُ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ إِذَا سَلَّمَ فِي دُبُرِ الصَّلوٰةِ أَوِ الصَّلَوَاتِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَلَا نَعْبُدُ إِلَّا إِيَّاهُ لَهُ النِّعْمَةُ وَلَهُ الْفَضْلُ وَلَهُ الثَّنَاءُ الْحَسَنُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: ابو الزبیر تابعی بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ اس منبر پر خطبہ دیتے ہوئے بیان فرماتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ سلام پھیرنے کے بعد نماز کے ختم پر کہا کرتے تھے۔ لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ..... اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ اکیلا اور یکتا ہے، اس کا کوئی شریک اور ساجھی نہیں، اس کی حکومت اور فرمانروائی ہے اور وہی حمد و ستائش کا مستحق ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، گناہوں سے بچنے کی توفیق اور نیکی کرنے کی قوت سب اللہ ہی کے ارادہ سے ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، ہم صرف اسی کی عبادت کرتے ہیں، سب نعمتیں اسی کی ہیں، فضل و احسان اسی کا ہے، اچھی تعریف بھی اسی کے لئے ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہم پورے اخلاص کے ساتھ اسی کی بندگی کرتے ہیں اگرچہ منکروں کو کتنا ہی ناگوار ہو۔ (صحیح مسلم)

تشریح ..... مغیرہ بن شعبہؓ کی اوپر والی حدیث اور عبداللہ بن الزبیرؓ کی اس حدیث میں کوئی منافات نہیں ہے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ کبھی آپ ﷺ سے نماز کے بعد اس طرح سنا گیا اور کبھی اس طرح جس نے جو سنا وہ

نقل کردیا۔ اس قسم کے اذکار اور دعاؤں میں تنگی اور پابندی نہیں ہے۔ وقت کی گنجائش اور اپنے ذوق کے مطابق جس کا جو جی چاہے پڑھ سکتا ہے۔

(۱۷۷) **عَنْ سَعْدٍ اَنَّهُ كَانَ يُعَلِّمُ بَنِيْهِ هٰؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ وَيَقُوْلُ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَتَعَوَّذُ بِهِنَّ دُبُرَ الصَّلٰوةِ . اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنَ الْبُخْلِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ اَرْذَلِ الْعُمُرِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْقَبْرِ .** (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ اپنے بچوں کو تعوذ کے یہ کلمات سکھایا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نماز کے بعد ان کلمات کے ذریعہ اللہ کی پناہ مانگا کرتے تھے
اللهم انی اعوذ بك من الجبن۔ اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں بزدلی سے اور تیری پناہ چاہتا ہوں بخل و کنجوسی سے، اور تیری پناہ چاہتا ہوں نکمی عمر سے (یعنی ایسے بڑھاپے سے جس میں حواس اور قویٰ صحیح سلامت نہ رہیں اور آدمی بالکل نکما اور دوسروں کے لئے بوجھ بن جائے) اور تیری پناہ چاہتا ہوں دنیا کے فتنوں سے اور قبر کے عذاب سے۔

(۱۷۸) **عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ سَبَّحَ اللّٰهَ فِيْ دُبُرِ كُلِّ صَلٰوةٍ ثَلٰثًا وَّثَلٰثِيْنَ وَحَمِدَ اللّٰهَ ثَلٰثًا وَّثَلٰثِيْنَ وَكَبَّرَ اللّٰهَ ثَلٰثًا وَّثَلٰثِيْنَ فَتِلْكَ تِسْعَةٌ وَّتِسْعُوْنَ وَقَالَ تَمَامَ الْمِائَةِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ غُفِرَتْ خَطَايَاهُ وَاِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ .** (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو بندہ ہر نماز کے بعد ۳۳ دفعہ اللہ کی تسبیح کا کلمہ، سبحان اللہ کہے اور اسی طرح ۳۳ دفعہ اللہ کی حمد کا کلمہ الحمد للہ کہے اور ۳۳ ہی دفعہ اللہ اکبر کہے۔ یہ سب ۹۹ کلمے ہوگئے، اور اس کے بعد سو کی گنتی پوری کرنے کے لئے ایک دفعہ کہے لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علیٰ کل شیء قدیر تو اس کی سب خطائیں معاف کردی جائیں گی، اگرچہ وہ اپنی کثرت میں سمندر کے کف کے برابر ہوں۔

تشریح: نیک اعمال کی برکت سے گناہوں کی معافی اور مغفرت کی اس قسم کی بشارتوں کے بارے میں شرح حدیث کے اسی سلسلہ میں پہلے کئی جگہ ایک اصولی بات تفصیل سے لکھی جاچکی ہے وہ یہاں بھی ملحوظ رہنی چاہئے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں سبحان اللہ، الحمد للہ اور اللہ اکبر ان تین کلموں کا عدد ۳۳، ۳۳ بتایا گیا ہے، اور سو کی گنتی پوری کرنے کے لئے ایک دفعہ کلمہ توحید لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ پڑھنے کے لئے فرمایا گیا ہے۔ لیکن کعب بن عجرہ وغیرہ بعض دوسرے صحابہؓ کی روایت میں سبحان اللہ اور الحمد للہ ۳۳، ۳۳ دفعہ اور سو کی گنتی پوری کرنے کے لئے اللہ اکبر ۳۴ دفعہ پڑھنے کی ترغیب و تعلیم بھی وارد ہوئی ہے۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی اس طرح بتلایا ہے اور کبھی اس طرح، دونوں ہی طریقے صحیح اور ثابت ہیں۔ اپنے ذوق کے مطابق بندہ جس کو چاہے اختیار کرے۔ یہی تین کلمے اسی تعداد میں سونے کے وقت پڑھنے کے لئے بھی رسول اللہ ﷺ نے تعلیم فرمائے ہیں عرف عام میں اسی کو "تسبیح فاطمہ" بھی کہتے ہیں۔ ان شاء اللہ اس کی مزید تفصیل اور تشریح "کتاب الدعوات" میں کی جائے گی۔

(۱۷۹) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ إِذَا سَلَّمَ لَمْ يَقْعُدْ إِلَّا مِقْدَارَ مَا يَقُوْلُ اللّٰهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذَاالْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سلام پھیرنے کے بعد نہیں بیٹھتے تھے مگر بقدر اس کے کہتے: اللّٰهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذَاالْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ (اے اللہ! تو سلام ہے۔ یعنی محفوظ و منزہ ہے ہر عیب و نقص سے، تمام آفات و حوادث سے، ہر قسم کے تغیر و زوال سے۔ اور سلامتی تیری ہی طرف سے اور تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔ یعنی جب جس کے لئے تو چاہے سلامتی کا فیصلہ کرے اور نہ چاہے تو نہ کرے۔ تو برکت والا ہے اے بزرگی اور برتری والے، تعظیم و اکرام والے۔ (صحیح مسلم)

تشریح: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ سلام پھیرنے کے بعد صرف اس مختصر دعا اللّٰهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ کے بقدر ہی بیٹھتے تھے اور اس کے بعد فوراً اٹھ جاتے تھے لیکن جو حدیثیں اوپر مذکور ہوئیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ سلام کے بعد اس کے علاوہ بھی مختلف دعائیں اور ذکر کے مختلف کلمات پڑھتے تھے اور دوسروں کو بھی اسکی ترغیب اور تعلیم دیتے تھے۔

بعض حضرات نے اس اشکال کو اس طرح حل کیا ہے کہ مندرجہ بالا حدیثوں میں اللّٰهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی حمد، تسبیح اور توحید و تکبیر کے جن کلمات اور جن دعاؤں کا ذکر کیا گیا ہے ان کے بارے میں انہوں نے کہا کہ یہ آپ سلام پھیرنے کے بعد متصلاً نہیں پڑھتے تھے، بلکہ بعد کی سنتوں وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد پڑھا کرتے تھے، اور دوسروں کو ان کے پڑھنے کی جو ترغیب و تعلیم آپ نے دی ہے اس کا بھی یہی محل ہے۔

لیکن واقعہ یہ ہے کہ جو حدیثیں اوپر ذکر کی گئی ہیں (اور ان کے علاوہ بھی نماز کے بعد دعاؤں کے بارے میں جو بہت سی حدیثیں کتب حدیث میں محفوظ ہیں) ان میں سے اکثر کے ظاہری الفاظ سے یہی مفہوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ سلام پھیرنے کے بعد متصلاً یہ دعائیں اور ذکر کے یہ کلمات پڑھتے تھے اور دوسروں کو بھی اسی کی تعلیم دیتے تھے، اس لئے اس عاجز کے نزدیک صحیح طریق کار وہ معلوم ہوتا ہے جو حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں اختیار فرمایا ہے۔ وہ سلام کے بعد کی ان تمام ماثور دعاؤں کا حوالہ دینے کے بعد جو حدیث کی متداول کتابوں میں مروی ہیں (اور جن میں سے اکثر ان صفحات میں بھی نقل ہو چکی ہیں) فرماتے ہیں:

[illegible] سلام پھیرنے [illegible] ان سنتوں سے
پہلے ہی پڑھے جائیں، کیونکہ اس سلسلہ کی بعض حدیثوں میں تو اس کی بالکل تصریح ہے [illegible] اور
بعض کے الفاظ کا ظاہری تقاضا یہی ہے [illegible] رہی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث
کہ "آنحضرت ﷺ سلام پھیرنے کے بعد صرف اللهم انت السلام [illegible] کہنے کے بقدر ہی بیٹھتے
تھے" تو اس کی کئی توجیہیں کی جا سکتی ہیں۔ مثلاً کہا جا سکتا ہے کہ حضرت صدیقہ کا مطلب یہ ہے کہ
سلام پھیرنے کے بعد آپ نماز کی ہیئت پر صرف اسی قدر بیٹھتے تھے، اس کے بعد نشست بدل
دیتے تھے اور داہنی جانب یا بائیں جانب یا مقتدیوں کی طرف رخ کر کے بیٹھ جاتے تھے۔ (جیسا کہ
آپ کا یہ معمول بعض روایات سے بھی معلوم ہوتا ہے) اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ حضرت صدیقہ
رضی اللہ عنہا کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ ہمیشہ ایسا ہی کرتے تھے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ گاہ بگاہ ایسا
بھی ہوتا تھا کہ آپ سلام پھیرنے کے بعد صرف اللهم انت السلام [illegible] پڑھ کے اٹھ جاتے تھے
اور ایسا آپ غالباً اس لئے کرتے تھے کہ لوگوں کو آپ کے عمل سے [illegible] معلوم ہو جائے کہ سلام
کے بعد ان دعاؤں اور ذکر کے ان کلمات کا پڑھنا فرض یا واجب نہیں ہے، بلکہ اس کا درجہ ایک
مستحب اور نفلی عبادات کا ہے۔

[illegible]

فائدہ — سلام کے بعد ذکر و دعا کے بارے میں جو حدیثیں اوپر مذکور ہوئیں ان سے یہ تو معلوم ہو چکا کہ
نماز کے خاتمہ پر یعنی سلام کے بعد ذکر و دعا رسول اللہ ﷺ سے عملاً بھی ثابت ہے اور تعلیماً بھی، اور اس سے
انکار کی گنجائش نہیں ہے۔ لیکن یہ جو رواج ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد دعا میں بھی مقتدی نمازی کی طرح
امام کے پابند رہتے ہیں۔ حتیٰ کہ اگر کسی کو جلدی جانے کی ضرورت ہو تب بھی امام سے پہلے اس کا اٹھ جانا برا
سمجھا جاتا ہے، یہ بالکل بے اصل ہے بلکہ قابل اصلاح ہے۔ امامت اور اقتداء کا رابطہ سلام پھیرنے پر ختم
ہو جاتا ہے اس لئے سلام کے بعد دعا میں امام کی اقتداء اور پابندی ضروری نہیں، چاہے تو مختصر دعا کر کے امام
سے پہلے اٹھ جائے اور چاہے تو اپنے ذوق اور کیف کے مطابق دیر تک دعا کرتا رہے۔

تفصیل یہ ہے) ۴ ظہر سے پہلے اور ۲ ظہر کے بعد اور ۲ مغرب کے بعد اور ۲ عشاء کے بعد اور ۲ فجر سے پہلے۔

(حضرت ام حبیبہؓ کی یہ روایت صحیح مسلم میں بھی ہے، لیکن اس میں رکعات کی تفصیل مذکور نہیں ہے۔)

اس حدیث میں ظہر سے پہلے چار رکعت سنت کا ذکر ہے۔ بالکل اسی مضمون کی ایک حدیث سنن نسائی وغیرہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے اور صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہی کی روایت سے رسول اللہ ﷺ کا عمل بھی یہی مروی ہے کہ "آپ ﷺ ظہر سے پہلے گھر میں چار رکعت سنت پڑھتے تھے اس کے بعد جا کر مسجد میں ظہر کی نماز پڑھاتے تھے پھر گھر میں تشریف لا کر ۲ رکعتیں پڑھتے تھے، اسی طرح مغرب کی نماز پڑھانے کے بعد گھر میں تشریف لاتے تھے اور ۲ رکعتیں پڑھتے تھے، پھر عشاء کی نماز پڑھانے کے بعد بھی گھر میں تشریف لا کر ۲ رکعتیں پڑھتے تھے۔ آخر میں فرماتی ہیں پھر جب صبح صادق ہو جاتی تو فجر سے پہلے ۲ رکعتیں پڑھتے تھے"۔ لیکن بعض حدیثوں میں ظہر سے پہلے بجائے ۴ رکعت کے ۲ رکعت پڑھنے کا ذکر بھی ہے جیسا کہ آگے درج ہونے والی حدیث سے معلوم ہوگا۔

(۱۸۶) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الظُّهْرِ وَ رَكْعَتَيْنِ بَعْدَهَا وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ فِىْ بَيْتِهِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ فِىْ بَيْتِهِ قَالَ وَحَدَّثَتْنِىْ حَفْصَةُ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ كَانَ يُصَلِّىْ رَكْعَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ حِيْنَ يَطْلُعُ الْفَجْرُ. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دو رکعتیں پڑھی ہیں، ظہر سے پہلے اور دو رکعتیں ظہر کے بعد، اور دو رکعتیں مغرب کے بعد آپ کے گھر میں، اور دو رکعتیں عشاء کے بعد آپ کے گھر میں، اور مجھ سے بیان کیا میری بہن ام المومنین حفصہؓ نے کہ رسول اللہ ﷺ دو ہلکی ہلکی رکعتیں پڑھتے تھے صبح صادق ہو جانے پر۔

اس حدیث میں ظہر سے پہلے دو رکعت پڑھنے کا ذکر ہے۔ اس سلسلہ کی تمام حدیثوں کو سامنے رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ظہر سے پہلے اکثر و بیشتر چار رکعت پڑھتے تھے، اور کبھی کبھی صرف دو بھی پڑھتے تھے۔ بہر حال دونوں ہی عمل آپ سے ثابت ہیں اور جس پر بھی عمل کیا جائے سنت ادا ہو جائے گی۔ اس عاجز نے بعض اہل علم کو دیکھا ہے کہ وہ ظہر سے پہلے اکثر و بیشتر ۴ رکعت سنت پڑھتے ہیں۔ لیکن جب دیکھتے ہیں کہ جماعت کا وقت قریب ہے تو صرف ۲ رکعت پر اکتفا کرتے ہیں۔

مندرجہ بالا ان حدیثوں میں جن ۱۲ رکعت یا ۱۰ رکعت سنتوں کا ذکر ہے، چونکہ رسول اللہ ﷺ عموماً ان کا زیادہ اہتمام فرماتے تھے اور ان میں سے بعض کے متعلق آپ نے خاص تاکید بھی فرمائی ہے اس لئے ان کو سنت مؤکدہ سمجھا گیا ہے۔ ان میں سب سے زیادہ تاکید آپ نے فجر کی سنتوں کے بارے میں فرمائی ہے۔

فجر کی سنتوں کی خاص اہمیت اور فضیلت

(١٨٢) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ رَكْعَتَا الْفَجْرِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا فجر کی دو رکعت سنت دنیا و مافیہا سے بہتر ہیں۔ (صحیح مسلم)

تشریح: ... مطلب یہ ہے کہ آخرت میں فجر کی دو رکعت سنت کا جو ثواب ملنے والا ہے وہ "دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے" اس سب سے زیادہ قیمتی اور کارآمد ہے۔ دنیا و مافیہا سب فانی ہے اور ثواب آخرت باقی غیر فانی ہے۔ اس حقیقت کا پورا انکشاف بلکہ مشاہدہ ان شاء اللہ ہم سب کو آخرت میں ہو جائے گا۔

(١٨٣) عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تَدَعُوْهُمَا وَإِنْ طَرَدَتْكُمُ الْخَيْلُ — (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ فجر کی دو رکعت سنت نہ چھوڑو اگرچہ حالت یہ ہو کہ گھوڑے تم کو روند رہے ہوں۔ (مطلب یہ ہے کہ اگر تم سفر میں ہو اور گھوڑوں کی پشت پر تیزی سے منزلیں طے کر رہے ہو تب بھی فجر کی سنتیں نہ چھوڑو)۔ (سنن ابی داؤد)

(١٨٤) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ ﷺ عَلٰى شَيْءٍ مِنَ النَّوَافِلِ أَشَدَّ تَعَاهُدًا مِنْهُ عَلٰى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ. (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سنتوں اور نفلوں میں سے کسی نماز کا بھی اتنا اہتمام نہیں فرماتے تھے جتنا کہ فجر سے پہلے کی دو رکعتوں کا فرماتے تھے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(١٨٥) عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ لَمْ يُصَلِّ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ فَلْيُصَلِّهِمَا بَعْدَ مَا تَطْلُعُ الشَّمْسُ. (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے فجر کی سنتیں نہ پڑھی ہوں اس کو چاہئے کہ وہ سورج نکلنے کے بعد ان کو پڑھے۔ (جامع ترمذی)

فجر کے علاوہ دوسرے اوقات کے سنن و نوافل کی فضیلت

(١٨٦) عَنْ أَبِيْ أَيُّوْبَ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَرْبَعٌ قَبْلَ الظُّهْرِ لَيْسَ فِيْهِنَّ تَسْلِيْمٌ تُفْتَحُ لَهُنَّ أَبْوَابُ السَّمَاءِ. (رواہ ابو داؤد و ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ظہر سے پہلے کی چار رکعتیں جن کے درمیان میں سلام نہ پھیرا جائے، یعنی چار مسلسل پڑھی جائیں۔ ان کے لئے آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ (سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

(۱۸۷) عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا لَمْ يُصَلِّ أَرْبَعًا قَبْلَ الظُّهْرِ صَلَّاهُنَّ بَعْدَهَا (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ ظہر سے پہلے کی چار رکعتیں جب آپ نے نہیں پڑھی ہوتی تھیں تو آپ ان کو ظہر سے فارغ ہونے کے بعد پڑھتے تھے۔ (جامع ترمذی)

تشریح: ابن ماجہ کی روایت میں یہ تصریح ہے کہ ایسی صورت میں ظہر سے پہلے والی چار رکعتیں آپ بعد والی دو رکعتوں کے بعد پڑھتے تھے۔

(۱۸۸) عَنْ أُمِّ حَبِيبَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ مَنْ حَافَظَ عَلَى أَرْبَعِ رَكَعَاتٍ قَبْلَ الظُّهْرِ وَأَرْبَعٍ بَعْدَهَا حَرَّمَهُ اللَّهُ عَلَى النَّارِ (رواه احمد والترمذی وابو داؤد والنسائی وابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو کوئی ظہر سے پہلے چار رکعتیں اور ظہر کے بعد چار رکعتیں پابندی سے پڑھا کرے اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ کی آگ پر حرام کر دے گا۔

تشریح: بعض شارحین نے لکھا ہے کہ ظہر کے بعد رسول اللہ ﷺ سے چونکہ دو ہی رکعت پڑھنا زیادہ ثابت ہے (جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت عبداللہ بن عمر اور خود حضرت ام حبیبہ (رضی اللہ عنہم) کی مندرجہ بالا حدیثوں سے معلوم ہو چکا ہے) اس لئے ظہر کے بعد مؤکدہ سنت تو صرف دو ہی رکعت ہے اور چار رکعت پڑھنے کی صورت یہ ہوگی کہ ان مؤکدہ دو رکعت کے علاوہ دو رکعت نفل پڑھی جائیں۔

فائدہ: ہمارے دیار میں ظہر کی دو سنتوں کے بعد مزید دو نفل پڑھنے کا عام رواج ہے، لیکن اکثر عوام ان نفلوں کو (بلکہ عام طور سے ہر وقت کے نوافل کو) بیٹھ کے پڑھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ نوافل بیٹھ کے ہی پڑھنے چاہئیں، حالانکہ یہ سراسر غلط ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی صریح حدیث ہے کہ بیٹھ کے نماز پڑھنے کا ثواب کھڑے ہو کے پڑھنے کے مقابلے میں آدھا ہے۔

(۱۸۹) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ رَحِمَ اللَّهُ امْرَأً صَلَّى قَبْلَ الْعَصْرِ أَرْبَعًا۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی رحمت اس بندے پر جو پڑھے عصر سے پہلے چار رکعتیں۔

تشریح: عصر سے پہلے چار رکعت نفل کے بارے میں یہ آپ کا ترغیبی ارشاد ہے اور اسی کے مطابق آپ کا عمل بھی روایت کیا گیا ہے، اور کبھی کبھی عصر سے پہلے دو رکعت پڑھنا بھی آپ سے ثابت ہے۔

(۱۹۰) عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ قَالَ رَأَيْتُ عَمَّارَ بْنَ يَاسِرٍ يُصَلِّي بَعْدَ الْمَغْرِبِ سِتَّ رَكَعَاتٍ وَقَالَ رَأَيْتُ حَبِيبِي ﷺ يُصَلِّي بَعْدَ الْمَغْرِبِ سِتَّ رَكَعَاتٍ وَقَالَ مَنْ صَلَّى بَعْدَ الْمَغْرِبِ

۱۹۳) عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ الْوِتْرُ حَقٌّ فَمَنْ لَمْ يُوْتِرْ فَلَيْسَ مِنَّا الْوِتْرُ حَقٌّ فَمَنْ لَمْ يُوْتِرْ فَلَيْسَ مِنَّا الْوِتْرُ حَقٌّ فَمَنْ لَمْ يُوْتِرْ فَلَيْسَ مِنَّا. (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے خود سنا، آپ نے فرمایا: "نماز وتر حق ہے، جو وتر ادا نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے، وتر حق ہے جو وتر ادا نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے، وتر حق ہے جو وتر ادا نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔" (یہ بات آپ ﷺ نے تین دفعہ ارشاد فرمائی)۔

تشریح: ظاہر ہے کہ وتر کے بارے میں تشدید اور تہدید کے یہ آخری الفاظ ہیں، اسی قسم کی حدیثوں سے حضرت امام ابو حنیفہ نے یہ سمجھا ہے کہ وتر صرف سنت نہیں ہے بلکہ واجب ہے، یعنی اس کا درجہ فرض سے کم اور مؤکدہ سنتوں سے زیادہ ہے۔

۱۹۴) عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ نَامَ عَنِ الْوِتْرِ اَوْ نَسِيَهُ فَلْيُصَلِّ اِذَا ذَكَرَ اَوِ اسْتَيْقَظَ. (رواہ الترمذی و ابو داؤد و ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص وتر سے سوتا رہ جائے (یعنی نیند کی وجہ سے اس کی نماز وتر قضا ہو جائے) یا بھول جائے، تو جب یاد آئے یا جب وہ جاگے، تو اسی وقت پڑھ لے۔

۱۹۵) عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ اِجْعَلُوْا اٰخِرَ صَلٰوتِكُمْ بِاللَّيْلِ وِتْرًا. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا رات میں اپنی آخری نماز وتر کو بناؤ۔ یعنی رات کی نمازوں میں تمہاری آخری نماز وتر ہو۔

۱۹۶) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ خَافَ اَنْ لَّا يَقُوْمَ مِنْ اٰخِرِ اللَّيْلِ فَلْيُوْتِرْ اَوَّلَهُ وَمَنْ طَمِعَ اَنْ يَّقُوْمَ اٰخِرَهُ فَلْيُوْتِرْ اٰخِرَ اللَّيْلِ فَاِنَّ صَلٰوةَ اٰخِرِ اللَّيْلِ مَشْهُوْدَةٌ وَّذٰلِكَ اَفْضَلُ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس کو یہ اندیشہ ہو کہ آخری رات میں وہ اٹھ نہ سکے گا (یعنی سوتا رہ جائے گا) تو اس کو چاہئے کہ رات کے شروع ہی میں (یعنی عشاء کے ساتھ ہی) وتر پڑھ لے، اور جس کو اس کی پوری امید ہو کہ وہ (تہجد کے لئے) آخر شب میں اٹھ جائے گا تو اس کو چاہئے کہ وہ آخر شب ہی میں (یعنی تہجد کے بعد) وتر پڑھے، اس لئے کہ اس وقت کی نماز میں ملائکہ رحمت حاضر ہوتے ہیں، اور وہ وقت بڑی فضیلت کا ہے۔

تشریح: وتر کے بارے میں عام حکم یہی ہے کہ جو ان دو حدیثوں سے معلوم ہوا، یعنی یہ کہ نماز وتر رات کی سب نمازوں کے بعد میں اور آخر میں پڑھی جائے، یعنی نوافل کے بھی بعد اور یہ کہ جس کسی کو اخیر شب میں اٹھنے کے بارے میں اعتماد ہو وہ وتر شروع رات میں نہ پڑھے بلکہ آخر شب میں تہجد کے ساتھ پڑھے، اور

جس کو یہ اعتماد نہ ہو وہ شروع رات ہی پڑھ لیا کرے۔ لیکن بعض صحابہؓ کو رسول اللہ ﷺ نے ان کے خاص حالات کی بناء پر شروع رات ہی میں وتر پڑھ لینے کی ہدایت فرمائی تھی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی انہی میں سے تھے۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ان کا یہ بیان موجود ہے کہ رسول اللہ صلعم نے مجھے وہ چند خاص وصیتیں فرمائی تھیں ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ: "میں شروع رات ہی میں وتر پڑھ لیا کروں۔"

۱۹۷) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِىْ قَيْسٍ قَالَ سَاَلْتُ عَائِشَةَ بِكَمْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُوْتِرُ؟ قَالَتْ كَانَ يُوْتِرُ بِاَرْبَعٍ وَثَلٰثٍ وَسِتٍّ وَثَلٰثٍ وَثَمَانٍ وَثَلٰثٍ وَعَشْرٍ وَثَلٰثٍ وَلَمْ يَكُنْ يُوْتِرُ بِاَنْقَصَ مِنْ سَبْعٍ وَلَا بِاَكْثَرَ مِنْ ثَلٰثَ عَشْرَةَ۔ (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: عبداللہ بن ابی قیس تابعی سے روایت ہے کہ میں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ رسول اللہ ﷺ کتنی رکعت وتر پڑھتے تھے؟۔ انہوں نے فرمایا کہ: چار اور تین اور چھ اور تین اور آٹھ اور تین اور دس اور تین۔ اور سات رکعت سے کم اور تیرہ رکعت سے زیادہ وتر نہیں پڑھتے تھے۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح..... بعض صحابہ کرام تہجد اور وتر کے مجموعے کو بھی وتر ہی کہا کرتے تھے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا طریقہ بھی یہی تھا، انہوں نے اس حدیث میں عبداللہ بن ابی قیس کے سوال کا جواب بھی اسی اصول پر دیا ہے۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ وتر کی تین رکعتوں سے پہلے تہجد کبھی صرف چار رکعت پڑھتے تھے، کبھی چھ رکعت کبھی آٹھ رکعت اور کبھی دس رکعت، لیکن چار رکعت سے کم اور دس رکعت سے زیادہ تہجد پڑھنے کا آپ کا معمول نہیں تھا اور تہجد کی ان رکعتوں کے بعد آپ ﷺ وتر کی تین رکعتیں پڑھتے تھے۔

وتر میں قرأت

۱۹۸) عَنْ عَبْدِالْعَزِيْزِ بْنِ جُرَيْجٍ قَالَ سَاَلْنَا عَائِشَةَ بِاَىِّ شَىْءٍ كَانَ يُوْتِرُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ؟ قَالَتْ كَانَ يَقْرَءُ فِى الْاُوْلٰى بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى وَفِى الثَّانِيَةِ بِقُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ وَفِى الثَّالِثَةِ بِقُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ وَالْمُعَوِّذَتَيْنِ۔ (رواہ الترمذی و ابو داؤد)

ترجمہ: عبدالعزیز بن جریج تابعی بیان کرتے ہیں کہ ہم نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ رسول اللہ ﷺ وتر میں کون کون سی سورتیں پڑھتے تھے؟۔ انہوں نے فرمایا کہ پہلی رکعت میں آپ ﷺ "سبح اسم ربک الاعلی" پڑھتے تھے اور دوسری میں قل یا ایہا الکافرون اور تیسری رکعت میں قل ھو اللہ احد اور معوذتین (یعنی قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس)۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

تشریح..... وتر کی پہلی رکعت میں سبح اسم ربک الاعلی دوسری میں قل یا ایہا الکافرون اور تیسری رکعت

۳۰۵) عَنْ عَلِيٍّ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ فِىْ اٰخِرِ وِتْرِهٖ. اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ لَا اُحْصِىْ ثَنَاءً عَلَيْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ. (رواه ابو داؤد والترمذی والنسائی وابن ماجه)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے وتر کے آخر میں یہ دعا کیا کرتے تھے (اللهم انى اعوذ برضاك من سخطك) اے اللہ! میں تیری ناراضی سے تیری رضامندی کی پناہ لیتا ہوں اور تیری سزا اور تیرے عذاب سے تیری عافیت بخشی کی پناہ لیتا ہوں اور تجھ سے تیری پناہ لیتا ہوں، مجھ سے تیری ثنا وصفت کا حق ادا نہیں ہو سکتا (بس یہی عرض کر سکتا ہوں کہ) تو ویسا ہی ہے جیسا کہ تو نے اپنی ثنا وصفت بیان کی ہے۔ (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ)

تشریح ..... سبحان اللہ! کیسا لطیف مضمون ہے اس دعا کا، حاصل پوری دعا کا یہ ہے کہ اللہ کی ناراضی، اللہ کی سزا، اللہ کی پکڑ اور اس کے جلال سے کوئی جائے پناہ نہیں، بس اسی کی رحمت وعنایت اور اسی کی کریم ذات پناہ دے سکتی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں صرف اتنا مذکور ہے کہ "رسول اللہ ﷺ یہ دعا اپنے وتر کے آخر میں کرتے تھے"۔ اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ تیسری رکعت میں قنوت کے طور پر یہ دعا کرتے تھے، اور بعض ائمہ اور علماء نے یہی سمجھا ہے۔ اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ وتر کے آخری قعدہ میں سلام سے پہلے یا سلام کے بعد آپ یہ دعا کرتے تھے، اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ وتر کے آخری سجدوں میں آپ یہ دعا کرتے تھے۔ صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک دفعہ انہوں نے رات کی نماز کے سجدے میں رسول اللہ ﷺ کو یہی دعا کرتے ہوئے سنا تھا۔ بہرحال ان سب ہی صورتوں کی گنجائش ہے، اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق دے۔

۳۰۶) عَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِذَا سَلَّمَ فِى الْوِتْرِ قَالَ سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ (رواه ابو داؤد والنسائی وزاد "ثلث مرات يطيل")

ترجمہ: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب وتر کا سلام پھیرتے تھے تو کہتے تھے سبحان الملک القدوس۔ (سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

نسائی کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ آپ یہ کلمہ تین دفعہ کہتے تھے، اور اس کو طویل کرتے تھے (یعنی کھینچ کر پڑھتے تھے)۔ اور بعض روایات میں ہے کہ "يرفع صوته بالثالثة" یعنی آپ ﷺ یہ کلمہ تیسری دفعہ بلند آواز سے کہتے تھے۔

وتر کے بعد کی دو رکعتیں

۳۰۷) عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّىْ بَعْدَ الْوِتْرِ رَكْعَتَيْنِ. (رواه الترمذی وزاد ابن ماجه "خفيفتين وهو جالس")

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ وتر کے بعد دو رکعتیں اور پڑھتے تھے۔

اس حدیث کو ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے اور اس میں یہ اضافہ کیا ہے کہ آپ ﷺ وتر کے بعد کی یہ دو رکعتیں ہلکی ہلکی اور بیٹھ کر پڑھتے تھے۔

وتر کے بعد دو رکعتیں بیٹھ کر پڑھنا رسول اللہ ﷺ سے حضرت ام سلمہؓ کے علاوہ حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت ابو امامہؓ نے بھی روایت کیا ہے۔ انہی احادیث کی بناء پر بعض علماء وتر کے بعد کی ان دو رکعتوں کا بیٹھ کر پڑھنا ہی افضل سمجھتے ہیں۔ لیکن دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ اس بارے میں عام امتیوں کو رسول اللہ ﷺ پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کو بیٹھ کر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو دریافت کیا کہ مجھے تو کسی نے آپ کے حوالے سے یہ بتایا تھا کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کو کھڑے ہو کر پڑھنے والے سے آدھا ثواب ملتا ہے، اور آپ بیٹھ کر پڑھ رہے ہیں؟۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا ہاں مسئلہ وہی ہے (یعنی بیٹھ کر نماز پڑھنے کا ثواب کھڑے ہو کر پڑھنے کے مقابلے میں آدھا ہوتا ہے) لیکن میں اس معاملہ میں تمہاری طرح نہیں ہوں، میرے ساتھ اللہ کا معاملہ استثنائی ہے، یعنی مجھے بیٹھ کر پڑھنے کا بھی پورا ثواب ملتا ہے۔

اس حدیث کی بناء پر اکثر علماء اس کے قائل ہیں کہ وتر کے بعد ان دو رکعتوں کے لئے کوئی الگ اصول نہیں ہے، بلکہ وہی عام اصول اور قاعدہ ہے کہ بیٹھ کر پڑھنے کا ثواب کھڑے ہو کر پڑھنے کے مقابلے میں آدھا ہو گا۔ واللہ اعلم۔

وتر کے بارے میں یہ حدیث اوپر گزر چکی ہے کہ "وتر رات کی سب سے آخری نماز ہونی چاہئے" وتر کے بعد یہ دو رکعتیں پڑھنا اس حدیث کے خلاف نہیں ہو گا، کیونکہ یہ دو رکعتیں دراصل وتر ہی کی تابع ہیں، ان کی کوئی مستقل حیثیت نہیں ہے۔

قیام لیل یا تہجد ۔ اس کی فضیلت اور اہمیت

عشاء اور فجر کے درمیان کوئی نماز فرض نہیں کی گئی ہے۔ اگر عشاء اول وقت ہی میں پڑھ لی جائے یا کچھ دیر کر کے بھی پڑھی جائے تو فجر تک بہت بڑا وقت خالی رہ جاتا ہے، حالانکہ یہ وقت اس لحاظ سے نہایت قیمتی ہوتا ہے کہ فضا میں جیسا سکون رات کے سناٹے میں ہوتا ہے ایسا دوسرے کسی وقت میں نہیں ہوتا، اور اگر عشاء کے بعد آدمی کچھ دیر کے لیے سو جائے اور آدھی رات گزرنے کے بعد کسی وقت اٹھ جائے (جو تہجد کا اصلی وقت ہے) تو پھر اس وقت جیسی یکسوئی اور دلجمعی کے ساتھ نماز نصیب ہو جاتی ہے وہ دوسرے وقت نصیب نہیں ہوتی، علاوہ ازیں اس وقت بستر چھوڑ کے نماز پڑھنا نفس کی ریاضت اور تربیت کا بھی خاص وسیلہ ہے۔ قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے:

"إِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْئًا وَأَقْوَمُ قِيلًا" (رات میں نماز کے لیے کھڑا ہونا نفس کو بہت زیادہ

دبانے والا عمل ہے اور اس وقت (دعا یا قرأت میں) جو زبان سے نکلتا ہے وہ بالکل ٹھیک اور دل کے مطابق یعنی دل سے نکلتا ہے)۔ دوسری جگہ قرآن مجید میں ایسے بندوں کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے

"تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّ طَمَعًا"

(ان کے پہلو (اس وقت میں جو لوگوں کے سونے کا خاص وقت ہے) خواب گاہوں سے الگ رہتے ہیں، وہ اس وقت اپنے پروردگار سے امید و بیم کے ساتھ دعائیں کرتے ہیں) آگے فرمایا گیا ہے کہ ان بندوں کے اس عمل کا جو انعام اور صلہ جنت میں ملنے والا ہے۔ جس میں ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا پورا سامان ہے، اس کو اللہ کے سوا کوئی بھی نہیں جانتا۔ (السجدہ)

اور قرآن مجید میں ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ کو تہجد کا حکم دینے کے ساتھ آپ کو "مقام محمود" کی امید دلائی گئی ہے۔ فرمایا گیا ہے:

"وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ عَسٰى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا"

اور اے نبی (ﷺ) آپ اس قرآن کے ساتھ تہجد پڑھئے (یعنی تہجد میں خوب قرآن پڑھا کیجئے) یہ حکم آپ کے لئے زائد اور مخصوص ہے، امید رکھنا چاہئے کہ آپ کو آپ کا رب "مقام محمود" پر فائز کرے گا۔

"مقام محمود" عالم آخرت میں اور جنت میں بلند ترین مقام ہو گا۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ "مقام محمود" اور نماز تہجد میں کوئی خاص نسبت اور تعلق ہے، اس لئے جو امتی نماز تہجد سے شغف رکھیں گے انشاء اللہ "مقام محمود" میں کسی درجہ کی حضور ﷺ کی رفاقت ان کو بھی نصیب ہو گی۔

احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ رات کے آخری حصے میں اللہ تعالیٰ اپنے پورے لطف و کرم اور اپنی خاص شان رحمت کے ساتھ اپنے بندوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے، اور جن بندوں کو ان باتوں کا کچھ احساس و شعور بخشا گیا ہے وہ اس مبارک وقت کی خاص برکات کو محسوس بھی کرتے ہیں۔ اس تمہید کے بعد اب قیام لیل اور تہجد سے متعلق حدیثیں پڑھئے!۔

۲۰۳) **عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَنْزِلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى كُلَّ لَيْلَةٍ اِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا حِيْنَ يَبْقٰى ثُلُثُ اللَّيْلِ الْاٰخِرُ يَقُوْلُ مَنْ يَّدْعُوْنِیْ فَاَسْتَجِيْبَ لَهٗ مَنْ يَّسْاَلُنِیْ فَاُعْطِيَهٗ مَنْ يَّسْتَغْفِرُنِیْ فَاَغْفِرَ لَهٗ۔** (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہمارا مالک اور رب تبارک و تعالیٰ ہر رات کو جس وقت آخری تہائی رات باقی رہ جاتی ہے سماء دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے، اور ارشاد فرماتا ہے کون ہے جو مجھ سے دعا کرے اور میں اس کی دعا قبول کروں۔ کون ہے جو مجھ سے مانگے، میں اس کو عطا کروں۔ کون ہے جو مجھ سے مغفرت اور بخشش چاہے، میں اس کو بخش دوں۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح..... سماء دنیا کی طرف اللہ تعالیٰ کا نزول فرمانا جس کا اس حدیث میں ذکر ہے، اللہ تعالیٰ کی ایک صفت اور

اس کا ایک فعل ہے جس کی حقیقت ہم نہیں جانتے، جس طرح ید اللہ، وجہ اللہ اور استوی علی العرش اور اس کے عام صفات و افعال کی حقیقت اور کیفیت بھی ہم نہیں جانتے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات و افعال کی حقیقت اور کیفیت کے علم سے اپنی عاجزی اور جہالت کا اقرار و اعتراف ہی علم ہے۔ ائمہ سلف کا طریقہ اور مسلک یہی رہا ہے کہ اس کے بارے میں اپنی نارسائی اور بے علمی کا اقرار کیا جائے اور اس کی حقیقت اور کیفیت کا علم دوسرے متشابہات کی طرح خدا کے سپرد کیا جائے اور مانا جائے کہ جو بھی حقیقت ہے وہ حق ہے۔ لیکن اس حدیث کا یہ پیغام بالکل واضح ہے کہ رات کے آخری تہائی حصے میں اللہ تعالیٰ اپنی خاص شان رحمت کے ساتھ بندوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور خود ان کو دعا اور سوال اور استغفار کے لئے پکارتا ہے۔ جو بندے اس حقیقت پر یقین رکھتے ہیں ان کے لیے اس وقت بستر پر پڑے رہنا اس سے زیادہ مشکل ہوتا ہے، جتنا دوسروں کے لیے اس وقت بستر چھوڑ کر کھڑا ہونا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس حقیقت کا یقین نصیب فرمائے جو اس وقت بے چین کر کے اللہ تعالیٰ کے دربار کی حاضری اور دعا و سوال و استغفار کے لئے کھڑا کر دیا کرے۔

(۲۰۴) عَنْ عَمْرِو بْنِ عَبَسَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَقْرَبُ مَا يَكُوْنُ الرَّبُّ مِنَ الْعَبْدِ فِيْ جَوْفِ اللَّيْلِ الْآخِرِ فَإِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ تَكُوْنَ مِمَّنْ يَذْكُرُ اللّٰهَ فِيْ تِلْكَ السَّاعَةِ فَكُنْ (رواه الترمذی)

حضرت عمرو بن عبسہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ بندے سے سب سے زیادہ قریب رات کے آخری درمیانی حصے میں ہوتا ہے، پس اگر تم سے ہو سکے کہ تم ان بندوں میں سے ہو جاؤ جو اس مبارک وقت میں اللہ کا ذکر کرتے ہیں تو تم ان میں ہو جاؤ۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) اس حدیث میں آخری شب میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کی ترغیب دی گئی ہے اور ذکر اگرچہ عام ہے لیکن نماز ذکر کی اعلیٰ اور مکمل ترین شکل ہے کیونکہ وہ دل، زبان، اعضاء سب کے ذکر کا مجموعہ ہے۔

(۲۰۵) عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَفْضَلُ الصَّلٰوةِ بَعْدَ الصَّلٰوةِ الْمَكْتُوْبَةِ الصَّلٰوةُ فِيْ جَوْفِ اللَّيْلِ. (رواه مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا فرض نماز کے بعد سب سے افضل درمیان رات کی نماز ہے (یعنی تہجد)۔ (صحیح مسلم)

(۲۰۶) عَنْ أَبِيْ أُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلَيْكُمْ بِقِيَامِ اللَّيْلِ فَإِنَّهُ دَأْبُ الصَّالِحِيْنَ قَبْلَكُمْ وَهُوَ قُرْبَةٌ لَكُمْ إِلٰى رَبِّكُمْ وَمَكْفَرَةٌ لِلسَّيِّئَاتِ وَمَنْهَاةٌ عَنِ الْإِثْمِ. (رواه الترمذی)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم ضرور پڑھا کرو تہجد، کیونکہ وہ تم سے پہلے صالحین کا طریقہ اور شعار رہا ہے اور قرب الٰہی کا خاص وسیلہ ہے اور وہ گناہوں کے برے اثرات کو مٹانے والی اور معاصی سے روکنے والی چیز ہے۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) اس حدیث میں نماز تہجد کی چار خصوصیتیں ذکر فرمائی گئی ہیں اول یہ کہ وہ دور قدیم سے اللہ کے

نیک بندوں کا طریقہ اور شعار رہا ہے۔ دوسرے یہ کہ تقرب الٰہی کا خاص وسیلہ اور ذریعہ ہے۔ تیسرے اور چوتھے یہ کہ اس میں گناہوں کا کفارہ بن کر ان کے اثرات کو مٹانے اور معاصی سے روکنے کی خاصیت ہے۔

حق یہ ہے کہ نماز تہجد عظیم ترین دولت ہے۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں منقول ہے کہ ان کے وصال کے بعد حضرات نے ان کو خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ کیا گزری اور آپ کے پروردگار نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟۔ جواب میں فرمایا۔ "طاحت العبارات وفنيت الاشارات وما نفعنا الا ركعات ركعناها في جوف الليل" (یعنی حقائق و معارف کی جو اونچی اونچی باتیں ہم عبارات اور اشارات میں کیا کرتے تھے وہ سب وہاں ہوا ہو گئیں اور بس وہ رکعتیں کام آئیں جو رات میں ہم پڑھا کرتے تھے۔)

۲۰۷) عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ قَامَ النَّبِيُّ ﷺ حَتّٰى تَوَرَّمَتْ قَدَمَاهُ فَقِيْلَ لَهُ لِمَ تَصْنَعُ هٰذَا وَقَدْ غُفِرَلَكَ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَاتَأَخَّرَ قَالَ اَفَلَا اَكُوْنُ عَبْدًا شَكُوْرًا ۔ (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس قدر قیام فرمایا (یعنی رات کو نماز تہجد اتنی طویل پڑھی) کہ آپ کے قدم مبارک متورم ہو گئے، تو آپ سے عرض کیا گیا کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں جب کہ آپ کی اگلی پچھلی ساری تقصیریں معاف ہو گئی ہیں (اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کا اعلان فرما کے آپ کو اس بارے میں مطمئن بھی کر دیا ہے)؟ آپ نے ارشاد فرمایا تو کیا میں (اس کے احسان عظیم کا) زیادہ شکر کرنے والا بندہ نہ ہوں (اور اس شکر گزاری میں اس کی اور زیادہ عبادت نہ کروں)۔

تشریح: رسول اللہ ﷺ باآنکہ آپ کو ہم گنہگاروں کی طرح عبادت و ریاضت کی زیادہ ضرورت نہ تھی اور باوجود اس کے آپ کا چلنا پھرنا بھی کہ سونا بھی کار ثواب تھا، لیکن پھر بھی آپ راتوں میں اتنی طویل نماز پڑھتے تھے کہ قدم مبارک متورم ہو جاتے تھے۔ اس میں آپ کے ہم جیسے راحت طلب نام لیواؤں اور نیابت رسول کے مدعیوں کے لئے بڑا سبق ہے۔

عقیدۂ عصمت اور رسول اللہ ﷺ کے ذنوب کی مغفرت

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے ذنوب کی مغفرت کا ذکر ہے، اور ذنب کے معنی عام طور سے گناہ کے لئے جاتے ہیں، اس لئے یہ سوال پیدا ہو جاتا ہے کہ جب عصمت انبیاء اہل حق کا مسلم عقیدہ ہے تو رسول اللہ ﷺ کے ذنوب کی مغفرت کا کیا مطلب ہے؟ اس کے جواب میں جو کچھ کہا گیا ہے اور کہا جاتا ہے اس میں سب سے زیادہ معقول اور دل لگتی بات اس عاجز کے نزدیک یہ ہے کہ آپ کے معصوم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ ان برائیوں سے محفوظ ہیں جو معصیات اور منکرات کے قبیلہ سے ہیں اور جو امت کے حق میں بھی گناہ ہیں، لیکن ایسی باتیں ہر نبی سے اور آپ سے بھی صادر ہو سکتی ہیں جو اگرچہ معصیت اور گناہ نہ ہوں لیکن خلاف اولیٰ یا آپ کی شان عالی کے لحاظ سے نامناسب ہوں۔ جیسا کہ مثلاً شہد کی تحریم کا واقعہ یا عبداللہ

بن ام مکتوم سے ایک موقع پر بے اعتنائی برتنے کا واقعہ جن پر سورۂ تحریم اور سورۂ عبس میں آپ کو محبت کے خاص انداز میں تنبیہ فرمائی گئی۔ بہر حال اس قسم کی معمولی لغزشیں حضرات انبیاء علیہم السلام سے بھی سرزد ہو جاتی ہیں اور اگرچہ یہ چیزیں معصیت اور گناہ کی حد میں نہیں آتیں۔ لیکن

"قرباں لا بیش بود حیرانی"

کے اصول پر یہ حضرات اپنی ان معمولی لغزشوں سے اتنے رنجیدہ اور فکر مند ہوتے تھے کہ ہم عوام اپنے موٹے موٹے گناہوں سے بھی اتنے فکر مند نہیں ہوتے۔ پس قرآن و حدیث میں جہاں کہیں رسول اللہ ﷺ یا کسی بھی پیغمبر کے ذنوب کی مغفرت کا ذکر آتا ہے وہاں اسی قسم کی لغزشیں اور کوتاہیوں کی معافی مراد ہوتی ہے۔ ذنب کے لغوی معنی میں اتنی وسعت ہے کہ اس سے اس قسم کی لغزشیں اور کوتاہیاں بھی مراد ہو سکتی ہیں۔

(۲۰۸) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ رَحِمَ اللهُ رَجُلًا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ فَصَلّٰى وَأَيْقَظَ اِمْرَأَتَهُ فَصَلَّتْ فَإِنْ أَبَتْ نَضَحَ فِيْ وَجْهِهَا الْمَاءَ رَحِمَ اللهُ اِمْرَأَةً قَامَتْ مِنَ اللَّيْلِ فَصَلَّتْ وَأَيْقَظَتْ زَوْجَهَا فَصَلّٰى فَإِنْ أَبٰى نَضَحَتْ فِيْ وَجْهِهِ الْمَاءَ. (رواہ ابو داؤد والنسائی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کی رحمت اس بندے پر جو رات کو اٹھا اور اس نے نماز تہجد پڑھی، اور اپنی بیوی کو بھی جگایا اور اس نے بھی نماز پڑھی اور اگر نیند کے غلبہ کی وجہ سے وہ نہیں اٹھی تو اس کے منہ پر پانی کا ہلکا سا چھینٹا دے کر اس کو بیدار کر دیا۔ اور اسی طرح اللہ کی رحمت اس بندی پر جو رات کو نماز تہجد کے لیے اٹھی اور اس نے نماز ادا کی اور اپنے شوہر کو بھی جگایا، پھر اس نے بھی اٹھ کر نماز پڑھی، اور اگر وہ نہ اٹھا تو اس کے منہ پر پانی کا ہلکا سا چھینٹا دے کر اٹھا دیا۔

تشریح: اس حدیث کو سمجھنے کے لیے یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ رسول اللہ ﷺ نے جن صحابہ کرامؓ کے سامنے یہ بات فرمائی تھی وہ نماز تہجد کے بارے میں آپ کے ارشادات سن سن کر اور آپؐ کا حال دیکھ دیکھ کر یقین کے ساتھ جانتے تھے اس میں بندہ کیا پاتا ہے اور اس سے محروم رہ جانا کتنا بڑا خسارہ ہے۔ فرق مراتب کے باوجود عام صحابہ کرامؓ اور صحابیات کا یہی حال تھا، اس لئے قدرتی طور پر ان میں سے ہر ایک اس دولت کا شائق اور حریص تھا، اس کے باوجود ایسا بھی ہو سکتا ہے بلکہ ضرور ہوتا ہوگا کہ کسی رات کو ایک شوہر کی آنکھ وقت پر کھل گئی اور بیوی سوتی رہ گئی، یا بیوی کی آنکھ کھل گئی اور شوہر سوتا رہ گیا اور پھر جاگنے والے نے سونے والے کو اٹھانا چاہا اور وہ اگر کسل اور نیند کے غلبہ کی وجہ سے اس وقت آمادہ نہ ہوا تو محبت و تعلق کے اعتماد پر منہ پر پانی کا ہلکا سا چھینٹا دے کر اٹھا دیا۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں یہ طرز عمل کسی کشیدگی اور ناگواری کا باعث نہ ہوگا بلکہ ان شاء اللہ باہمی محبت و مودت میں ترقی اور اضافہ کا سبب بنے گا۔ بہر حال اس حدیث کا تعلق ایسی ہی صورت حال سے ہے، اور حضور ﷺ کی ترغیب انہی خوش نصیب شوہروں اور بیویوں کے لئے ہے جو

اس کے اہل ہوں، اور وہ بذات خود بھی اس عظیم نعمت نماز تہجد کے قدر شناس اور شائق ہوں۔

نماز تہجد کی قضا دن میں

(۲۰۹) **عَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ نَامَ عَنْ حِزْبِهٖ اَوْعَنْ شَیْءٍ مِنْهُ فَقَرَأَهٗ فِیْمَا بَیْنَ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَصَلٰوةِ الظُّهْرِ كُتِبَ لَهٗ كَاَنَّمَا قَرَأَهٗ مِنَ اللَّیْلِ.** (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص رات کو سو تا رہ گیا اپنے مقرر وِرد سے یا اس کے کسی جزء سے پھر اس نے اس کو پڑھ لیا نماز فجر اور نماز ظہر کے درمیان تو لکھا جائے گا اس کے حق میں جیسے کہ اس نے پڑھا ہے رات ہی میں۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے رات کے لئے اپنا کوئی وِرد مقرر کر لیا ہو مثلاً یہ کہ میں اتنی رکعتیں پڑھا کروں گا اور اس میں قرآن مجید اتنا پڑھوں گا، اور وہ کسی رات سو تا رہ جائے اور اس کا پورا ورد یا کوئی جزء فوت ہو جائے، تو اگر وہ اسی دن نماز ظہر سے پہلے پہلے اس کو پڑھ لے تو حق تعالیٰ اس کے لئے رات کے پڑھنے کے برابر ثواب عطا فرمائیں گے۔

(۲۱۰) **عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا فَاتَتْهُ الصَّلٰوةُ مِنَ اللَّیْلِ مِنْ وَّجَعٍ اَوْغَیْرِهٖ صَلّٰى مِنَ النَّهَارِ ثِنْتَیْ عَشْرَةَ رَكْعَةً.** (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب بیماری وغیرہ کسی عذر کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کی نماز تہجد فوت ہو جاتی تو آپ دن کو اس کے بجائے بارہ رکعتیں پڑھتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ تہجد میں کتنی رکعتیں پڑھتے تھے

(۲۱۱) **عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِیُّ ﷺ یُصَلِّیْ مِنَ اللَّیْلِ ثَلٰثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً مِنْهَا الْوِتْرُ وَرَكْعَتَا الْفَجْرِ.** (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات میں تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے جن میں وتر اور سنت فجر کی دو رکعتیں بھی شامل ہوتی تھیں۔

تشریح: اس حدیث میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے تہجد کی رکعات کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا جو معمول بتلایا ہے وہ آپ کا اکثری معمول تھا ورنہ خود حضرت عائشہ ہی کی بعض دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی کبھی آپ اس سے بھی کم پڑھتے تھے۔

(۲۱۲) **عَنْ مَسْرُوْقٍ قَالَ سَاَلْتُ عَائِشَةَ عَنْ صَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ بِاللَّیْلِ فَقَالَتْ سَبْعٌ وَّتِسْعٌ وَاِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً سِوٰى رَكْعَتَیِ الْفَجْرِ.** (رواہ البخاری)

ترجمہ: مسروق تابعی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی نماز تہجد کے بارے میں حضرت عائشہ

صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا (کہ آپ کتنی رکعتیں پڑھتے تھے) تو انہوں نے فرمایا کہ ۔ سات اور نو اور گیارہ، سنت فجر کی دو رکعتوں کے سوا۔ (صحیح بخاری)

تشریح — حضرت عائشہ صدیقہؓ کے جواب کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ تہجد میں کبھی صرف سات رکعتیں پڑھتے تھے (یعنی چار رکعت تہجد اور تین رکعت وتر) اور کبھی صرف نو (یعنی چھ رکعت تہجد اور تین رکعت وتر) اور کبھی گیارہ (یعنی آٹھ رکعت تہجد اور تین رکعت وتر) یہ تفصیل خود حضرت صدیقہؓ کی اس حدیث مذکورہ سے جو وتر کے بیان میں سنن ابی داؤد کے حوالے سے نقل ہو چکی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے تہجد کی بعض تفصیلات

(۲۱۳) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ لِيُصَلِّيَ افْتَتَحَ صَلٰوتَهُ بِرَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ . (رواه مسلم)

ترجمہ — حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب رات کو نماز تہجد کے لئے کھڑے ہوتے تھے تو پہلے ہلکی ہلکی دو رکعتیں پڑھتے تھے۔ (صحیح مسلم)

تشریح — بعض شارحین نے لکھا ہے کہ ایسا غالباً اس لئے کرتے تھے کہ پہلے ہلکی دو رکعتیں پڑھ کے طبیعت میں نشاط پیدا ہو جائے تو اس کے بعد طویل قرأت کے ساتھ پڑھیں۔ واللہ اعلم۔ اور صحیح مسلم ہی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد بھی مروی ہے کہ "اذا قام احدکم من اللیل فلیفتتح صلوٰته برکعتین خفیفتین۔" (جب تم میں سے کوئی رات کو نماز کے لئے اٹھے تو پہلے ہلکی ہلکی دو رکعتیں پڑھ کے نماز شروع کرے)۔

(۲۱۴) عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ رَقَدَ عِنْدَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ فَاسْتَيْقَظَ فَتَسَوَّكَ وَتَوَضَّأَ وَهُوَ يَقُوْلُ إِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ فَقَرَأَ هٰؤُلَاءِ الْاٰيٰتِ حَتّٰى خَتَمَ السُّوْرَةَ ثُمَّ قَامَ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ فَأَطَالَ فِيْهِمَا الْقِيَامَ وَالرُّكُوْعَ وَالسُّجُوْدَ ثُمَّ انْصَرَفَ فَنَامَ حَتّٰى نَفَخَ ثُمَّ فَعَلَ ذٰلِكَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ سِتَّ رَكَعَاتٍ كُلَّ ذٰلِكَ يَسْتَاكُ وَيَتَوَضَّأُ وَيَقْرَأُ هٰؤُلَاءِ الْاٰيٰتِ ثُمَّ أَوْتَرَ بِثَلٰثٍ فَأَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ فَخَرَجَ إِلَى الصَّلٰوةِ وَهُوَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِيْ قَلْبِيْ نُوْرًا وَّفِيْ لِسَانِيْ نُوْرًا وَّاجْعَلْ فِيْ سَمْعِيْ نُوْرًا وَّاجْعَلْ فِيْ بَصَرِيْ نُوْرًا وَّاجْعَلْ مِنْ خَلْفِيْ نُوْرًا وَّمِنْ أَمَامِيْ نُوْرًا وَّاجْعَلْ مِنْ فَوْقِيْ نُوْرًا وَّمِنْ تَحْتِيْ نُوْرًا اَللّٰهُمَّ أَعْطِنِيْ نُوْرًا . (رواه مسلم)

ترجمہ — حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ ایک رات کو رسول اللہ ﷺ کے پاس سوئے، پس (وقت آجانے پر تہجد کے لئے) رسول اللہ ﷺ اٹھے، اور آپ نے مسواک کی اور وضو فرمایا اور آپ اس وقت (سورۂ آل عمران کے آخر کی) یہ دعائیہ آیتیں تلاوت فرماتے تھے۔ ان فی

خلق السموات والارض۔ (ختم سورت تک) پھر آپ نماز کے لئے کھڑے ہوئے اور آپ نے دو رکعتیں پڑھیں جن میں قیام اور رکوع سجدہ بہت طویل کیا، پھر آپ بستر کی طرف واپس آئے اور (ذرا دیر کے لئے) سو گئے، یہاں تک کہ آپ کا سانس آواز کے ساتھ چلنے لگا، اس کے بعد آپ نے تین دفعہ ایسا ہی کیا (یعنی تین دفعہ ایسا کیا کہ ذرا دیر سونے کے بعد اٹھے مسواک کی، وضو فرمایا اور طویل قیام اور طویل رکوع و سجود کے ساتھ دو دو رکعتیں پڑھیں) اس طرح آپ نے (پہلی دو رکعتوں کے علاوہ) چھ رکعتیں پڑھیں اور ہر دفعہ اٹھ کر آپ مسواک کرتے اور وضو فرماتے اور آل عمران کے آخری دو آیتیں پڑھتے تھے۔ پھر آپ نے تین رکعت نماز وتر پڑھی۔ پھر مؤذن نے فجر کی اذان دی تو آپ نماز فجر کے لئے تشریف لے گئے اور اس وقت آپ یہ دعا فرما رہے تھے۔ اللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِي قَلْبِي نُوْرًا وَفِي لِسَانِي نُوْرًا ...... (اے اللہ! میرے دل میں نور پیدا فرما، اور میری زبان میں نور پیدا فرما، اور میری سمع و بصر میں نور پیدا فرما اور میرے پیچھے اور میرے آگے نور کر دے اور میرے اوپر اور میرے نیچے نور کر دے، اے اللہ! مجھے نور عطا فرما دے۔) (صحیح مسلم)

تشریح — حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث صحیحین میں بھی اور دوسری کتابوں میں بھی کئی طریقوں سے روایت کی گئی ہے، اور بعض طرق میں اس سے زیادہ تفصیل ہے نیز بیان اور ترتیب میں بھی کچھ فرق ہے۔ مثلاً یہ کہ دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ آل عمران کی آخری آیتیں آپ نے سو کے اٹھ کر وضو فرمانے سے پہلے پڑھیں۔ اسی طرح بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ دعا نوری۔ اللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِي قَلْبِي نُوْرًا۔ آپ نے اس دن صبح کی نماز میں کی تھی۔ اسی طرح کا ایک فرق یہ ہے کہ دو دو رکعتیں پڑھ کے درمیان میں ذرا دیر کے لئے سو جانے کا ذکر جو اس روایت میں کیا گیا ہے دوسری روایات اس سے خالی ہیں۔ اور یہ تو معلوم ہے کہ اس طرح ہر دو رکعت کے بعد سونا حضور ﷺ کی عام عادت مبارکہ نہیں تھی، اس رات آپ نے اتفاقاً ایسا کیا ہوگا۔

اس روایت میں دو خفیف رکعتیں پڑھنے کا ذکر نہیں ہے، بظاہر ان کا ذکر راوی کے بیان سے رہ گیا، اور اس کا قرینہ یہ بھی ہے کہ اسی حدیث کی دوسری روایتوں میں صراحتہً تیرہ رکعت پڑھنے کا ذکر ہے، اور اس روایت کے مطابق کل رکعتیں صرف گیارہ ہوتی ہیں، ان دونوں بیانوں میں تطبیق اسی طرح دی جا سکتی ہے کہ یہ مان لیا جائے کہ اس کے راوی نے پہلی دو خفیف رکعتوں کا ذکر نہیں کیا ہے اور غالباً ان کو نماز تہجد سے خارج تحیۃ الوضو سمجھا ہے۔ واللہ اعلم

دعاء نوری جو اس روایت میں ذکر کی گئی ہے اس میں نو دعائیے کلمے ہیں، بعض دوسری روایات میں ان سے زیادہ کلمات نقل کئے گئے ہیں۔ بڑی مبارک اور نورانی دعا ہے۔ حاصل اس دعا کا یہ ہے کہ اے اللہ میرے قلب اور میرے قالب اور میری روح اور میرے جسم میں اور جسم کے ہر حصے میں اور میری رگ رگ اور ریشہ ریشہ میں نور پیدا فرما دے اور مجھے از سر تا پا نور بنا دے، اور میرے گرد و پیش اور اوپر نیچے ہر طرف نور ہی نور کر دے۔ قرآن مجید کی آیت اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس دعا کا مقصد یہ

ہوگا کہ میرا وجود اور گرد و پیش بس آپ کے نور سے منور ہو جائے اور میرا ظاہر و باطن اور پورا ماحول بھی بس آپ کے رنگ میں رنگ جائے۔ [illegible]

(۲۶۵) **عَنْ حُذَيْفَةَ أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ ﷺ يُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ فَكَانَ يَقُوْلُ اللّٰهُ أَكْبَرُ ثَلٰثًا ذُو الْمَلَكُوْتِ وَالْجَبَرُوْتِ وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْعَظَمَةِ ثُمَّ اسْتَفْتَحَ فَقَرَأَ الْبَقَرَةَ ثُمَّ رَكَعَ فَكَانَ رُكُوْعُهُ نَحْوًا مِنْ قِيَامِهِ فَكَانَ يَقُوْلُ فِيْ رُكُوْعِهِ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوْعِ فَكَانَ قِيَامُهُ نَحْوًا مِنْ رُكُوْعِهِ يَقُوْلُ لِرَبِّيَ الْحَمْدُ ثُمَّ سَجَدَ فَكَانَ سُجُوْدُهُ نَحْوًا مِنْ قِيَامِهِ فَكَانَ يَقُوْلُ فِيْ سُجُوْدِهِ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰى ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السُّجُوْدِ وَكَانَ يَقْعُدُ فِيْمَا بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ نَحْوًا مِنْ سُجُوْدِهِ وَكَانَ يَقُوْلُ رَبِّ اغْفِرْلِيْ رَبِّ اغْفِرْلِيْ فَصَلّٰى أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ قَرَأَ فِيْهِنَّ الْبَقَرَةَ وَاٰلَ عِمْرَانَ وَالنِّسَاءَ وَالْمَائِدَةَ أَوِ الْأَنْعَامَ شَكَّ شُعْبَةُ.** (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو ایک رات تہجد کی نماز پڑھتے دیکھا، آپ نے نماز شروع کرتے ہوئے کہا: اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر ذو الملکوت والجبروت والکبریاء والعظمۃ "(اللہ سب سے بڑا، اللہ سب سے بڑا، اللہ سب سے بڑا، بڑی بادشاہت والا، بڑے دبدبے والا، کبریائی اور عظمت والا) اس کے بعد آپ نے نماز شروع کی، پھر (سورۂ فاتحہ کے بعد) سورۂ بقرہ پڑھی، پھر رکوع کیا، تو آپ کا رکوع قیام ہی کی طرح تھا (یعنی جس طرح قیام بہت طویل کیا کہ ایک رکعت میں پوری سورۂ بقرہ پڑھی، اسی طرح اس نماز میں آپ نے رکوع بھی بہت طویل کیا) اور اس رکوع میں آپ کی زبان پر یہی کلمہ جاری تھا سبحان ربی العظیم پھر آپ نے رکوع سے سر اٹھایا تو رکوع ہی کی طرح بہت دیر تک کھڑے رہے اور اس قومہ میں آپ کی زبان پر یہ کلمہ تھا لربی الحمد "(ساری حمد و ستائش بس میرے رب کے لئے ہے) اس کے بعد آپ نے سجدہ کیا تو آپ کا سجدہ قیام ہی کی طرح طویل تھا اور آپ سجدے میں کہتے تھے۔ سبحان ربی الاعلیٰ۔ پھر آپ نے سجدہ سے سر اٹھایا اور دونوں سجدوں کے درمیان آپ اپنے سجدے کی طرح یعنی قریباً اس کے بقدر ہی بیٹھتے تھے اور اس درمیانی جلسہ میں دعا کرتے تھے۔ رب اغفرلی، رب اغفرلی "(اے میرے رب میری مغفرت فرما، اے میرے مالک مجھے معاف کر دے) آپ نے اس وقت چار رکعتیں پڑھیں جن میں سورۂ بقرہ، آل عمران، نساء اور مائدہ یا انعام پڑھیں۔ (امام ابوداؤد کے استاذ الاستاذ) شعبہ بن الحجاج کو اس میں شبہ ہو گیا ہے کہ ان کے استاذ عمرو بن مرہ نے چوتھی رکعت میں سورۂ مائدہ پڑھنے کا ذکر کیا تھا یا سورۂ انعام پڑھنے کا۔

تشریح: اس طرح طویل قرأت اور طویل رکوع و سجود کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے تہجد پڑھنے کے واقعات حضرت حذیفہؓ کے علاوہ اور بھی متعدد صحابہ کرامؓ سے مروی ہیں۔ چنانچہ حضرت عوف بن مالک اشجعیؓ نے ایک رات کی آپ کی نماز تہجد کا ذکر کیا ہے جس میں آپ نے پہلی دو رکعتوں میں سورۂ بقرہ اور سورۂ

آل عمران پڑھیں۔ اور اس کے بعد کی دو رکعتوں میں بھی اسی طرح دو بڑی بڑی سورتیں (غالباً نساء اور مائدہ) پڑھیں۔ اور یہ ساری سورتیں اس طرح پڑھیں کہ جہاں رحمت کی کوئی آیت آجاتی تو اثنائے قرأت ہی میں ٹھہر کر رحمت کی دعا کرتے اور جہاں عذاب کی آیت آجاتی وہاں اسی طرح اس سے پناہ مانگتے۔

واضح رہے کہ نماز تہجد میں اور اسی طرح دوسری نفل نمازوں میں قرأت کے درمیان ٹھہر کے دعا کرنا بالاتفاق جائز ہے۔

(۲۱۶) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى اَصْبَحَ بِاٰيَةٍ وَالْاٰيَةُ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ. (رواه النسائی و ابن ماجه)

ترجمہ: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک رات کی نماز میں رسول اللہ ﷺ نے ایک ہی آیت پڑھتے پڑھتے صبح کر دی، اور وہ (سورۂ مائدہ کے آخری رکوع کی) یہ آیت تھی "اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ... الآیۃ"۔ (سنن نسائی، سنن ابن ماجہ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ ایک رات کو آپ نماز تہجد پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے تو کسی خاص حالت اور کیفیت میں اسی ایک آیت کو بار بار پڑھتے رہے، یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ "اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ" یہ آیت اللہ تعالیٰ کے ایک پر جلال سوال کے جواب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معذرت اور عاجزانہ گزارش کا ایک جز ہے۔ سورۂ مائدہ کے آخری رکوع میں بیان فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مسیحیوں پر حجت قائم کرنے کے لئے حضرت عیسیٰؑ سے سوال کریں گے کہ کیا تم نے اپنی امت سے کہا تھا کہ اللہ کے علاوہ مجھے اور میری ماں مریم کو بھی معبود اور خدا بنا لیا؟ حضرت عیسیٰؑ اس کے جواب میں اس بات سے اپنی قطعی برأت ظاہر کریں گے، اور عرض کریں گے کہ خداوندا! آپ سے کوئی بات چھپی ہوئی نہیں ہے آپ علام الغیوب ہیں آپ کو معلوم ہے کہ میں نے ان کو توحید ہی کی دعوت و تعلیم دی تھی، ان میں یہ شرک دنیا سے میرے جانے کے بعد آیا۔ اس کے بعد یہ آیت ہے اور یہی حضرت عیسیٰؑ کے جواب کا آخری جز ہے۔

"اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ" (مائدہ) خداوندا اگر تو ان کو (ان کے سنگین جرم کی وجہ سے) عذاب میں ڈالے تو یہ سب تیرے بندے ہیں (تجھے عذاب دینے کا پورا حق ہے) اور اگر تو ان کو معاف کر دے (تو یہ بھی تیرے بس میں ہے) بیشک تو غالب ہے حکمت والا ہے (تیرا جو فیصلہ بھی ہوگا وہ کسی کے دباؤ سے اور مجبوری سے نہیں ہوگا، بلکہ اپنے ذاتی ارادے سے اور حکمت کے تقاضے سے ہوگا)۔

رات کی نماز میں صبح تک اسی ایک آیت کو پڑھتے رہنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے بعض شارحین نے لکھا ہے کہ اس آیت پر پہنچ کے غالباً آپؐ کو اپنی امت کا خیال آگیا جس کے بارے میں آپؐ پر یہ بات منکشف ہو چکی تھی کہ اگلی امتوں کی طرح اس میں بھی عقیدہ اور عمل کا بہت کچھ فساد آئے گا، اور آپؐ اسی کی ... میں

عیسیٰ علیہ السلام کی یہ عاجزانہ اور دردمندانہ گزارش اللہ تعالیٰ کے حضور دہراتے رہے۔ واللہ اعلم

(۲۱۷) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَتْ قِرَاءَةُ النَّبِىِّ ﷺ بِاللَّيْلِ يَرْفَعُ طَوْرًا وَيَخْفِضُ طَوْرًا. (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات کی نماز میں قرأت کبھی بلند آواز سے کرتے تھے اور کبھی آہستہ پست آواز سے۔

(۲۱۸) عَنْ اَبِىْ قَتَادَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ لَيْلَةً فَاِذَا هُوَ بِاَبِىْ بَكْرٍ يُصَلِّىْ يَخْفِضُ مِنْ صَوْتِهٖ وَمَرَّ بِعُمَرَ وَهُوَ يُصَلِّىْ رَافِعًا صَوْتَهٗ قَالَ فَلَمَّا اجْتَمَعَا عِنْدَ النَّبِىِّ ﷺ قَالَ يَا اَبَابَكْرٍ مَرَرْتُ بِكَ وَاَنْتَ تُصَلِّىْ تَخْفِضُ صَوْتَكَ قَالَ قَدْ اَسْمَعْتُ مَنْ نَاجَيْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَقَالَ لِعُمَرَ مَرَرْتُ بِكَ وَاَنْتَ تُصَلِّىْ رَافِعًا صَوْتَكَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اُوْقِظُ الْوَسْنَانَ وَاَطْرُدُ الشَّيْطَانَ فَقَالَ النَّبِىُّ ﷺ يَا اَبَابَكْرٍ اِرْفَعْ مِنْ صَوْتِكَ شَيْئًا وَقَالَ لِعُمَرَ اِخْفِضْ مِنْ صَوْتِكَ شَيْئًا. (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابو قتادہؓ سے روایت ہے کہ ایک رات رسول اللہ ﷺ باہر نکلے تو ابو بکرؓ کو دیکھا کہ وہ بالکل آہستہ آہستہ نماز پڑھ رہے ہیں اور عمرؓ پر آپ کا گزر ہوا تو دیکھا کہ وہ خوب بلند آواز سے نماز پڑھ رہے ہیں جب یہ دونوں حضرات (دوسرے کسی وقت) آپ کی خدمت میں ایک ساتھ حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے ابو بکرؓ سے فرمایا کہ میں رات تمہارے پاس سے گزرا تو دیکھا کہ تم بالکل آہستہ نماز پڑھ رہے تھے؟ انہوں نے عرض کیا کہ میں جس کے حضور میں عرض معروض کر رہا تھا بس اس کو میں نے سنا دیا اور اس نے میری سن لی (یعنی اللہ تعالیٰ نے) پھر اسی طرح آپ نے عمرؓ سے فرمایا کہ تمہارے پاس سے میں گزرا تو تم خوب بلند آواز سے نماز پڑھ رہے تھے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ) میں بلند آواز سے قرأت کر کے اونگھتے ہوؤں کو اٹھانا اور شیطان کو بھگانا چاہتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اے ابو بکرؓ تم کسی قدر اونچی آواز سے پڑھا کرو اور عمرؓ سے فرمایا تم کسی قدر ہلکی آواز سے پڑھا کرو۔

تشریح — عام حالات میں یہی مناسب ہے کہ تہجد کی نماز میں قرأت معتدل آواز سے ہو نہ بالکل مخفی ہو نہ بہت زیادہ جہر سے، مندرجہ بالا حدیث کا منشاء یہی ہے، لیکن اگر کسی وقت خاص وجہ سے آہستہ پڑھنا زیادہ مناسب ہو تو وہی بہتر ہوگا اور اس کے برعکس کسی دوسرے وقت اگر بلند آواز سے پڑھنے میں کوئی مصلحت ہو تو اس وقت وہی افضل ہوگا۔

چاشت یا اشراق کے نوافل

جس طرح عشاء کے بعد سے لے کر طلوعِ فجر تک کے طویل وقفہ میں کوئی نماز فرض نہیں کی گئی ہے لیکن اس درمیان میں تہجد کی کچھ رکعتیں پڑھنے کی ترغیب دی گئی ہے اسی طرح فجر سے لے کر ظہر تک کے

طویل وقفہ میں بھی کوئی نماز فرض نہیں کی گئی ہے، مگر اس درمیان میں "صلوٰۃ الضحیٰ" کے عنوان سے کم سے کم دو اور زیادہ سے زیادہ جتنی ہو سکیں نفلی رکعتیں پڑھنے کی ترغیب دی گئی ہے، اگر یہ رکعتیں طلوع آفتاب کے تھوڑی ہی دیر کے بعد پڑھی جائیں تو ان کو اشراق کہا جاتا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ نے ان کی حکمت بیان کرتے ہوئے جو کچھ لکھا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ:

"دن (جو اہل عرب کے نزدیک صبح سے یعنی فجر کے وقت سے شروع ہو جاتا ہے اور جو چار چوتھائیوں میں تقسیم ہے جن کو چار پہر کہتے ہیں) حکمت الٰہی کا تقاضا ہوا کہ دن کے ان چار پہروں میں سے کوئی پہر بھی نماز سے خالی نہ رہے، اس لئے پہلے پہر کے شروع میں نماز فجر فرض کی گئی اور تیسرے اور چوتھے پہر میں ظہر و عصر اور دوسرا پہر جو عوام الناس کی معاشی مشغولیتوں کی رعایت سے فرض نماز سے خالی رکھا گیا تھا اس میں نفل اور مستحب کے طور پر یہ صلوٰۃ الضحیٰ (نماز چاشت) مقرر کر دی گئی ہے، اور اس کے فضائل و برکات بیان کر کر کے اس کی ترغیب دی گئی ہے کہ جو بندگان خدا اپنے مشاغل سے وقت نکال کر اس وقت میں چند رکعتیں پڑھ سکیں وہ یہ سعادت حاصل کریں .... پھر یہ صلوٰۃ الضحیٰ کم سے کم دو رکعت ہے اور اس سے زیادہ کی گنجائش چار رکعت، اور اس سے بھی افضل آٹھ رکعت۔" (حجۃ اللہ البالغہ)

اس تمہید کے بعد صلوٰۃ الضحیٰ سے متعلق چند حدیثیں ذیل میں پڑھی جائیں:

(۲۱۹) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصْبِحُ عَلٰى كُلِّ سُلَامٰى مِنْ اَحَدِكُمْ صَدَقَةٌ فَكُلُّ تَسْبِيْحَةٍ صَدَقَةٌ وَكُلُّ تَحْمِيْدَةٍ صَدَقَةٌ وَكُلُّ تَهْلِيْلَةٍ صَدَقَةٌ وَكُلُّ تَكْبِيْرَةٍ صَدَقَةٌ وَاَمْرٌ بِالْمَعْرُوْفِ صَدَقَةٌ وَنَهْىٌ عَنِ الْمُنْكَرِ صَدَقَةٌ وَيُجْزِئُ مِنْ ذٰلِكَ رَكْعَتَانِ يَرْكَعُهُمَا مِنَ الضُّحٰى — (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ تم میں سے ہر شخص کے جوڑ جوڑ پر صبح کو صدقہ ہے (یعنی صبح کو جب آدمی اس حالت سے اٹھتا ہے کہ اس کے ہاتھ پاؤں وغیرہ اعضاء اور ان کا ہر جوڑ صحیح سلامت ہے تو اللہ کی اس نعمت کے شکریہ میں ہر جوڑ کی طرف سے اس کو صدقہ یعنی کوئی نیکی اور ثواب کا کام کرنا چاہئے اور ایسے کاموں کی فہرست بہت وسیع ہے) پس ایک دفعہ سبحان اللہ کہنا بھی صدقہ ہے، اور الحمد للہ کہنا بھی صدقہ ہے اور لا الٰہ الا اللہ کہنا بھی صدقہ ہے اور اللہ اکبر کہنا بھی صدقہ ہے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی صدقہ ہے، اس شکر کی ادائیگی کے لئے دو رکعتیں کافی ہیں جو آدمی چاشت کے وقت پڑھے۔ (صحیح مسلم)

تشریح .... مطلب یہ ہے کہ آدمی کو اپنے ہر جوڑ کی طرف سے شکرانہ کا جو صدقہ ہر روز صبح کو ادا کرنا چاہئے چاشت کی دو رکعتیں پڑھنے سے وہ پوری طرح ادا ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس مختصر شکرانہ کو اس کے ہر جوڑ کی طرف سے قبول فرما لیتا ہے، اور غالباً اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ نماز ایسی عبادت ہے جس میں انسان کے سارے اعضاء اور اس کے تمام جوڑ اور اس کا ظاہر و باطن سب ہی شریک رہتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

۲۲۰) عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ وَأَبِي ذَرٍّ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى إِنَّهُ قَالَ يَا ابْنَ آدَمَ ارْكَعْ لِي أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ مِنْ أَوَّلِ النَّهَارِ أَكْفِكَ آخِرَهُ ۔ (رواه الترمذي)

ترجمہ: حضرت ابوالدرداء اور حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نقل کیا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: اے فرزند آدم! تو دن کے ابتدائی حصے میں چار رکعتیں میرے لئے پڑھا کر میں دن کے آخری حصے تک تجھے کفایت کروں گا۔ (جامع ترمذی)

تشریح: .... اللہ کا جو بندہ رب کریم کے اس وعدہ پر یقین رکھتے ہوئے صبح یا اشراق یا چاشت کے وقت پورے اخلاص کے ساتھ چار رکعتیں اللہ تعالیٰ کے لئے پڑھے گا، انشاءاللہ اس حدیث قدسی کے مطابق وہ ضرور دیکھے گا کہ مالک الملک دن بھر کے اس کے مسائل کو کس طرح حل فرماتا ہے:-

۲۲۱) عَنْ مُعَاذَةَ قَالَتْ سَأَلْتُ عَائِشَةَ كَمْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي صَلٰوةَ الضُّحٰى ؟ قَالَتْ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ وَيَزِيْدُ مَا شَاءَ اللّٰهُ ۔ (رواه مسلم)

معاذہ عدویہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ رسول اللہ ﷺ چاشت کی نماز کے (کتنی) رکعت پڑھا کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ چار رکعتیں، اور اس سے زیادہ جتنی اللہ چاہتا۔ (صحیح مسلم)

تشریح: .... حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب چاشت کی نماز پڑھتے تھے تو اکثر چار رکعت پڑھتے تھے، اور کبھی کبھی اس سے زیادہ بھی پڑھتے تھے، لیکن خود حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا معمول آٹھ رکعت پڑھنے کا تھا، اور ان کو یہ رکعتیں اتنی محبوب تھیں کہ فرماتی تھیں:۔ "لو نشر لي أبواي ما تركتها" (اگر میرے والدین ماجدین پھر سے دنیا میں بھیج دیئے جائیں تو ان کی زیارت و ملاقات کی پر مسرت مشغولیت میں بھی میں ان رکعتوں کو نہیں چھوڑوں گی)۔

۲۲۲) عَنْ أُمِّ هَانِئٍ قَالَتْ إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ دَخَلَ بَيْتَهَا يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ فَاغْتَسَلَ وَصَلَّى ثَمَانِيَ رَكَعَاتٍ فَلَمْ أَرَ صَلٰوةً قَطُّ أَخَفَّ مِنْهَا غَيْرَ أَنَّهُ يُتِمُّ الرُّكُوْعَ وَالسُّجُوْدَ وَقَالَتْ فِي رِوَايَةٍ أُخْرَى وَذٰلِكَ ضُحًى. (رواه البخاري ومسلم)

ترجمہ: حضرت ام ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے دن ان کے گھر تشریف لائے اور وہاں آپ نے غسل فرمایا اور آٹھ رکعتیں پڑھیں (اور ایسی ہلکی اور مختصر پڑھیں کہ) میں نے کوئی نماز اس سے زیادہ ہلکی نہیں دیکھی، لیکن آپ رکوع سجدہ پوری طرح کرتے تھے۔ اور اسی حدیث کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ یہ وقت چاشت کا تھا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

۲۲۳) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَافَظَ عَلٰى شُفْعَةِ الضُّحٰى غُفِرَتْ لَهُ ذُنُوْبُهُ وَإِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ ۔ (رواه احمد والترمذي وابن ماجه)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جس نے دوگانہ چاشت کا اہتمام کیا اس کے سارے گناہ بخش دیے جائیں گے، اگرچہ وہ کثرت میں سمندر کے جھاگوں کے برابر ہوں۔ (رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ)

تشریح: ...... عبادات یا دوسرے اعمال صالحہ کی برکت سے گناہوں کی بخشش کے بارے میں جو وضاحت پہلے کئی بار کی جا چکی ہے، وہ یہاں بھی ملحوظ رہنی چاہئے۔

۲۲۴) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ اَوْصَانِىْ خَلِيْلِىْ بِثَلَاثٍ بِصِيَامِ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ وَ رَكْعَتَىِ الضُّحٰى وَاَنْ اُوْتِرَ قَبْلَ اَنْ اَرْقُدَ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میرے محبوب ﷺ نے مجھے تین باتوں کی خاص وصیت فرمائی ہے:۔ ایک ہر مہینے تین دن کے روزے، اور چاشت کی دو رکعتیں اور تیسرے یہ کہ میں سونے سے پہلے ہی وتر پڑھ لیا کروں۔ (صحیح مسلم)

۲۲۵) عَنْ اَبِىْ سَعِيْدٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يُصَلِّى الضُّحٰى حَتّٰى نَقُوْلَ لَا يَدَعُهَا وَيَدَعُهَا حَتّٰى نَقُوْلَ لَا يُصَلِّيْهَا. (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ (کبھی کبھی) چاشت کی نماز (اتنے اہتمام اور پابندی سے) پڑھتے تھے کہ ہم کہتے تھے کہ اب غالباً آپ کبھی نہیں چھوڑیں گے (اور برابر پڑھا ہی کریں گے) اور (کبھی کبھی) اس کو (اس طرح) چھوڑ دیتے تھے کہ ہم کہتے تھے کہ اب (غالباً) آپ اس کو نہیں پڑھیں گے۔ (جامع ترمذی)

تشریح: ...... حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کے نماز چاشت نہ پڑھنے کی وجہ ہی بیان کرتے ہوئے ایک موقع پر فرمایا تھا کہ:۔

"رسول اللہ ﷺ بسا اوقات ایسے اعمال بھی ترک فرما دیتے تھے جن کا کرنا آپ کو بہت محبوب ہوتا تھا، اس خطرے کی وجہ سے کہ آپ کو پابندی سے کرتا دیکھ کر آپ کی تقلید اور پیروی میں عام مسلمان بھی اسکو پابندی سے کرنے لگیں تو اس کی فرضیت کا حکم نہ آجائے"

الغرض اشراق اور چاشت جیسے نوافل بسا اوقات آپ اس مصلحت سے ترک کر دیتے تھے، اور ایسے مقصد سے ترک کرنے والے کو ترک کرنے کے زمانہ میں بھی عمل کا ثواب برابر ملتا رہتا ہے، اور ظاہر ہے کہ یہ مصلحت صرف آپ سے مخصوص تھی، کسی دوسرے کا یہ مقام نہیں ہے۔

وہ نوافل جن کا تعلق خاص حالات سے ہے

فرض نمازوں سے پہلے یا بعد میں پڑھے جانے والے نوافل اور اسی طرح تہجد اور اشراق و چاشت یہ سب وہ ہیں جن کے اوقات متعین ہیں، لیکن کچھ نوافل وہ ہیں جن کا تعلق خاص اوقات سے نہیں بلکہ

خاص حالات سے ہے۔ جیسے دوگانہ وضو (جس کو عرف عام میں تحیۃ الوضو کہتے ہیں) یا تحیۃ المسجد، اسی طرح صلوٰۃ حاجت، صلوٰۃ توبہ اور نمازِ استخارہ وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ ان میں سے کسی کا بھی کوئی وقت معین نہیں ہے، بلکہ جس وقت بھی وہ حالات یا ضروریات پیش آئیں جن سے ان نوافل کا تعلق ہے، یہ اسی وقت پڑھے جاتے ہیں۔ ان میں سے تحیۃ الوضو سے متعلق حدیثیں وضو کے بیان میں ذکر کی جاچکی ہیں۔ اسی طرح تحیۃ المسجد سے متعلق احادیث بھی "مساجد کی اہمیت و فضیلت" کے بیان میں مذکور ہوچکی ہیں۔ ان کے علاوہ اس نوع کے باقی نوافل سے متعلق حدیثیں ذیل میں پڑھئے۔

صلوٰۃ استغفار

۲۲۶) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو بَكْرٍ وَصَدَقَ أَبُو بَكْرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ مَا مِنْ رَجُلٍ يُذْنِبُ ذَنْبًا ثُمَّ يَقُومُ فَيَتَطَهَّرُ ثُمَّ يُصَلِّي ثُمَّ يَسْتَغْفِرُ اللَّهَ إِلَّا غَفَرَ اللَّهُ لَهُ ثُمَّ قَرَأَ " وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ " (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ سے ابو بکرؓ نے بیان فرمایا (جو بلاشبہ صادق و صدیق ہیں) کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپؐ فرماتے تھے: جس شخص سے کوئی گناہ ہو جائے پھر وہ اٹھ کر وضو کرے، پھر نماز پڑھے، پھر اللہ سے مغفرت اور معافی طلب کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرما ہی دیتا ہے۔ اس کے بعد آپؐ نے قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت فرمائی۔ وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ... الآية۔ (جامع ترمذی)

تشریح: — یہ آیت جو رسول اللہ ﷺ نے گناہوں کی مغفرت کے سلسلہ میں اس موقع پر تلاوت فرمائی سورۂ آل عمران کی ہے، اوپر اللہ کے ان متقی بندوں کا ذکر ہے جن کے لئے جنت خاص طور سے تیار کی گئی ہے۔ اس کے بعد یہ آیت ہے۔

وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ وَمَنْ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ وَلَمْ يُصِرُّوا عَلَىٰ مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۔ أُولَٰئِكَ جَزَاؤُهُمْ مَغْفِرَةٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَجَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ ۔ (آل عمران: ۱۳۵، ۱۳۶)

(اور وہ بندے (جن کا حال یہ ہے کہ) جب ان سے کوئی گندہ گناہ ہو جاتا ہے یا کوئی برا کام کرکے وہ اپنے اوپر ظلم کر بیٹھتے ہیں، تو جلد ہی انہیں اللہ یاد آجاتا ہے اور وہ اس سے اپنے گناہوں کی مغفرت اور معافی کے طالب ہوتے ہیں۔ اور اللہ کے سوا کون ہے گناہوں کا معاف کرنے والا۔ اور وہ دیدہ و دانستہ اپنے کیے پر اصرار نہیں کرتے، ایسے لوگوں کی جزا بخشش اور معافی ہے ان کے رب کی طرف سے اور بہشتی باغات جن کے نیچے نہریں جاری ہیں وہاں میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، کیا اچھا بدلہ ہے عمل کرنے والوں کا)

اس آیت میں ان گنہگار بندوں کے لئے مغفرت اور جنت کی بشارت ہے جنہوں نے معصیت کو عادت اور

پیشہ نہیں بنایا ہے، بلکہ ان کا حال یہ ہے کہ جب ان سے کوئی بڑا یا چھوٹا گناہ ہو جاتا ہے تو وہ اس پر نادم ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر اس سے مغفرت اور معافی کے طالب ہوتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور معافی حاصل کرنے کا بہترین اور یقینی طریقہ یہ ہے کہ بندہ وضو کر کے پہلے دو رکعت نماز پڑھے اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی بخشش اور معافی طلب کرے، اگر وہ ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کی بخشش کا فیصلہ فرما ہی دے گا۔

صلوٰۃ الحاجۃ

(۲۲۷) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِىْ اَوْفٰى قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ كَانَتْ لَهٗ حَاجَةٌ اِلَى اللّٰهِ اَوْ اِلٰى اَحَدٍ مِّنْ بَنِىْ اٰدَمَ فَلْيَتَوَضَّأْ فَلْيُحْسِنِ الْوُضُوْءَ ثُمَّ لِيُصَلِّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ لِيُثْنِ عَلَى اللّٰهِ تَعَالٰى وَلْيُصَلِّ عَلَى النَّبِىِّ ﷺ ثُمَّ لِيَقُلْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ. سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اَسْئَلُكَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِكَ وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ وَالْغَنِيْمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ وَّالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ اِثْمٍ لَا تَدَعْ لِىْ ذَنْبًا اِلَّا غَفَرْتَهٗ وَلَا هَمًّا اِلَّا فَرَّجْتَهٗ وَلَا حَاجَةً هِىَ لَكَ رِضًا اِلَّا قَضَيْتَهَا يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ. (رواه الترمذى و ابن ماجه)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کو کوئی حاجت اور ضرورت ہو اللہ تعالیٰ سے متعلق یا کسی آدمی سے متعلق (یعنی خواہ وہ حاجت ایسی ہو جس کا تعلق براہ راست اللہ تعالیٰ ہی سے ہو کسی بندے سے اس کا واسطہ ہی نہ ہو، یا ایسا معاملہ ہو کہ بظاہر اس کا تعلق کسی بندے سے ہو، بہر صورت) اس کو چاہئے کہ وہ وضو کرے اور خوب اچھا وضو کرے، اس کے بعد دو رکعت نماز پڑھے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی کچھ حمد و ثناء کرے اور اس کے نبی (علیہ السلام) پر درود بھیجے، پھر اللہ کے حضور میں اس طرح عرض کرے:

"**لا الٰہ الا اللہ الحلیم الکریم** .... (اللہ کے سوا کوئی مالک و معبود نہیں، وہ بڑے حلم والا اور بڑا کریم ہے، پاک اور مقدس ہے وہ اللہ جو عرش عظیم کا بھی رب اور مالک ہے، ساری حمد و ستائش اس اللہ کے لئے ہے جو سارے جہانوں کا رب ہے۔ اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں ان اعمال اور ان اخلاق و احوال کا جو تیری رحمت کا موجب اور وسیلہ اور تیری مغفرت اور بخشش کا پکا ذریعہ بنیں، اور تجھ سے طالب ہوں ہر نیکی سے فائدہ اٹھانے اور حصہ لینے کا اور ہر گناہ اور معصیت سے سلامتی اور حفاظت کا۔ خداوندا! میرے سارے ہی گناہ بخش دے اور میری ہر فکر اور پریشانی دور کر دے اور میری ہر حاجت جس سے تو راضی ہو اس کو پورا فرما دے۔ اے ارحم الراحمین سب مہربانوں سے بڑے مہربان۔!!! (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

تشریح: یہ ایک حقیقت ہے کہ جس میں کسی مؤمن کے لئے کوئی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ مخلوقات کی ساری حاجتیں اور ضرورتیں اللہ کے اور صرف اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں، اور بظاہر جو کام بندوں کے

ہاتھوں سے ہوتے دکھائی دیتے ہیں در اصل وہ بھی اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں اور اسی کے حکم سے انجام پاتے ہیں۔ اور صلوٰۃ حاجۃ کا جو طریقہ رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں تعلیم فرمایا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجتیں پوری کرانے کا بہترین اور معتمد ترین طریقہ ہے، اور جن بندوں کو ان ایمانی حقیقتوں پر یقین نصیب ہے ان کا یہی تجربہ ہے اور انہوں نے "صلوٰۃ حاجت" کو خزائن الٰہیہ کی کنجی پایا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں ان حاجتوں کے لئے بھی صلوٰۃ حاجت تعلیم فرمائی ہے جن کا تعلق بظاہر کسی بندے سے ہو۔ اس کا ایک خاص فائدہ یہ بھی ہے کہ جب بندہ اپنی ایسی حاجات کے لئے بھی صلوٰۃ حاجت پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے اس طرح دعا کرے گا تو اس کا یہ عقیدہ اور یقین اور زیادہ مستحکم ہو جائے گا کہ کام کرنے اور بنانے والا در اصل وہ بندہ نہیں ہے، نہ اس کے کچھ اختیار میں ہے، بلکہ سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے اور وہ بندہ اللہ تعالیٰ کا صرف آلۂ کار ہے، اس کے بعد جب وہ کسی بندے کے ہاتھ سے کام ہوتا ہوا بھی دیکھے گا تو اس کے توحیدی عقیدے میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔

(۲۲۸) عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا حَزَبَهُ أَمْرٌ صَلّٰى . (رواہ ابو داؤد)

[illegible] حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا مستقل معمول اور دستور تھا کہ جب کوئی فکر آپ کو لاحق ہوتی اور کوئی اہم معاملہ پیش آتا تو آپ نماز میں مشغول ہو جاتے۔

قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے:۔ "اِسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ" (مشکلات اور مہمات میں ہمت و برداشت اور نماز کے ذریعہ اللہ کی مدد حاصل کرو) اس خداوندی تعلیم و ہدایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ کا یہ معمول تھا کہ ہر مشکل اور مہم میں اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل کرنے کے لئے آپ ﷺ نماز میں مشغول ہو جاتے تھے اور امت کو اس کا تفصیلی طریقہ آپ ﷺ نے وہ تعلیم فرمایا جو حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ والی اوپر کی حدیث میں مذکور ہوا۔

صلوٰۃ استخارہ

بندوں کا علم ناقص ہے بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کوئی بندہ ایک کام کرنا چاہتا ہے اور اس کا انجام اس کے حق میں اچھا نہیں ہوتا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے لئے [illegible] تعلیم فرمائی اور بتایا کہ جب کوئی خاص اور اہم کام در پیش ہو تو دو رکعت نماز پڑھ کے اللہ تعالیٰ سے رہنمائی اور توفیق خیر کی دعا کر لیا کرو۔

(۲۲۹) عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُعَلِّمُنَا الْاِسْتِخَارَةَ فِي الْاُمُوْرِ كَمَا يُعَلِّمُنَا السُّوْرَةَ مِنَ الْقُرْاٰنِ يَقُوْلُ إِذَا هَمَّ اَحَدُكُمْ بِالْاَمْرِ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ مِنْ غَيْرِ الْفَرِيْضَةِ ثُمَّ لِيَقُلْ . اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْتَخِيْرُكَ بِعِلْمِكَ وَاَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَاَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيْمِ فَاِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ . اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ خَيْرٌ لِّيْ فِيْ دِيْنِيْ وَمَعَاشِيْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِيْ (اَوْ قَالَ فِيْ عَاجِلِ اَمْرِيْ وَاٰجِلِهٖ) فَاقْدُرْهُ لِيْ وَيَسِّرْهُ لِيْ ثُمَّ

بَارِكْ لِيْ فِيْهِ وَاِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ شَرٌّ لِّيْ فِيْ دِيْنِيْ وَمَعَاشِيْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِيْ (اَوْقَالَ فِيْ عَاجِلِ اَمْرِيْ وَاٰجِلِهِ) فَاصْرِفْهُ عَنِّيْ وَاصْرِفْنِيْ عَنْهُ وَاقْدِرْ لِيَ الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ ثُمَّ اَرْضِنِيْ بِهٖ قَالَ وَيُسَمِّيْ حَاجَتَهٗ .

(رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہم کو اپنے معاملات میں استخارہ کرنے کا طریقہ اسی اہتمام سے سکھاتے تھے جس اہتمام سے قرآن مجید کی سورتوں کی تعلیم فرماتے تھے۔ آپ ﷺ ہم کو بتاتے تھے کہ جب تم میں سے کوئی شخص کسی کام کا ارادہ کرے (اور اس کے انجام کے بارے میں فکر مند ہو تو اس کو اس طرح استخارہ کرنا چاہئے) پہلے دو رکعت نفل پڑھے اس کے بعد اللہ کے حضور میں اس طرح عرض کرے: اللهم انی استخیرک بعلمک و استقدرک بقدرتک .... (اے میرے اللہ! میں تجھ سے تیری صفت علم کے وسیلے سے خیر اور بھلائی کی رہنمائی چاہتا ہوں، اور تیری صفت قدرت کے ذریعہ تجھ سے قدرت کا طالب ہوں، اور تیرے عظیم فضل کی بھیک مانگتا ہوں، کیونکہ تو قادر مطلق ہے اور میں بالکل عاجز ہوں اور تو علیم کل ہے اور میں حقائق سے بالکل ناواقف ہوں، اور تو سارے غیبوں سے بھی باخبر ہے، پس اے میرے اللہ! اگر تیرے علم میں یہ کام میرے لئے بہتر ہو، میرے دین، میری دنیا اور میری آخرت کے لحاظ سے تو اس کو میرے لئے مقدر کر دے اور آسان بھی فرما دے اور پھر اس میں میرے لئے برکت بھی دے۔ اور اگر تیرے علم میں یہ کام میرے لئے برا ہے (اور اس کا نتیجہ خراب نکلنے والا ہے) میرے دین، میری دنیا اور میری آخرت کے لحاظ سے تو اس کام کو مجھ سے الگ رکھ اور مجھے اس سے روک دے اور میرے لئے خیر و بھلائی کو مقدر فرما دے، وہ جہاں اور جس کام میں ہو، پھر مجھے اس خیر والے کام کے ساتھ راضی اور مطمئن کر دے۔ راوی کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ۔

جس کام کے بارے میں استخارہ کرنے کی ضرورت ہو استخارہ کی دعا کرتے ہوئے صراحۃً اس کا نام لے۔

تشریح ..... جیسا کہ اس دعا کے مضمون سے ظاہر ہے استخارہ کی حقیقت اور اس کی روح یہ ہے کہ بندہ اپنی عاجزی اور بے علمی کا احساس و اعتراف کرتے ہوئے اپنے علیم کل اور قادر مطلق مالک سے رہنمائی اور مدد چاہتا ہے اور اپنے معاملہ کو اس کے حوالے کر دیتا ہے کہ جو اس کے نزدیک بہتر ہو بس وہی کر دے، اس طرح گویا وہ اپنے مقصد کو اللہ کی مرضی میں فنا کر دیتا ہے، اور جب اس کی یہ دعا دل سے ہو جیسے کہ ہونا چاہئے تو ہو نہیں سکتا کہ اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے کی رہنمائی اور مدد نہ فرمائے۔ حدیث میں اس کا کوئی اشارہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رہنمائی بندے کو کس طرح حاصل ہو گی، لیکن اللہ تعالیٰ کے بندوں کا تجربہ ہے کہ یہ رہنمائی بسا اوقات خواب وغیرہ میں کسی غیبی اشارہ کے ذریعہ بھی ہوتی ہے، اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ آپ سے آپ اس کام کے کرنے کا جذبہ اور داعیہ دل میں بڑھ جاتا ہے یا اس کے برعکس اس کی طرف سے دل بالکل ہٹ جاتا ہے، ایسی صورت میں ان دونوں کیفیتوں کو منجانب اللہ اور دعا کا نتیجہ سمجھنا چاہئے، اور اگر استخارہ

کے بعد تذبذب کی کیفیت رہے تو استخارہ بار بار کیا جائے اور جب تک کسی طرف رجحان نہ ہو جائے اقدام نہ کیا جائے۔

بہر حال یہ صلوٰۃ استغفار، صلوٰۃ حاجت اور صلوٰۃ استخارہ عظیم نعمتیں ہیں جو اس امت کو رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ ملی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو ان سے فائدہ اٹھانے کی توفیق دے۔

صلوٰۃ التسبیح

(۲۲۰) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لِلْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ يَا عَبَّاسُ يَا عَمَّاهُ اَلَا اُعْطِيْكَ اَلَا اَمْنَحُكَ اَلَا اُخْبِرُكَ اَلَا اَفْعَلُ بِكَ عَشْرَ خِصَالٍ اِذَا اَنْتَ فَعَلْتَ ذٰلِكَ غَفَرَاللّٰهُ لَكَ ذَنْبَكَ اَوَّلَهٗ وَاٰخِرَهٗ قَدِيْمَهٗ وَحَدِيْثَهٗ خَطَأَهٗ وَعَمَدَهٗ صَغِيْرَهٗ وَكَبِيْرَهٗ سِرَّهٗ وَعَلَانِيَتَهٗ اَنْ تُصَلِّيَ اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ تَقْرَءُ فِيْ كُلِّ رَكْعَةٍ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَسُوْرَةً فَاِذَا فَرَغْتَ مِنَ الْقِرَاءَةِ فِيْ اَوَّلِ رَكْعَةٍ وَاَنْتَ قَائِمٌ قُلْتَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ خَمْسَ عَشْرَةَ مَرَّةً ثُمَّ تَرْكَعُ فَتَقُوْلُهَا وَاَنْتَ رَاكِعٌ عَشْرًا ثُمَّ تَرْفَعُ رَأْسَكَ مِنَ الرُّكُوْعِ فَتَقُوْلُهَا عَشْرًا ثُمَّ تَهْوِيْ سَاجِدًا فَتَقُوْلُهَا وَاَنْتَ سَاجِدٌ عَشْرًا ثُمَّ تَرْفَعُ رَأْسَكَ مِنَ السُّجُوْدِ فَتَقُوْلُهَا عَشْرًا ثُمَّ تَسْجُدُ فَتَقُوْلُهَا عَشْرًا ثُمَّ تَرْفَعُ رَأْسَكَ مِنَ السُّجُوْدِ فَتَقُوْلُهَا عَشْرًا

فَذَالِكَ خَمْسٌ وَّسَبْعُوْنَ فِيْ كُلِّ رَكْعَةٍ تَفْعَلُ ذٰلِكَ فِيْ اَرْبَعِ رَكَعَاتٍ اِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تُصَلِّيَهَا فِيْ كُلِّ يَوْمٍ مَرَّةً فَافْعَلْ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَفِيْ كُلِّ جُمُعَةٍ مَرَّةً فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَفِيْ كُلِّ سَنَةٍ مَرَّةً فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَفِيْ عُمُرِكَ مَرَّةً۔

(رواہ ابو داؤد و ابن ماجۃ والبیہقی فی الدعوات الکبیر، وروی الترمذی عن ابی رافع نحوہ)

تشریح حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن اپنے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب سے فرمایا۔ اے عباس، اے میرے محترم چچا! کیا میں آپ کی خدمت میں ایک گراں قدر عطیہ اور ایک قیمتی تحفہ پیش کروں؟ کیا میں آپ کو ایک خاص بات بتاؤں؟ کیا میں آپ کے دس کام اور آپ کی دس خدمتیں کروں (یعنی آپ کو ایک ایسا عمل بتاؤں جس سے آپ کو دس عظیم الشان منفعتیں حاصل ہوں، وہ ایسا عمل ہے کہ) جب آپ اسکو کریں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کے سارے گناہ معاف فرما دے گا اگلے بھی اور پچھلے بھی، صغیرہ بھی اور کبیرہ بھی، ڈھکے چھپے بھی اور علانیہ ہونے والے بھی (وہ عمل صلوٰۃ التسبیح ہے، اور اس کا طریقہ یہ ہے) آپ چار رکعت نماز پڑھیں اور ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ اور دوسری کوئی سورت پڑھیں، پھر جب آپ پہلی رکعت میں قرأت سے فارغ ہو جائیں تو قیام ہی کی حالت میں پندرہ دفعہ کہیں سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ پھر اس کے بعد رکوع کریں اور رکوع میں بھی یہی کلمہ دس دفعہ پڑھیں، پھر رکوع سے اٹھ کر قومہ میں بھی یہی کلمہ دس دفعہ کہیں، پھر سجدہ میں چلے جائیں اور اس میں یہ کلمہ دس دفعہ کہیں،

پھر سجدے سے اٹھ کر جلسہ میں یہی کلمہ دس دفعہ کہیں، پھر دوسرے سجدہ میں بھی یہی کلمہ دس دفعہ کہیں، پھر دوسرے سجدے کے بعد بھی (کھڑے ہونے سے پہلے) یہ کلمہ دس دفعہ کہیں، چاروں رکعتیں اسی طرح پڑھیں اور اس ترتیب سے ہر رکعت میں یہ کلمہ پچھتر دفعہ کہیں۔ (میرے چچا) اگر آپ سے ہو سکے تو روزانہ یہ نماز پڑھا کریں اور اگر روزانہ نہ پڑھ سکیں تو ہر جمعہ کے دن پڑھ لیا کریں اور اگر آپ یہ بھی نہ کر سکیں تو سال میں ایک دفعہ پڑھ لیا کریں اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو کم از کم زندگی میں ایک دفعہ پڑھ ہی لیں۔ [illegible]

تشریح ... کتب حدیث میں صلوٰۃ التسبیح کی تعلیم و تلقین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد صحابہ کرامؓ سے روایت کی گئی ہے۔ امام ترمذی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم اور آزاد کردہ غلام حضرت ابو رافعؓ کی روایت اپنی سند سے نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ان کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن عمروؓ اور فضل بن عباسؓ نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے اپنی کتاب "الخصال المکفرۃ" میں ابن الجوزی کا رد کرتے ہوئے ❶ صلوٰۃ التسبیح کی روایات اور ان کی سندی حیثیت پر تفصیل سے کلام کیا ہے اور ان کی بحث کا حاصل یہ ہے کہ یہ حدیث کم از کم "حسن" یعنی صحت کے لحاظ سے دوم درجہ کی ضرور ہے، اور بعض تابعین اور تبع تابعین حضرات سے (جن میں عبداللہ بن مبارک جیسے جلیل القدر امام بھی شامل ہیں) صلوٰۃ التسبیح کا پڑھنا اور اس کی فضیلت بیان کر کے لوگوں کو اس کی ترغیب دینا بھی ثابت ہے اور یہ اس کا واضح ثبوت ہے کہ ان حضرات کے نزدیک بھی "صلوٰۃ التسبیح" کی تلقین اور ترغیب کی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت تھی اور زمانہ مابعد میں تو یہ صلوٰۃ التسبیح اکثر صالحین امت کا معمول رہا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ نے اس نماز کے بارے میں ایک خاص نکتہ لکھا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نمازوں میں (خاص کر نفلی نمازوں میں) بہت سے اذکار اور دعائیں ثابت ہیں۔ اللہ کے جو بندے ان اذکار اور دعاؤں پر ایسے قابو یافتہ نہیں ہیں کہ اپنی نمازوں میں ان کو پوری طرح شامل کر سکیں اور اس وجہ سے ان اذکار و دعوات والی کامل ترین نماز سے وہ بے نصیب رہتے ہیں ان کے لئے یہی صلوٰۃ التسبیح اس کامل ترین نماز کے قائم مقام ہو جاتی ہے، کیونکہ اس میں اللہ کے ذکر اور تسبیح و تحمید کی بہت بڑی مقدار شامل کر دی گئی ہے، اور چونکہ ایک ہی کلمہ بار بار پڑھا جاتا ہے اس لئے عوام کے لئے بھی اس نماز کا پڑھنا مشکل نہیں ہے۔ صلوٰۃ التسبیح کا جو طریقہ اور اس کی جو ترتیب امام ترمذی وغیرہ نے حضرت عبداللہ بن مبارک سے روایت کی ہے اس میں دوسری عام نمازوں کی طرح قرأت سے پہلے ثناء یعنی سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اور رکوع میں سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ اور سجدہ میں سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى پڑھنے کا بھی ذکر ہے اور ہر رکعت کے قیام میں قرأت سے پہلے کلمہ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ پندرہ دفعہ، اور

---

❶ علامہ ابن الجوزی جن کا تشدد احادیث کے بارے میں مشہور و معروف ہے اور جو بہت سی ایسی حدیثوں کو بھی موضوع کہہ دیتے ہیں جو دوسرے محدثین کے نزدیک ثابت ہیں۔ انہوں نے صلوٰۃ التسبیح کی ترغیب اور تلقین والی اس حدیث کو موضوع کہا ہے۔ حافظ ابن حجر نے اپنی کتاب "الخصال المکفرۃ" میں ان ہی تفصیل سے اس کا رد کیا ہے۔ ۱۲

قرأت کے بعد رکوع میں جانے سے پہلے یہی کلمہ دس دفعہ پڑھنے کا ذکر بھی ہے، اسی طرح ہر رکعت کے قیام میں یہ کلمہ پچیس دفعہ ہو جائے گا، اور اس طریقہ میں دوسرے سجدے کے بعد یہ کلمہ کسی رکعت میں بھی نہیں پڑھا جائے گا، اس طرح اس طریقے کی ہر رکعت میں بھی اس کلمہ کی مجموعی تعداد پچھتر اور چاروں رکعتوں کی مجموعی تعداد تین سو ہی ہوگی۔ بہرحال صلوٰۃ التسبیح کے یہ دونوں ہی طریقے منقول اور معمول ہیں۔ پڑھنے والے کے لئے گنجائش ہے جس طرح چاہے پڑھے۔

صلوٰۃ التسبیح کی خاص برکت

نماز کے ذریعہ گناہوں کے معاف ہونے اور معصیت کے گندے اثرات کے زائل ہونے کا ذکر تو اصولی طور پر قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے۔

أَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ اللَّيْلِ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ (سورۂ ہود ١١: ١١٤)

لیکن اس تاثیر میں صلوٰۃ التسبیح کا جو خاص مقام اور درجہ ہے وہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی مندرجہ بالا حدیث میں پوری صراحت کے ساتھ ذکر کر دیا گیا ہے، یعنی یہ کہ اس کی برکت سے بندہ کے اگلے، پچھلے، پرانے، نئے، دانستہ، نادانستہ، صغیرہ، کبیرہ، پوشیدہ، علانیہ، سارے ہی گناہ اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتا ہے۔ اور سنن ابی داؤد کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ایک صحابی (عبداللہ بن عمروؓ) کو صلوٰۃ التسبیح کی تلقین کرنے کے بعد ان سے فرمایا۔

"فَإِنَّكَ لَوْ كُنْتَ أَعْظَمَ أَهْلِ الْأَرْضِ ذَنْبًا غُفِرَ لَكَ بِذٰلِكَ"

"تم اگر بالفرض دنیا کے سب سے بڑے گناہگار ہو گے تو بھی اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرما دے گا"

اللہ تعالیٰ محرومی سے حفاظت فرمائے اور اپنے ان خوش نصیب بندوں میں سے کر دے جو رحمت و مغفرت کے ایسے اعلانات کو سن کر ان سے فائدہ اٹھاتے اور ان کا حق ادا کرتے ہیں۔

نوافل کا ایک خاص فائدہ

صلوٰۃ التسبیح پر نفل نمازوں کا بیان ختم ہو چکا، اس کا تتمہ [illegible] کی ایک حدیث اور پڑھ لی جائے

(٢٣١) **عَنْ حُرَيْثِ بْنِ قَبِيْصَةَ قَالَ قَدِمْتُ الْمَدِيْنَةَ فَقُلْتُ اللّٰهُمَّ يَسِّرْ لِيْ جَلِيْسًا صَالِحًا فَجَلَسْتُ إِلٰى أَبِيْ هُرَيْرَةَ فَقُلْتُ إِنِّيْ سَأَلْتُ اللّٰهَ أَنْ يَرْزُقَنِيْ جَلِيْسًا صَالِحًا فَحَدِّثْنِيْ بِحَدِيْثٍ سَمِعْتَهُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ لَعَلَّ اللّٰهَ أَنْ يَنْفَعَنِيْ بِهِ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ إِنَّ أَوَّلَ مَا يُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنْ عَمَلِهِ صَلٰوتُهُ فَإِنْ صَلُحَتْ فَقَدْ أَفْلَحَ وَأَنْجَحَ وَإِنْ فَسَدَتْ فَقَدْ خَابَ وَخَسِرَ فَإِنِ انْتَقَصَ مِنْ فَرِيْضَتِهِ شَيْئًا قَالَ الرَّبُّ تَعَالٰى اُنْظُرُوْا هَلْ لِعَبْدِيْ مِنْ تَطَوُّعٍ؟ فَيُكَمَّلُ بِهِ مَا انْتَقَصَ مِنَ الْفَرِيْضَةِ ثُمَّ يَكُوْنُ سَائِرُ أَعْمَالِهِ عَلٰى ذٰلِكَ** (رواہ الترمذی و النسائی)

حریث بن قبیصہ تابعی بیان کرتے ہیں کہ میں مدینہ طیبہ آیا تو میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ: اے اللہ! مجھے اپنے کسی صالح بندے کی صحبت میسر فرما! پھر میں حضرت ابوہریرہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے ان سے کہا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی تھی کہ مجھے کسی صالح بندے کی صحبت نصیب فرما (اور میں اب آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں) آپ مجھے کوئی ایسی حدیث سنائیں جو آپ نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنی ہو، مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو میرے لئے نفع مند بنائے گا، تو حضرت ابوہریرہؓ نے یہ حدیث سنائی۔ فرمایا کہ: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپؐ فرماتے تھے کہ قیامت کے دن بندے کے اعمال میں سے سب سے پہلے نماز کا حساب ہوگا اور اس کی نماز جانچی جائے گی، پس اگر وہ ٹھیک نکلی تو بندہ فلاح یاب اور کامیاب ہو جائیگا اور اگر وہ خراب نکلی تو بندہ ناکام اور نامراد ہو جائے گا پھر اگر اس کے فرائض میں کچھ کمی ہوئی تو رب کریم فرمائے گا کہ دیکھو کیا میرے بندے کے ذخیرۂ اعمال میں فرائض کے علاوہ کچھ نیکیاں (سنتیں یا نوافل) ہیں؟ تاکہ ان سے اس کے فرائض کی کمی پوری ہو سکے۔ پھر نماز کے علاوہ باقی اعمال کا حساب بھی اسی طرح ہوگا۔

سنن و نوافل کی افادیت اور اہمیت کے لئے تنہا یہ حدیث کافی ہے۔

خاص اجتماعی نمازیں جو امت مسلمہ کا شعار ہیں

جمعہ و عیدین

دن رات کی پانچوں فرض نمازیں جن کے با جماعت پڑھنے کا حکم ہے، اور ان کے علاوہ وہ سنن و نوافل جو انفرادی طور پر ہی پڑھے جاتے ہیں ان سب کے متعلق رسول اللہ ﷺ کے ارشادات اور معمولات سابق میں ذکر کئے جا چکے۔ ان کے علاوہ چند نمازیں اور ہیں جو صرف اجتماعی طور پر ہی ادا کی جاتی ہیں اور وہ اپنی مخصوص نوعیت اور امتیازی شان کی وجہ سے اس امت کا گویا شعار ہیں، ان میں سے ایک نماز جمعہ ہے جو ہفتہ وار ہے اور عید الفطر و عید الاضحیٰ کی نمازیں ہیں جو سال میں ایک دفعہ ادا کی جاتی ہیں۔ فرائض پنجگانہ کے جماعت سے ادا کرنے میں جو مصالح اور منافع ہیں (جن کا ذکر اپنے موقع پر کیا جا چکا ہے) وہ سب کے سب وسیع تر پیمانے پر جمعہ اور عیدین کی نمازوں سے بھی حاصل ہوتے ہیں اور ان کے علاوہ کچھ اور حکمتیں اور مصلحتیں بھی ہیں، جو صرف ان ہفتہ وار اور سالانہ اجتماعی نمازوں ہی سے وابستہ ہیں، پہلے جمعہ کے بارے میں چند اشارات کئے جاتے ہیں، امید ہے کہ اس باب کی احادیث کا مقصد و منشاء سمجھنے میں ان شاء اللہ ان اشارات سے ناظرین کو خاص رہنمائی حاصل ہوگی۔

روزانہ پانچوں وقت کی جماعت میں ایک محدود حلقہ یعنی ایک محلہ ہی کے مسلمان جمع ہو سکتے ہیں اس لئے ہفتہ میں ایک دن ایسا رکھ دیا گیا۔ جس میں پورے شہر اور مختلف محلوں کے مسلمان ایک خاص نماز کے

جمعہ کے دن کا خصوصی وظیفہ درود شریف

۲۳۳) عَنْ أَوْسِ بْنِ أَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِنَّ مِنْ أَفْضَلِ أَيَّامِكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فِيْهِ خُلِقَ اٰدَمُ وَ فِيْهِ قُبِضَ وَفِيْهِ النَّفْخَةُ وَفِيْهِ الصَّعْقَةُ فَأَكْثِرُوْا عَلَيَّ مِنَ الصَّلٰوةِ فِيْهِ فَإِنَّ صَلٰوتَكُمْ مَعْرُوْضَةٌ عَلَيَّ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَكَيْفَ تُعْرَضُ صَلٰوتُنَا عَلَيْكَ وَقَدْ أَرِمْتَ ؟ قَالَ يَقُوْلُوْنَ بَلِيْتَ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ.

(رواه ابو داؤد والنسائی وابن ماجہ والدارمی والبیہقی فی الدعوات الکبیر)

ترجمہ: حضرت اوس بن اوس ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جمعہ کا دن افضل ترین دنوں میں سے ہے، اسی میں آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی، اسی میں ان کی وفات ہوئی۔ اسی میں قیامت کا صور پھونکا جائے گا، اور اسی میں موت اور فنا کی بیہوشی ہو گی جس سے ساری مخلوقات پر طاری ہو گی۔ لہٰذا تم لوگ جمعہ کے دن مجھ پر درود کی کثرت کیا کرو، کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش ہوتا ہے اور پیش ہوتا رہے گا۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! (آپ کے وفات فرما جانے کے بعد) ہمارا درود آپ پر کیسے پیش ہو گا، آپ کا جسد اطہر تو قبر میں ریزہ ریزہ ہو چکا ہو گا؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کے جسموں کو زمین پر حرام کر دیا ہے (یعنی موت کے بعد بھی ان کے اجسام قبروں میں بالکل صحیح سالم رہتے ہیں اور زمین ان میں کوئی تغیر پیدا نہیں کر سکتی۔)

[illegible]

تشریح — اوپر والی حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث کی طرح حضرت اوس بن اوس ثقفی کی اس حدیث میں بھی جمعہ کے دن میں واقع ہونے والے اہم اور غیر معمولی واقعات کا ذکر کر کے جمعہ کی اہمیت و فضیلت بیان کی گئی ہے اور مزید یہ فرمایا گیا ہے کہ اس مبارک اور محترم دن میں درود زیادہ پڑھنا چاہئے۔ گویا جس طرح رمضان المبارک کا خاص وظیفہ تلاوت قرآن پاک ہے اور اس کو رمضان المبارک سے خاص مناسبت ہے اور جس طرح حج کا خاص وظیفہ تلبیہ لبیک اللھم لبیک ہے، اسی طرح جمعہ کے مبارک دن کا خاص وظیفہ اس حدیث کی رو سے درود شریف ہے، جمعہ کے دن خصوصیت سے اس کی کثرت کرنی چاہئے۔

وفات کے بعد آپ ﷺ پر درود کی پیشی اور مسئلہ حیات انبیاء

درود شریف کی کثرت کا حکم دیتے ہوئے اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا انتظام ہے کہ امت کا درود میرے پاس پہنچایا جاتا ہے اور میرے سامنے پیش کیا جاتا ہے اور یہ انتظام اس دنیا سے میرے جانے کے بعد بھی اسی طرح قائم رہے گا (بعض دوسری حدیثوں میں یہ بھی ذکر ہے کہ درود آپ ﷺ کے پاس فرشتے پہنچاتے ہیں)، اس پر بعض صحابہ کرامؓ کے دل میں یہ سوال پیدا ہوا کہ اس وقت تک جب کہ آپ ﷺ اس دنیا میں رونق افروز ہیں آپ ﷺ کے پاس ملائکہ کا آنا اور درود وغیرہ پہنچانا اور پیش کرنا معلوم ہے اور سمجھ میں آتا ہے، لیکن آپ کی وفات کے بعد جب آپ قبر میں دفن

ہے کہ:-

"ان دونوں باتوں کا مقصد بھی حتمی تعیین نہیں ہے، بلکہ منشاء صرف یہ ہے کہ خطبہ اور نماز کا وقت چونکہ بندگانِ خدا کی توجہ الی اللہ اور عبادت و دعا کا خاص وقت ہے اس لئے اس کی امید کی جاسکتی ہے کہ وہ ساعت اسی وقت میں ہو، اور اسی طرح چونکہ عصر کے بعد سے غروب تک کا وقت نزولِ قضا کا وقت ہے اور وہ پورے دن کا گویا نچوڑ ہے اس لئے اس وقت بھی توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ ساعت غالباً اس مبارک وقت میں ہو۔"

بعض حضرات نے لکھا ہے کہ:- "جمعہ کے دن کی اس خاص ساعت کو اسی طرح اور اسی مصلحت سے مبہم رکھا گیا ہے جس طرح اور جس مصلحت سے شب قدر کو مبہم رکھا گیا ہے، پھر جس طرح رمضان مبارک کے عشرہ اخیر کی طاق راتوں اور خاص کر ستائیسویں شب کی طرف شب قدر کے بارے میں کچھ اشارات بعض حدیثوں میں کئے گئے ہیں اسی طرح جمعہ کے دن کی اس ساعت اجابت کے لئے نماز و خطبہ کے وقت اور عصر سے مغرب تک کے وقت کے لئے بھی احادیث میں اشارات کئے گئے ہیں تاکہ اللہ کے بندے عموماً ان دو وقتوں میں توجہ الی اللہ اور دعا کا خصوصیت سے اہتمام کریں۔"

اس عاجز نے اپنے بعض اکابر کو دیکھا ہے کہ وہ جمعہ کے دن ان دونوں وقتوں میں لوگوں سے ملنا جلنا اور بات چیت کرنا پسند نہیں کرتے، بلکہ نماز، ذکر و دعا اور توجہ الی اللہ ہی میں مصروف رہنا چاہتے ہیں۔

نمازِ جمعہ کی فرضیت اور خاص اہمیت

۲۳۵) عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ اَلْجُمُعَةُ حَقٌّ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ فِي جَمَاعَةٍ إِلَّا عَلَى أَرْبَعَةٍ عَبْدٍ مَمْلُوكٍ أَوِ امْرَأَةٍ أَوْ صَبِيٍّ أَوْ مَرِيضٍ. (رواه ابو داؤد)

ترجمہ: طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جمعہ کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنا ہر مسلمان پر لازم اور واجب ہے، اس وجوب سے چار قسم کے آدمی مستثنیٰ ہیں، ایک غلام جو بیچارہ کسی کا مملوک ہو، دوسرے عورت، تیسرے لڑکا جو ابھی بالغ نہ ہوا ہو، چوتھے بیمار۔ (سنن ابی داؤد)

۲۳۶) عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَأَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُمَا قَالَا سَمِعْنَا رَسُولَ اللهِ ﷺ عَلَى أَعْوَادِ مِنْبَرِهِ لَيَنْتَهِيَنَّ أَقْوَامٌ عَنْ وَدْعِهِمُ الْجُمُعَاتِ أَوْ لَيَخْتِمَنَّ اللهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ ثُمَّ لَيَكُونُنَّ مِنَ الْغَافِلِينَ. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ دونوں سے روایت ہے کہ ہم نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ برسرِ منبر فرما رہے تھے کہ:- جمعہ چھوڑنے والے لوگ یا تو اپنی اس حرکت سے باز آجائیں یا یہ ہوگا کہ ان کے اس گناہ کی سزا میں اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر مہر لگا دے گا، پھر وہ غافلوں ہی میں سے ہو جائیں گے (اور اصلاح کی توفیق سے محروم کر دیئے جائیں گے)۔ (صحیح مسلم)

۲۳۷) عَنْ أَبِي الْجَعْدِ الضَّمْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مَنْ تَرَكَ ثَلَثَ جُمَعٍ تَهَاوُنًا بِهَا طَبَعَ اللهُ

صَلّٰى مَا كُتِبَ اللّٰهُ لَهٗ ثُمَّ اَنْصَتَ اِذَا خَرَجَ اِمَامُهٗ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنْ صَلٰوتِهٖ كَانَتْ كَفَّارَةً لِمَا بَيْنَهَا وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ الَّتِىْ قَبْلَهَا . (رواه ابو داؤد)

حضرت ابو سعید خدری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما دونوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جس نے جمعہ کے دن غسل کیا اور اچھے کپڑے اسے میسر تھے وہ پہنے خوشبو اگر اس کے پاس تھی تو وہ بھی لگائی پھر وہ نماز جمعہ کے لئے حاضر ہوا اور اس کی احتیاط کی کہ پہلے سے بیٹھے ہوئے لوگوں کی گردنوں کے اوپر سے پھلانگتا ہوا نہیں گیا پھر سنتوں اور نفلوں کی جتنی رکعتوں کی اللہ تعالیٰ نے توفیق دی وہ پڑھیں، پھر جب امام خطبہ دینے کے لئے آیا تو وہ ادب اور خاموشی سے اس کی طرف متوجہ ہو کر خطبہ سنا، یہاں تک کہ نماز پڑھ کر فارغ ہوا تو اس بندے کی نماز اس جمعہ اور اس سے پہلے والے جمعہ کے درمیان کے گناہوں خطاؤں کے لئے کفارہ ہو جائے گی۔

شریعت میں غسل جمعہ کا جو درجہ ہے اور اس کا جو خاص مقصد و منشاء ہے اس کا بیان تفصیل کے ساتھ "مسنون و مستحب غسل" کے عنوان سے پہلے کیا جا چکا ہے۔ مندرجہ بالا دونوں حدیثوں میں غسل کے علاوہ چند اور اعمال کا بھی ذکر ہے۔ بقدر امکان ہر قسم کی پاکیزگی اور صفائی کا اہتمام، اچھے لباس کا اہتمام، خوشبو کا استعمال، مسجد میں ہر اس چیز سے احتیاط اور اجتناب جس سے لوگوں کو ایذا پہنچے اور باہمی تعلقات خراب ہونے کا اندیشہ ہو جیسے پہلے سے ساتھ بیٹھے ہوئے دو آدمیوں کے بیچ میں گھس کے بیٹھنا یا لوگوں کے اوپر سے پھلانگ کے جانا وغیرہ، پھر وہاں حسب توفیق نوافل پڑھنا اور خطبہ کے وقت ادب اور توجہ کے ساتھ اس کو سننا، پھر نماز پڑھنا۔ جمعہ کی جو نماز اس اہتمام اور آداب کے ساتھ پڑھی جائے اس کو ان دونوں حدیثوں میں پورے ہفتہ کے گناہوں کا کفارہ اور بخشش و معافی کا وسیلہ فرمایا گیا ہے۔ یوں بھی غور کر کے سمجھا جا سکتا ہے کہ یہ سب اعمال جب صحیح ذہن کے ساتھ کئے جائیں گے تو ان بندوں کے دلوں اور ان کی روحوں کی کیا کیفیات ہوں گی اور ان کی زندگی پر اس نماز کے کیا اثرات پڑیں گے اور پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور شان مغفرت کا ان کے ساتھ کیا معاملہ ہو گا۔

(۲۵۱) **عَنْ عُبَيْدِ بْنِ السَّبَّاقِ مُرْسَلًا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِىْ جُمُعَةٍ مِنَ الْجُمَعِ يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِيْنَ اِنَّ هٰذَا يَوْمٌ جَعَلَهُ اللّٰهُ عِيْدًا فَاغْتَسِلُوْا وَمَنْ كَانَ عِنْدَهٗ طِيْبٌ فَلَا يَضُرُّهٗ اَنْ يَمَسَّ مِنْهُ وَعَلَيْكُمْ بِالسِّوَاكِ .** (رواه مالك ورواه ابن ماجه وهو عنه عن ابن عباس متصلا)

عبید بن السباق تابعی سے مرسلاً روایت ہے کہ ایک جمعہ کو خطاب فرماتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ مسلمانو اللہ تعالیٰ نے جمعہ کے اس دن کو عید بنایا ہے لہذا اس دن غسل کیا کرو اور جس کے پاس خوشبو ہو اس کے لئے کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ خوشبو لگائے اور مسواک اس دن ضرور کیا کرو۔

[illegible]

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ كَانَ يُقَلِّمُ اَظْفَارَهٗ وَيَقُصُّ شَارِبَهٗ يَوْمَ الْجُمُعَةِ قَبْلَ اَنْ يَخْرُجَ اِلَى الصَّلٰوةِ. [illegible]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن نماز کو جانے سے پہلے اپنے ناخن اور اپنی لبیں تراشا کرتے تھے۔[1]

[illegible]

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ السَّلَامِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا عَلٰى اَحَدِكُمْ اِنْ وَجَدَ اَنْ يَّتَّخِذَ ثَوْبَيْنِ لِيَوْمِ الْجُمُعَةِ سِوٰى ثَوْبَىْ مِهْنَتِهٖ. [illegible]

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کسی کے لئے اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ اگر اس کو وسعت ہو تو وہ روزمرہ کے کام کاج کے وقت پہنے جانے والے کپڑوں کے علاوہ جمعہ کے دن کے لئے کپڑوں کا ایک خاص جوڑا بنا کے رکھ لے۔

روزمرہ پہنے جانے والے کپڑوں کے ماسوا کوئی خاص جوڑا بنا کے رکھنے میں شبہ ہو سکتا تھا کہ شاید یہ شان فقر و زہد کے خلاف اور ناپسندیدہ ہو، اس حدیث میں دراصل اسی شبہ کو زائل کیا گیا ہے، اور آپ کا مطلب یہ ہے کہ جمعہ جیسے دینی اجتماع کے لئے جو مسلمانوں کی ہفتہ وار عید ہے چونکہ حسب استطاعت اچھا کپڑا پہننا اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اس لئے اس کے واسطے خاص جوڑا بنا کے رکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ طبرانی نے معجم صغیر اور اوسط میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ:

"رسول اللہ ﷺ کا ایک خاص جوڑا تھا جو آپ جمعہ کے دن پہنا کرتے تھے اور جب آپ نماز سے فارغ ہو کر تشریف لاتے تھے تو ہم اس کو تہہ کر کے رکھ دیتے تھے اور پھر وہ اگلے جمعہ ہی کو نکلتا تھا۔"

لیکن محدثین کے اصول پر اس روایت کی سند میں کچھ ضعف ہے۔[2]

[illegible]

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا كَانَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ وَقَفَتِ الْمَلَائِكَةُ عَلٰى بَابِ

---

[1] واضح رہے کہ محدثین کو اس روایت کی صحت میں کلام ہے لیکن حضرت سلمان فارسی کی جو روایت ابھی اوپر صحیح بخاری کے حوالہ سے گذری ہے اس میں رسول اللہ ﷺ نے جمعہ کے دن جس طرح اہتمام سے نہانے اور پاکیزگی کی ترغیب دی ہے اس کی وسعت میں یہ چیزیں بھی آسکتی ہیں۔ ۱۲

[2] مجمع الزوائد مع تعلیقات مذہب الموردص ۲۹۰ جلد ا

الْمَسْجِدِ يَكْتُبُوْنَ الْاَوَّلَ فَالْاَوَّلَ وَمَثَلُ الْمُهَجِّرِ كَمَثَلِ الَّذِىْ يُهْدِىْ بَدَنَةً ثُمَّ كَالَّذِىْ يُهْدِىْ بَقَرَةً ثُمَّ كَبْشًا ثُمَّ دَجَاجَةً ثُمَّ بَيْضَةً فَاِذَا خَرَجَ الْاِمَامُ طَوَوْا صُحُفَهُمْ وَيَسْتَمِعُوْنَ الذِّكْرَ —

(رواه البخارى ومسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب جمعہ کا دن ہوتا ہے تو فرشتے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور شروع میں آنے والوں کے نام یکے بعد دیگرے لکھتے ہیں، اور اول وقت دوپہر میں آنے والے کی مثال اس شخص کی سی ہے، جو اللہ کے حضور میں اونٹ کی قربانی پیش کرتا ہے، پھر اس کے بعد دوم نمبر پر آنے والے کی مثال اس شخص کی سی ہے جو گائے پیش کرتا ہے، پھر اس کے بعد آنے والے کی مثال مینڈھا پیش کرنے والے کی، اور اس کے بعد مرغی پیش کرنے والے کی، اس کے بعد انڈا پیش کرنے والے کی، پھر جب امام خطبہ کے لئے منبر کی طرف جاتا ہے تو یہ فرشتے اپنے لکھنے کے دفتر لپیٹ لیتے ہیں اور خطبہ سننے میں شریک ہو جاتے ہیں۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح: حدیث کا اصل مقصد و مدعا جمعہ کے لئے اول وقت جانے کی ترغیب ہے اور آگے پیچھے آنے والوں کے ثواب اور درجات کے فرق کو آپ نے مختلف درجہ کی قربانیوں کی مثال دے کر سمجھایا ہے۔

نماز جمعہ اور خطبہ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا معمول

(۲۴۵) عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِىُّ ﷺ اِذَا اشْتَدَّ الْبَرْدُ بَكَّرَ بِالصَّلٰوةِ وَاِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ اَبْرَدَ بِالصَّلٰوةِ يَعْنِى الْجُمُعَةَ. (رواه البخارى)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب سردی زیادہ ہوتی تو نماز جمعہ شروع وقت ہی میں پڑھ لیتے اور جب موسم زیادہ گرم ہوتا تو ٹھنڈے وقت یعنی گرمی کی شدت کم ہونے پر پڑھتے۔ (صحیح بخاری)

(۲۴۶) عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَتْ لِلنَّبِىِّ ﷺ خُطْبَتَانِ يَجْلِسُ بَيْنَهُمَا يَقْرَءُ الْقُرْاٰنَ وَيُذَكِّرُ النَّاسَ فَكَانَتْ صَلٰوتُهُ قَصْدًا وَخُطْبَتُهُ قَصْدًا — (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ دو خطبے دیا کرتے تھے اور دونوں کے درمیان (تھوڑی دیر کے لئے) بیٹھتے تھے۔ آپ ان خطبوں میں قرآن مجید کی آیات بھی پڑھتے تھے اور لوگوں کو نصیحت بھی فرماتے تھے، آپ کی نماز بھی درمیانی ہوتی تھی اور اسی طرح آپ کا خطبہ بھی۔ (صحیح مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ آپ کے خطبہ اور نماز میں نہ بہت طول ہوتا تھا اور نہ بہت زیادہ اختصار، بلکہ دونوں کی مقدار معتدل اور متوسط ہوتی تھی۔ قرات کے بیان میں وہ حدیثیں پہلے گزر چکی ہیں جن میں بتلایا

گیا ہے کہ جمعہ کی نماز میں آپ کون کون سی سورتیں پڑھتے تھے۔

(۲۴۷) عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا خَطَبَ احْمَرَّتْ عَيْنَاهُ وَعَلَا صَوْتُهُ وَاشْتَدَّ غَضَبُهُ حَتّٰى كَأَنَّهُ مُنْذِرُ جَيْشٍ يَقُوْلُ صَبَّحَكُمْ وَمَسَّاكُمْ وَيَقُوْلُ بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ وَيَقْرُنُ بَيْنَ إِصْبَعَيْهِ السَّبَّابَةِ وَالْوُسْطٰى. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب خطبہ دیتے تھے تو آپ کی آنکھیں سرخ ہو جاتی تھیں، آواز بلند ہو جاتی تھی اور سخت غصہ اور جلال کی کیفیت پیدا ہو جاتی تھی، یہاں تک کہ آپ کی حالت اس شخص کی سی ہو جاتی تھی جو دشمن کے لشکر کو خود دیکھ کر آیا ہو اور اپنی قوم کو بچاؤ پر آمادہ کرنے کے لئے ان سے کہتا ہو کہ دشمن کا لشکر قریب ہی آ پہنچا ہے (اپنی پوری تیاری کے ساتھ) اور صبح شام تم پر آ پڑنے والا ہے۔ آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ میری بعثت اور قیامت کی آمد ان دو انگلیوں کی طرح (قریب ہی قریب) ہیں، اور آپ (تفہیم اور تمثیل کے لئے) اپنی دو انگلیوں یعنی کلمہ والی اور اس کے برابر کی بیچ والی انگلی کو ملا دیتے تھے۔ (صحیح مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ آپ کا خطبہ پر جوش اور پر جلال خطبہ ہوتا تھا، اور آپ کا حال قال کے بالکل مطابق ہوتا تھا خصوصیت کے ساتھ آپ خطبہ میں قیامت کے قرب اور اس کی ہولناکیوں کا ذکر بکثرت فرماتے تھے اور کلمہ والی انگلی اور اس کے بیچ والی انگلی کو ملا کر فرمایا کرتے تھے کہ جس طرح یہ دونوں قریب قریب ہیں اسی طرح سمجھو کہ میری بعثت کے بعد قیامت بھی قریب ہی ہے اب درمیان میں کوئی اور نبی بھی آنے والا نہیں ہے، میرے ہی دور میں قیامت آنے والی ہے اس لئے اس کی تیاری کرو۔

نمازِ جمعہ سے پہلے اور بعد کی سنتیں

(۲۴۸) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَرْكَعُ قَبْلَ الْجُمُعَةِ أَرْبَعًا وَبَعْدَهَا أَرْبَعًا. (رواہ الطبرانی فی الکبیر)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ سے پہلے چار رکعت پڑھتے تھے اور جمعہ کے بعد چار رکعت۔[1] (معجم کبیر طبرانی)

(۲۴۹) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ جَاءَ سُلَيْكٌ الْغَطَفَانِيُّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَاعِدٌ عَلَى الْمِنْبَرِ فَقَعَدَ سُلَيْكٌ قَبْلَ أَنْ يُّصَلِّيَ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ أَرَكَعْتَ رَكْعَتَيْنِ قَالَ لَا قَالَ قُمْ فَارْكَعْهُمَا. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سلیک غطفانی ایک دفعہ جمعہ کے دن ایسے

[1] حضرت ابن عباس کی یہ حدیث "مجمع الزوائد" میں بھی طبرانی کے حوالے سے نقل کی گئی ہے اور اس کا ضعف ظاہر کیا گیا ہے کہ اس کی سند میں ضعف ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی کتاب الم... میں ہے کہ یہ حدیث ایک دوسرے طریق سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے اور اس کے اسناد میں یہ ضعف نہیں ہے بلکہ عراقی نے اس کی سند کو جید کہا ہے۔

وقت مسجد میں آئے کہ رسول اللہ ﷺ منبر پر بیٹھ گئے تھے (یعنی خطبہ شروع کرنے کے لئے منبر پر تشریف لے جا چکے تھے اور ابھی بیٹھے ہوئے تھے) تو سلیک اسی حالت میں آکر بیٹھ گئے قبل اس کے کہ نماز پڑھتے (یعنی انہوں نے مسجد میں داخل ہو کر نماز نہیں پڑھی بلکہ یہ دیکھ کر کہ حضور ﷺ خطبہ کے لئے منبر پر جا چکے ہیں خود بھی بیٹھ گئے) رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا۔ کیا تم نے دو رکعتیں پڑھی ہیں؟ انہوں نے عرض کیا کہ نہیں! آپ نے فرمایا۔ اٹھو اور پہلے دو رکعتیں پڑھو۔ [illegible]

تشریح ..... اس حدیث کی بناء پر امام شافعیؒ اور امام احمدؒ اور بعض دوسرے ائمہ کا مسلک ہے کہ نماز جمعہ کے لئے جو شخص مسجد میں آئے اس کے لئے اس دن تحیۃ المسجد واجب ہے اور اگر بالفرض امام خطبہ شروع کر چکا ہو جب بھی یہ آنے والا دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھے۔ لیکن امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ اور سفیان ثوریؒ وغیرہ اکثر ائمہ ان احادیث کی بناء پر جن میں خطبہ کے وقت خاموش رہنے اور توجہ کے ساتھ اس کو سننے کی تاکید کی گئی ہے اور ترغیب دی گئی ہے، اور اسی کے مطابق اکثر صحابہؓ واکابر تابعین کے عمل اور فتوے کی بناء پر خطبہ کے وقت نماز پڑھنے کی اجازت نہیں دیتے، اور سلیک غطفانی کے اس واقعہ کی مختلف توجیہات فرماتے ہیں۔ اس مسئلہ میں دونوں طرف کے دلائل بہت وزنی ہیں[1] اس لئے احتیاط کا تقاضا ہے کہ جمعہ کے دن مسجد میں ایسے وقت پہنچ جائے کہ خطبے سے پہلے کم از کم دو رکعتیں ضرور پڑھ لے۔

(۲۵۰) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا صَلّٰی اَحَدُکُمُ الْجُمُعَةَ فَلْیُصَلِّ بَعْدَهَا اَرْبَعًا. (رواہ مسلم)

ترجمہ ..... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی جمعہ کی نماز پڑھے تو چاہئے کہ اس کے بعد چار رکعت اور پڑھے۔ [illegible]

(۲۵۱) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ ﷺ لَا یُصَلِّیْ بَعْدَ الْجُمُعَةِ حَتّٰی یَنْصَرِفَ فَیُصَلِّیْ رَکْعَتَیْنِ فِیْ بَیْتِهٖ. (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ ..... حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز جمعہ کے بعد کوئی نماز نہیں پڑھتے یہاں تک کہ مسجد سے گھر تشریف لے جاتے تھے پھر گھر ہی میں دو رکعتیں پڑھتے تھے۔ [illegible]

تشریح ..... کتب حدیث میں نماز جمعہ کے بعد کی سنتوں کے بارے میں جو روایات ہیں ان میں دو رکعت کا بھی ذکر ہے، چار کا بھی اور چھ کا بھی۔ امام ترمذی نے خود حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے بارے میں نقل کیا ہے کہ وہ جمعہ کے بعد دو رکعت اور اس کے بعد چار رکعت، گویا کل چھ رکعت بھی پڑھتے تھے۔ اس لئے ائمہ

---

[1] حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الملہم شرح صحیح مسلم میں اس مسئلہ سے متعلق فریقین کا مؤقف اور ان کے دلائل پوری تفصیل سے ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے: [illegible]

مجتہدین کے رجحانات بھی اس بارے میں مختلف ہیں۔ بعض حضرات دو کو ترجیح دیتے ہیں بعض چار رکعت کو اور بعض چھ رکعت کو۔

عید الفطر و عید الاضحیٰ

ہر قوم کے کچھ خاص تہوار اور جشن کے دن ہوتے ہیں جن میں اس قوم کے لوگ اپنی اپنی حیثیت اور سطح کے مطابق اچھا لباس پہنتے اور عمدہ کھانے پکاتے کھاتے ہیں، اور دوسرے طریقوں سے بھی اپنی اندرونی مسرت و خوشی کا اظہار کرتے ہیں، یہ گویا انسانی فطرت کا تقاضا ہے۔ اسی لئے انسانوں کا کوئی طبقہ اور فرقہ ایسا نہیں ہے جس کے ہاں تہوار اور جشن کے کچھ خاص دن نہ ہوں۔

اسلام میں بھی ایسے دو دن رکھے گئے ہیں ایک عید الفطر اور دوسرے عید الاضحیٰ بس یہی مسلمانوں کے اصلی مذہبی و ملی تہوار ہیں۔ ان کے علاوہ مسلمان جو تہوار مناتے ہیں ان کی کوئی مذہبی حیثیت اور بنیاد نہیں ہے، بلکہ اسلامی نقطۂ نظر سے ان میں سے اکثر خرافات ہیں۔

مسلمانوں کی اجتماعی زندگی اس وقت سے شروع ہوتی ہے جب کہ رسول اللہ ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ آئے۔ عید الفطر اور عید الاضحیٰ ان دونوں تہواروں کا سلسلہ بھی اسی وقت سے شروع ہوا ہے۔

جیسا کہ معلوم ہے عید الفطر رمضان المبارک کے ختم ہونے پر یکم شوال کو منائی جاتی ہے اور عید الاضحیٰ ۱۰ ذی الحجہ کو۔ رمضان المبارک دینی و روحانی حیثیت سے سال کے بارہ مہینوں میں سب سے مبارک مہینہ ہے۔ اسی مہینہ میں قرآن مجید نازل ہونا شروع ہوا، اسی پورے مہینے کے روزے امت مسلمہ پر فرض کئے گئے، اس کی راتوں میں ایک مستقل باجماعت نماز کا اضافہ کیا گیا ہے اور ہر طرح کی نیکیوں میں اضافہ کی ترغیب دی گئی۔ الغرض یہ پورا مہینہ خواہشات کی قربانی اور مجاہدہ کا اور ہر طرح کی طاعات و عبادات کی کثرت کا مہینہ قرار دیا گیا۔ ظاہر ہے کہ اس مہینہ کے خاتمہ پر جو دن آئے ایمانی اور روحانی برکتوں کے لحاظ سے وہی سب سے زیادہ اس کا مستحق ہے کہ اس کو اس امت کے جشن و مسرت کا دن اور تہوار بنایا جائے، چنانچہ اسی دن کو عید الفطر قرار دیا گیا۔ اور ۱۰ ذی الحجہ وہ مبارک تاریخی دن ہے جس میں امت مسلمہ کے مؤسس و مورث اعلیٰ سیدنا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی دانست میں اللہ تعالیٰ کا حکم و اشارہ پا کر اپنے لخت جگر سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام کو ان کی رضامندی سے قربانی کے لئے اللہ کے حضور میں پیش کر کے اور ان کے گلے پر چھری رکھ کر اپنی سچی وفاداری اور کامل تسلیم و رضا کا ثبوت دیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے عشق و محبت اور قربانی کے اس امتحان میں ان کو کامیاب قرار دے کر حضرت اسماعیل کو زندہ و سلامت رکھ کر ان کی جگہ ایک جانور کی قربانی قبول فرمائی تھی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سر پر ”انی جاعلک للناس اماما“ کا تاج رکھ دیا تھا، اور ان کی اس ادا کی نقل کو قیامت تک کے لئے [illegible] قرار دے دیا تھا، پس اگر کوئی دن کسی عظیم تاریخی واقعہ کی یادگار کی حیثیت سے تہوار قرار دیا جا سکتا ہے تو اس امت مسلمہ کے

لئے جو ملت ابراہیمی کی وارث اور اسوۂ خلیلی کی نمائندہ ہے ۱۰ ذی الحجہ کے دن کے مقابلے میں کوئی دوسرا دن اس کا مستحق نہیں ہو سکتا، اس لئے دوسری عید ۱۰ ذی الحجہ کو قرار دیا گیا۔ جس وادی غیر ذی زرع میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کا یہ واقعہ پیش آیا تھا اسی وادی میں پورے عالم اسلامی کا حج کا سالانہ اجتماع اور اس کے مناسک قربانی وغیرہ اس واقعہ کی گویا اصل اور اول درجے کی یادگار ہے اور ہر اسلامی شہر اور بستی میں عید الاضحیٰ کی تقریبات نماز اور قربانی وغیرہ بھی اسی کی گویا نقل اور دوم درجہ کی یادگار ہے۔ بہر حال ان دونوں (یکم شوال اور ۱۰ ذی الحجہ) کی ان خصوصیات کی وجہ سے ان کو یوم العید اور امت مسلمہ کا تہوار قرار دیا گیا۔

اس تمہید کے بعد ان دونوں عیدوں کے متعلق رسول اللہ ﷺ کی حدیثیں ذیل میں پڑھئے۔ اصل مقصد تو یہاں ... میں عیدین کی نماز کا بیان ہے، لیکن ضمناً اور تبعاً ان دونوں عیدوں سے متعلق دوسرے اعمال و احکام کی حدیثیں بھی یہیں درج کی جائیں گی، جیسا کہ حضرات محدثین کا عام طریقہ ہے۔

عیدین کا آغاز

(۲۵۲) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَدِمَ النَّبِیُّ ﷺ الْمَدِیْنَةَ وَلَهُمْ یَوْمَانِ یَلْعَبُوْنَ فِیْهِمَا فَقَالَ مَا هٰذَانِ الْیَوْمَانِ؟ قَالُوْا كُنَّا نَلْعَبُ فِیْهِمَا فِی الْجَاهِلِیَّةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ قَدْ اَبْدَلَكُمُ اللهُ بِهِمَا خَیْرًا مِنْهُمَا یَوْمَ الْاَضْحٰی وَیَوْمَ الْفِطْرِ. [illegible]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو اہل مدینہ (جن کی کافی تعداد پہلے ہی سے اسلام قبول کر چکی تھی) دو تہوار منایا کرتے تھے، اور ان میں کھیل تماشے کیا کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ: یہ دو دن جو تم مناتے ہو ان کی کیا حقیقت اور حیثیت ہے؟ (یعنی تمہارے ان تہواروں کی کیا اصلیت اور تاریخ ہے؟) انہوں نے عرض کیا کہ: ہم جاہلیت میں (یعنی) اسلام سے پہلے یہ تہوار اسی طرح منایا کرتے تھے (بس وہی رواج ہے جو اب تک چل رہا ہے) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے تمہارے ان دو تہواروں کے بدل میں ان سے بہتر دو دن تمہارے لئے مقرر کر دیے ہیں (اب وہی تمہارے قومی اور مذہبی تہوار ہیں) یوم عید الاضحیٰ اور یوم عید الفطر۔

تشریح: قوموں کے تہوار دراصل ان کے عقائد، تصورات اور ان کی تاریخ و روایات کے ترجمان اور ان کے قومی مزاج کے آئینہ دار ہوتے ہیں، اس لئے ظاہر ہے کہ اسلام سے پہلے اپنی جاہلیت کے دور میں اہل مدینہ جو دو تہوار مناتے تھے وہ جاہلی مزاج تصورات اور جاہلی روایات ہی کے آئینہ دار ہوں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے بلکہ حدیث کے صریح الفاظ کے مطابق خود اللہ تعالیٰ نے ان قدیمی تہواروں کو ختم کرا کے ان کی جگہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ دو تہوار اس امت کے لئے مقرر فرما دیے جو اس کے توحیدی مزاج اور اصول حیات کے عین مطابق اور اس کی تاریخ و روایات اور عقائد و تصورات کے پوری طرح آئینہ دار ہیں۔ کاش اگر

مسلمان اپنے ان تہواروں ہی کو صحیح طور پر اور رسول اللہ ﷺ کی ہدایت و تعلیم کے مطابق منائیں تو اسلام کی روح اور اس کے پیغام کو سمجھنے سمجھانے کے لئے صرف یہ دو تہوار ہی کافی ہو سکتے ہیں۔

عیدین کی نماز اور خطبہ وغیرہ

۲۵۳) عَنْ أَبِي سَعِيدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَخْرُجُ يَوْمَ الْفِطْرِ وَالْأَضْحَى إِلَى الْمُصَلَّى فَأَوَّلُ شَيْءٍ يَبْدَءُ بِهِ الصَّلٰوةُ ثُمَّ يَنْصَرِفُ مُقَابِلَ النَّاسِ وَالنَّاسُ جُلُوسٌ عَلَى صُفُوفِهِمْ فَيَعِظُهُمْ وَيُوصِيهِمْ وَيَأْمُرُهُمْ وَإِنْ كَانَ يُرِيدُ أَنْ يَقْطَعَ بَعْثًا قَطَعَهُ أَوْ يَأْمُرَ بِشَيْءٍ أَمَرَ بِهِ ثُمَّ يَنْصَرِفُ.

(رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن عید گاہ تشریف لے جاتے تھے۔ سب سے پہلے آپ نماز پڑھاتے تھے، پھر نماز سے فارغ ہو کر لوگوں کی طرف رخ کر کے خطبہ کے لئے کھڑے ہوتے تھے اور لوگ بدستور صفوں میں بیٹھے رہتے تھے، پھر آپ ان کو خطبہ اور وعظ و نصیحت فرماتے تھے اور احکام دیتے تھے اور اگر آپ کا ارادہ کوئی لشکر یا دستہ تیار کر کے کسی طرف روانہ کرنے کا ہوتا تو آپ (عیدین کی نماز و خطبہ کے بعد) اس کو بھی روانہ فرماتے تھے یا کسی خاص چیز کے بارے میں آپ کو کوئی حکم دینا ہوتا تو اسی موقع پر وہ بھی دیتے تھے، پھر (ان سارے مہمات سے فارغ ہو کر) آپ عید گاہ سے واپس ہوتے تھے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح: جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا رسول اللہ ﷺ کا عام معمول یہی تھا کہ عیدین کی نماز آپ مدینہ طیبہ کی آبادی سے باہر اس میدان میں پڑھتے تھے جس کو آپ نے اس کام کے لئے منتخب فرمایا تھا اور گویا (عید گاہ) قرار دے دیا تھا اس وقت اس کے گرد کوئی چہار دیواری بھی نہیں تھی، بس صحرائی میدان تھا۔ لوگوں نے لکھا ہے کہ مسجد نبوی ﷺ سے قریباً ایک ہزار قدم کے فاصلے پر تھا۔ آپ نے عید کی نماز ایک مرتبہ بارش کی مجبوری سے مسجد شریف میں بھی پڑھی ہے، جیسا کہ آگے ایک حدیث میں اس کا ذکر آئے گا۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عید کے دن نماز و خطبہ کے بعد عید گاہ ہی میں اعلاء کلمۃ الحق کے لئے مجاہدین کے لشکر اور دستے بھی منظم کئے جاتے تھے اور وہیں سے ان کو روانہ اور رخصت کیا جاتا تھا۔

عیدین کی نماز بغیر اذان و اقامت کے سنت ہے

۲۵۴) عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ الْعِيدَيْنِ غَيْرَ مَرَّةٍ وَلَا مَرَّتَيْنِ بِغَيْرِ أَذَانٍ وَلَا إِقَامَةٍ.

(رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عیدین کی

نماز ایک یا دو دفعہ ہی نہیں بلکہ بہت دفعہ پڑھی ہے۔ ہمیشہ بغیر اذان اور بغیر اقامت کے۔ (صحیح مسلم)

۲۵۵) عَنْ جَابِرِ ابْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ شَهِدْتُ الصَّلٰوةَ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِىْ يَوْمِ عِيْدٍ فَبَدَءَ بِالصَّلٰوةِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ بِغَيْرِ اَذَانٍ وَّلَا اِقَامَةٍ فَلَمَّا قَضَى الصَّلٰوةَ قَامَ مُتَّكِئًا عَلٰى بِلَالٍ فَحَمِدَاللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ وَوَعَظَ النَّاسَ وَذَكَّرَهُمْ وَحَثَّهُمْ عَلٰى طَاعَتِهٖ وَمَضٰى اِلَى النِّسَاءِ وَمَعَهٗ بِلَالٌ فَاَمَرَهُنَّ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَوَعَظَهُنَّ وَذَكَّرَهُنَّ۔ (رواه النسائى)

ترجمہ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں عید کے دن نماز کے لئے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عیدگاہ حاضر ہوا تو آپ نے خطبہ سے پہلے نماز پڑھی بغیر اذان اور اقامت کے، پھر جب آپ نماز پڑھ چکے تو بلالؓ پر سہارا لگا کر آپؐ خطبہ کے لئے کھڑے ہوئے، پہلے اللہ کی حمد و ثنا کی، اور لوگوں کو پند و نصیحت فرمائی اور اللہ کی فرمانبرداری کی ان کو ترغیب دی۔ پھر آپؐ خواتین کے مجمع کی طرف گئے اور بلال آپؐ کے ساتھ ہی تھے وہاں پہنچ کر آپؐ نے ان کو اللہ سے ڈرنے اور تقوے والی زندگی گزارنے کے لئے فرمایا اور ان کو پند و نصیحت فرمائی۔ (سنن نسائی)

تشریح — حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں عید کے خطبہ میں مردوں کو خطاب فرمانے کے بعد عورتوں کو مستقل خطاب فرمانے کا ذکر ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ایک حدیث جو صحیح مسلم میں ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آپؐ نے اس لئے کیا تھا کہ آپؐ کے خیال میں خواتین آپؐ کا خطبہ سن نہیں سکی تھیں۔ واللہ اعلم

فائدہ — رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں عیدین کی نماز میں خواتین بھی عام طور شریک ہوتی تھیں بلکہ ان کے لئے یہ آپؐ کا حکم تھا، لیکن زمانہ مابعد میں مسلم معاشرے میں فساد آ گیا تو جس طرح امت کے فقہاء اور علماء نے جمعہ اور پنجگانہ نماز کے لئے خواتین کا مسجدوں میں آنا مناسب نہیں سمجھا، اسی طرح نماز عید کے لئے ان کا عیدگاہ جانا بھی مناسب نہیں سمجھا۔

عیدین کی نماز سے پہلے اور بعد میں کوئی نفل نماز نہیں ہے

۲۵۶) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلّٰى يَوْمَ الْفِطْرِ رَكْعَتَيْنِ لَمْ يُصَلِّ قَبْلَهُمَا وَلَا بَعْدَهُمَا (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عید الفطر کے دن دو رکعت نماز پڑھی اور اس سے پہلے یا بعد آپؐ نے کوئی نفل نماز نہیں پڑھی۔ (صحیح بخاری و مسلم)

عیدین کی نماز کا وقت

۲۵۷) عَنْ يَزِيْدَ بْنِ خُمَيْرِ الرَّحَبِيِّ قَالَ خَرَجَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ بُسْرٍ صَاحِبُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مَعَ النَّاسِ

فِي يَوْمِ عِيدِ فِطْرٍ أَوْ أَضْحَى فَأَنْكَرَ إِبْطَاءَ الْإِمَامِ فَقَالَ إِنَّا كُنَّا قَدْ فَرَغْنَا سَاعَتَنَا هَذِهِ وَذَلِكَ حِينَ التَّسْبِيحِ. (رواه ابو داؤد)

ترجمہ: یزید بن خمیر رحبی تابعی سے روایت ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابی حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ عید الفطر یا عید الاضحیٰ کے دن نماز عید پڑھنے کے لئے لوگوں کے ساتھ عید گاہ تشریف لائے (امام کے آنے میں دیر ہوئی) تو آپ نے امام کی اس تاخیر کو منکر سمجھا (اور اس کی مذمت کی) اور فرمایا کہ اس وقت تو ہم (رسول اللہ ﷺ کے ساتھ) نماز پڑھ کر فارغ ہو جایا کرتے تھے (راوی کہتے ہیں) اور یہ نوافل کا وقت تھا (نوافل سے مراد چاشت کے نوافل ہیں)۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح: عبداللہ بن بسر صحابی رضی اللہ عنہ نے شام میں سکونت اختیار کر لی تھی اور وہیں ۸۸ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ غالباً یہ وہیں کا واقعہ ہے کہ نماز عید میں امام کی تاخیر پر آپ نے نکیر فرمائی اور بتایا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ہم لوگ نماز عید سے اس وقت تک فارغ ہو جایا کرتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کی عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نماز کے وقت کے بارے میں سب سے زیادہ واضح حدیث وہ ہے جو حافظ ابن حجر نے تلخیص الحبیر میں احمد بن حسن البناء کی کتاب الاضاحی کے حوالے سے رسول اللہ ﷺ کے صحابی جندب رضی اللہ عنہ کی روایت سے ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے۔

"كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي بِنَا يَوْمَ الْفِطْرِ وَالشَّمْسُ عَلَى قِيدِ رُمْحَيْنِ وَالْأَضْحَى عَلَى قِيدِ رُمْحٍ".

"رسول اللہ ﷺ عید الفطر کی نماز ہم لوگوں کو ایسے وقت پڑھاتے تھے کہ آفتاب بقدر دو نیزے کے بلند ہوتا تھا اور عید الاضحیٰ کی نماز ایسے وقت پڑھاتے تھے کہ آفتاب بقدر ایک نیزے کے ہوتا تھا۔"

ہمارے زمانے میں بہت سے مقامات پر عیدین کی نماز بہت تاخیر سے پڑھی جاتی ہے، یہ یقیناً خلاف سنت ہے۔

(۴۵۸) عَنْ أَبِي عُمَيْرِ بْنِ أَنَسٍ عَنْ عُمُومَةٍ لَهُ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّ رَكْبًا جَاءُوا إِلَى النَّبِيِّ ﷺ يَشْهَدُونَ أَنَّهُمْ رَأَوُا الْهِلَالَ بِالْأَمْسِ فَأَمَرَهُمْ أَنْ يُفْطِرُوا وَإِذَا أَصْبَحُوا أَنْ يَغْدُوا إِلَى مُصَلَّاهُمْ. (رواه ابو داؤد والنسائى)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ابو عمیر سے روایت ہے وہ اپنے متعدد چچاؤں سے نقل کرتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کرام میں سے تھے کہ ایک دفعہ ایک قافلہ (کہیں باہر سے) رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور انہوں نے شہادت دی کہ کل (رات میں) انہوں نے چاند دیکھا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ روزے ختم کر دیں اور کل جب صبح ہو تو نماز عید ادا کرنے کے لئے عید گاہ پہنچیں۔ (سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ایک دفعہ رمضان کی ۲۹ تاریخ کو چاند نظر نہیں

آیا تو قاعدے کے مطابق اگلے دن سب لوگوں نے روزہ رکھا لیکن دن ہی میں سے کسی وقت باہر کا کوئی قافلہ مدینہ طیبہ پہنچا اور ان لوگوں نے گواہی دی کہ ہم نے کل شام چاند دیکھا تھا تو آپ نے ان لوگوں کی گواہی قبول فرما کر لوگوں کو روزے کھول دینے کا حکم دے دیا اور نماز عید کے لئے فرمایا کہ کل صبح پڑھی جائے گی۔

بظاہر یہ قافلہ دن کو دیر سے مدینہ پہنچا تھا اور نماز کا وقت نکل چکا تھا۔ شرعی مسئلہ بھی یہی ہے کہ اگر چاند کی رویت ایسے وقت معلوم ہو کہ نماز عید اپنے وقت پر نہ پڑھی جا سکتی ہو تو پھر اگلے دن صبح ہی کو پڑھی جائے گی۔

عیدین کی نماز میں قرأت

۲۵۹) عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ سَأَلَ اَبَا وَاقِدِ اللَّيْثِيَّ مَا كَانَ يَقْرَءُ بِهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِى الْاَضْحٰى وَالْفِطْرِ فَقَالَ يَقْرَأُ فِيْهِمَا بِقٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ وَاقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ: عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود تابعی سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ عید الاضحیٰ اور عید الفطر کی نماز میں کون سی سورتیں پڑھا کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ ق والقرآن المجید اور اقتربت الساعۃ (پڑھا کرتے تھے)۔

تشریح: یہ بات بعید از قیاس ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو عیدین میں رسول اللہ ﷺ کی قرأت کے بارے میں خود یاد نہ رہا ہو اور اس وجہ سے انہوں نے ابو واقد لیثی سے پوچھا، بظاہر حضرت عمر کا یہ سوال یا تو ابو واقد لیثی کے علم و حافظہ کا اندازہ کرنے کے لئے تھا یا پھر مزید اطمینان کے لئے۔ واللہ اعلم

۲۶۰) عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَقْرَءُ فِى الْعِيْدَيْنِ وَ فِى الْجُمُعَةِ "بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى" وَ "هَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ" قَالَ وَاِذَا اجْتَمَعَ الْعِيْدُ وَالْجُمُعَةُ فِىْ يَوْمٍ وَاحِدٍ قَرَأَ بِهِمَا فِى الصَّلٰوتَيْنِ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عیدین اور جمعہ کی نماز میں سبح اسم ربک الاعلیٰ اور ھل اتاک حدیث الغاشیۃ پڑھا کرتے تھے، اور جب (اتفاق سے) عید اور جمعہ ایک ہی دن پڑ جاتا تو بھی دونوں نمازوں میں یہی دونوں سورتیں پڑھتے تھے۔

تشریح: ابو واقد لیثی اور نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما کے ان دونوں بیانوں میں کوئی منافات نہیں ہے۔ عیدین کی نماز میں رسول اللہ ﷺ کبھی سورۂ ق اور سورۂ قمر پڑھتے تھے اور کبھی سورۂ اعلیٰ و سورۂ غاشیہ۔

بارش کی وجہ سے عید کی نماز مسجد میں

۲۶۱) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ اَنَّهٗ اَصَابَهُمْ مَطَرٌ فِىْ يَوْمِ عِيْدٍ فَصَلّٰى بِهِمُ النَّبِىُّ ﷺ صَلٰوةَ الْعِيْدِ فِى الْمَسْجِدِ۔ (رواہ ابوداؤد و ابن ماجۃ)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ عید کے دن بارش ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے ہم کو عید کی نماز مسجد نبوی ﷺ ہی میں پڑھائی۔

تشریح..... عیدین میں [illegible] اور [illegible] ہونے کی جو شان ہے اس کا تقاضا یہی ہے کہ دنیا کی قوموں کے جشنوں اور میلوں کی طرح ہمارا عیدین کی نماز والا اجتماع بھی کہیں کھلے میدان میں ہو، اور جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا رسول اللہ ﷺ کا عام معمول و دستور بھی یہی تھا اور اس لئے عام حالات میں یہی سنت ہے۔ لیکن حضرت ابو ہریرہؓ کی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر بارش کی حالت ہو (یا ایسا ہی کوئی اور سبب ہو) تو عید کی نماز بھی مسجد میں پڑھی جا سکتی ہے۔

عیدین کے دن کھانا نماز سے پہلے یا نماز کے بعد؟

(۲۶۲) عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ لَا يَخْرُجُ يَوْمَ الْفِطْرِ حَتّٰى يَطْعَمَ وَلَا يَطْعَمُ يَوْمَ الْاَضْحٰى حَتّٰى يُصَلِّيَ۔ (رواه الترمذی و ابن ماجه والدارمی)

ترجمہ: حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول یہ تھا کہ آپ عید الفطر کی نماز کے لئے کچھ کھا کے تشریف لے جاتے تھے اور عید الاضحیٰ کے دن نماز پڑھنے تک کچھ نہیں کھاتے تھے۔ (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، سنن دارمی)

تشریح..... صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ بھی مروی ہے کہ عید الفطر کے دن نماز کو تشریف لے جانے سے پہلے آپ چند کھجوریں تناول فرماتے تھے اور طاق عدد میں تناول فرماتے تھے۔

عید الاضحیٰ کے دن نماز کے بعد کھانے کی وجہ غالباً یہ ہوگی کہ اس دن سب سے پہلے قربانی ہی کا گوشت منہ میں جائے، جو ایک طرح سے اللہ تعالیٰ کی ضیافت ہے۔ اور عید الفطر میں صبح نماز سے پہلے ہی کچھ کھا لینا غالباً اس لئے ہوتا تھا کہ جس اللہ کے حکم سے رمضان پورے مہینہ دن میں کھانا پینا بالکل بند رہا، آج جب اس کی طرف سے دن میں کھانے پینے کا اذن ملا، اور اسی میں اس کی رضا اور خوشنودی معلوم ہوئی تو طالب و محتاج بندوں کی طرح صبح ہی اس کی ان نعمتوں سے لذت اندوز ہونے لگے۔ بندگی کا مقام یہی ہے۔

گر طمع خواہد ز من سلطان دیں   خاک بر فرق قناعت بعد ازیں

عیدگاہ کی آمد و رفت میں راستہ کی تبدیلی

(۲۶۳) عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ اِذَا كَانَ يَوْمُ عِيْدٍ خَالَفَ الطَّرِيْقَ۔ (رواه البخاری)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عید کے دن راستہ بدل دیتے تھے۔ (صحیح بخاری)

تشریح..... مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ عید کی نماز کے لئے جس راستہ سے عیدگاہ تشریف لے جاتے تھے واپسی میں اس کو چھوڑ کر دوسرے راستے سے تشریف لاتے تھے۔ علماء نے اس کی مختلف حکمتیں بیان کی ہیں۔ اس عاجز کے نزدیک ان میں سے زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ آپ یہ اس لئے کرتے تھے کہ اس طرح شعائر اسلام اور مسلمانوں کی اجتماعیت و شوکت کا زیادہ سے زیادہ اظہار و اعلان ہو۔ نیز عید میں جشن اور تفریح

کا جو پہلو ہے اس کے لئے بھی یہی زیادہ مناسب ہے، کہ مختلف راستوں اور بستی کے مختلف حصوں سے گزرا جائے۔ واللہ اعلم۔

صدقۂ فطر — اس کا وقت اور اس کی حکمت

(۲۶۴) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ زَكٰوةَ الْفِطْرِ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ اَوْصَاعًا مِنْ شَعِيْرٍ عَلَى الْعَبْدِ وَالْحُرِّ وَالذَّكَرِ وَالْاُنْثٰى وَالصَّغِيْرِ وَالْكَبِيْرِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَاَمَرَ بِهَا اَنْ تُؤَدّٰى قَبْلَ خُرُوْجِ النَّاسِ اِلَى الصَّلٰوةِ . (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں میں سے ہر غلام اور آزاد پر اور ہر مرد و عورت پر اور ہر چھوٹے اور بڑے پر صدقہ فطر لازم کیا ہے، ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو۔ اور حکم دیا ہے کہ یہ صدقہ فطر نماز عید کے لئے جانے سے پہلے ادا کر دیا جائے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح: زکوٰۃ کی طرح صدقہ فطر بھی اغنیاء (دولتمندوں) ہی پر واجب ہے، چونکہ یہ بات مخاطبین خود سمجھ سکتے تھے اس لئے اس حدیث میں اس کی وضاحت نہیں کی گئی، رہی یہ بات کہ اغنیاء کون ہیں اور اسلام میں دولت مندی کا معیار کیا ہے؟ اس کی وضاحت اور تفصیل انشاء اللہ زکوٰۃ کے بیان میں کی جا سکے گی۔

اس حدیث میں ہر نفر کی طرف سے ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو صدقہ فطر ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہی دو چیزیں اس زمانہ میں مدینہ اور اس کے گردونواح میں عام طور سے بطور غذا کے استعمال ہوتی تھیں اس لئے اس حدیث میں انہی دو کا ذکر کیا گیا ہے۔ بعض حضرات نے لکھا ہے کہ اس زمانہ میں ایک چھوٹے گھرانے کی غذا کے لئے ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو کافی ہوتے تھے، اس حساب سے ہر دولتمند گھرانے کے ہر چھوٹے بڑے فرد کی جانب سے عید الفطر کے دن اتنا صدقہ ادا کرنا ضروری قرار دیا گیا، جس سے ایک معمولی گھرانے کے ایک دن کے کھانے کا خرچ چل سکے۔ ہندوستان کے اکثر علماء کی تحقیق کے مطابق رائج الوقت سیر کے حساب سے ایک صاع قریباً ساڑھے تین سیر کا ہوتا تھا۔

(۲۶۵) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ زَكٰوةَ الْفِطْرِ طُهْرًا لِلصِّيَامِ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ وَطُعْمَةً لِلْمَسَاكِيْنِ . (رواه ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے روزوں کو فضول و لایعنی اور فحش باتوں کے اثرات سے پاک صاف کرنے کے لئے اور مسکینوں محتاجوں کے کھانے کا بندوبست کرنے کے لئے صدقہ فطر واجب قرار دیا۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح: اس حدیث میں صدقہ فطر کی دو حکمتوں اور اس کے دو خاص فائدوں کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے، ایک یہ کہ مسلمانوں کے جشن و مسرت کے اس دن میں صدقہ فطر کے ذریعہ محتاجوں مسکینوں کی بھی

شکم سیری اور آسودگی کا انتظام ہو جائے گا، اور دوسرے یہ کہ زبان کی بے احتیاطیوں اور بے باکیوں سے روزے پر جو برے اثرات پڑے ہوں گے یہ صدقہ فطر ان کا بھی کفارہ اور فدیہ ہو جائے گا۔

عید الاضحیٰ کی قربانی

(۲۶۶) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَا عَمِلَ ابْنُ آدَمَ مِنْ عَمَلٍ يَوْمَ النَّحْرِ أَحَبَّ إِلَى اللهِ مِنْ إِهْرَاقِ الدَّمِ وَإِنَّهُ لَيَأْتِي يَوْمَ الْقِيٰمَةِ بِقُرُوْنِهَا وَأَشْعَارِهَا وَأَظْلَافِهَا وَإِنَّ الدَّمَ لَيَقَعُ مِنَ اللهِ بِمَكَانٍ قَبْلَ أَنْ يَقَعَ بِالْأَرْضِ فَطِيْبُوْا بِهَا نَفْسًا. (رواہ الترمذی و ابن ماجہ)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ذی الحجہ کی دسویں تاریخ یعنی عید الاضحیٰ کے دن فرزند آدم کا کوئی عمل اللہ کو قربانی سے زیادہ محبوب نہیں، اور قربانی کا جانور قیامت کے دن اپنے سینگوں اور بالوں اور کھروں کے ساتھ (زندہ ہو کر) آئے گا، اور قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی رضا اور مقبولیت کے مقام پر پہنچ جاتا ہے، پس اے خدا کے بندو! دل کی پوری خوشی سے قربانیاں کیا کرو۔

(۲۶۷) عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ قَالَ قَالَ أَصْحَابُ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ مَا هٰذِهِ الْأَضَاحِيُّ يَا رَسُوْلَ اللهِ؟ قَالَ سُنَّةُ أَبِيْكُمْ إِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالُوْا فَمَا لَنَا فِيْهَا يَا رَسُوْلَ اللهِ؟ قَالَ بِكُلِّ شَعْرَةٍ حَسَنَةٌ، قَالُوْا فَالصُّوْفُ يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ بِكُلِّ شَعْرَةٍ مِنَ الصُّوْفِ حَسَنَةٌ. (رواہ احمد و ابن ماجہ)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعض صحابہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ (ﷺ) ان قربانیوں کی کیا حقیقت اور کیا تاریخ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا یہ تمہارے (روحانی اور نسلی) مورث حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے (یعنی سب سے پہلے ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا حکم دیا گیا اور وہ کیا کرتے تھے ان کی اس سنت اور قربانی کے اس عمل کی پیروی کا حکم مجھ کو اور میری امت کو بھی دیا گیا ہے) ان صحابہ نے عرض کیا، پھر ہمارے لئے یا رسول اللہ (ﷺ) ان قربانیوں میں کیا اجر ہے؟ آپ (ﷺ) نے فرمایا قربانی کے جانور کے ہر بال کے عوض ایک نیکی۔ انہوں نے عرض کیا، تو کیا اون کا بھی یا رسول اللہ (ﷺ) یہی حساب ہے؟ (اس سوال کا مطلب یہ تھا کہ بھیڑ، دنبہ، مینڈھا، اونٹ جیسے جانور جن کی کھال پر گائے، بیل یا بکری کی طرح کے بال نہیں ہوتے بلکہ اون ہوتا ہے، اور پھر ان میں سے ایک ایک جانور کی کھال پر لاکھوں یا کروڑوں بال ہوتے ہیں، تو کیا ان اون والے جانوروں کی قربانی کا ثواب بھی ہر بال کے عوض ایک نیکی کی شرح سے ملے گا؟) آپ نے فرمایا، ہاں اون والے جانور کی قربانی کا اجر بھی اسی شرح اور اسی حساب سے ملے گا، اس کے بھی ہر بال کے عوض ایک نیکی۔

(۲۶۸) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ أَقَامَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ بِالْمَدِيْنَةِ عَشْرَ سِنِيْنَ يُضَحِّيْ (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (ہجرت کے بعد) مدینہ طیبہ میں دس سال قیام فرمایا اور آپ برابر (ہر سال) قربانی کرتے تھے۔ (جامع ترمذی)

۳۶۹) عَنْ حَنَشٍ قَالَ رَأَيْتُ عَلِيًّا يُضَحِّي بِكَبْشَيْنِ فَقُلْتُ لَهُ مَاهٰذَا؟ فَقَالَ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ أَوْصَانِيْ أَنْ أُضَحِّيَ عَنْهُ فَأَنَا أُضَحِّيْ عَنْهُ . (رواہ ابو داؤد و روی الترمذی نحوہ)

ترجمہ: حنش بن عبداللہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو دو مینڈھوں کی قربانی کرتے دیکھا تو میں نے ان سے عرض کیا کہ یہ کیا ہے (یعنی آپ ایک کی بجائے دو مینڈھوں کی قربانی کیوں کرتے ہیں۔؟) انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے وصیت فرمائی تھی کہ میں آپ کی طرف سے بھی قربانی کیا کروں، تو ایک قربانی میں آپ کی جانب سے کرتا ہوں۔ (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی)

تشریح: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی مندرجہ بالا حدیث سے معلوم ہوا تھا کہ مدینہ طیبہ میں قیام فرمانے کے بعد سے رسول اللہ ﷺ پابندی کے ساتھ ہر سال قربانی فرماتے رہے اور حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بعد کے لئے آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وصیت فرما گئے تھے کہ آپ کی طرف سے قربانی کیا کریں، چنانچہ اس وصیت کے مطابق حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے برابر قربانی کرتے تھے۔

قربانی کا طریقہ

۳۷۰) عَنْ أَنَسٍ قَالَ ضَحَّى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِكَبْشَيْنِ أَمْلَحَيْنِ أَقْرَنَيْنِ ذَبَحَهُمَا بِيَدِهٖ وَسَمّٰى وَكَبَّرَ قَالَ رَأَيْتُهٗ وَاضِعًا قَدَمَهٗ عَلٰى صِفَاحِهِمَا وَيَقُوْلُ بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ . (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیاہی و سفیدی مائل، بڑے سینگوں والے دو مینڈھوں کی قربانی کی، اپنے دست مبارک سے ان کو ذبح کیا اور ذبح کرتے وقت بسم اللہ اللہ اکبر پڑھا، میں نے دیکھا کہ اس وقت آپ اپنا پاؤں ان کے پہلو پر رکھے ہوئے تھے اور زبان سے بسم اللہ واللہ اکبر کہتے جاتے تھے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

۳۷۱) عَنْ جَابِرٍ قَالَ ذَبَحَ النَّبِيُّ ﷺ يَوْمَ الذَّبْحِ كَبْشَيْنِ أَقْرَنَيْنِ أَمْلَحَيْنِ مَوْجُوْئَيْنِ فَلَمَّا وَجَّهَهُمَا قَالَ "إِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ عَلٰى مِلَّةِ إِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ إِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ عَنْ مُحَمَّدٍ وَأُمَّتِهٖ بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ ثُمَّ ذَبَحَ - (رواہ احمد و ابو داؤد و ابن ماجہ والدارمی)

وفی روایۃ لاحمد و ابی داؤد و الترمذی ذَبَحَ بِيَدِهٖ وَقَالَ بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُمَّ هٰذَا عَنِّيْ وَعَمَّنْ لَمْ يُضَحِّ مِنْ أُمَّتِيْ -

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قربانی کے دن یعنی عید قربان کے دن رسول اللہ ﷺ نے سیاہی و سفیدی مائل سینگوں والے دو خصی مینڈھوں کی قربانی کی۔ جب آپ نے ان کا رخ صحیح قبلہ کی طرف کر لیا تو یہ دعا پڑھی۔ "انی وجهت وجهی للذی ... اللهم منك ولك عن محمد وامته بسم الله والله اكبر" (میں نے اپنا رخ اس اللہ کی طرف کر لیا جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا ہے طریقے پر ابراہیم کے ہر طرف سے یکسو ہو کر اور میں شرک والوں میں سے نہیں ہوں، میری نماز و عبادت اور میری قربانی اور میرا جینا اور مرنا اللہ رب العالمین کے لئے ہے۔ اس کا کوئی شریک ساتھی نہیں اور مجھے اسی کا حکم ہے اور میں حکم ماننے والوں میں ہوں۔ اے اللہ یہ قربانی تیری ہی طرف سے اور تیری ہی توفیق سے ہے اور تیرے ہی واسطے ہے، تیرے بندے محمد کی اور اس کی امت کی جانب سے۔ بسم اللہ واللہ اکبر) یہ دعا پڑھ کر آپ نے مینڈھے پر چھری چلائی اور اس کو ذبح کیا۔

(مسند احمد، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ، سنن دارمی)

اور مسند احمد، سنن ابی داؤد اور جامع ترمذی کی اسی حدیث کی ایک دوسری روایت میں آخری حصہ اس طرح ہے کہ آپ نے "اللهم منك ولك" کہنے کے بعد اپنے ہاتھ سے ذبح کیا اور زبان سے کہا۔ "بسم الله والله اكبر" — (اے اللہ یہ میری جانب سے اور میرے ان امتیوں کی جانب سے جنہوں نے قربانی نہ کی ہو)۔

تشریح: — قربانی کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ تعالیٰ سے یہ عرض کرنا کہ — "میری جانب سے اور میری امت کی جانب سے یا میرے ان امتیوں کی جانب سے جنہوں نے قربانی نہیں کی" ظاہر ہے کہ یہ امت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی انتہائی شفقت و رأفت ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ نے ساری امت کی طرف سے یا قربانی نہ کرنے والے امتیوں کی طرف سے قربانی کر دی اور سب کی طرف سے ادا ہو گئی بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ اے اللہ اس کے ثواب میں میرے ساتھ میرے امتیوں کو بھی شریک فرما۔ ثواب میں شرکت اور چیز ہے اور قربانی کا ادا ہو جانا دوسری چیز ہے۔

قربانی کے جانور کے بارے میں ہدایت

۲۷۲) عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ سُئِلَ مَاذَا يُتَّقٰى مِنَ الضَّحَايَا فَاَشَارَ بِيَدِهٖ فَقَالَ اَرْبَعًا اَلْعَرْجَاءُ الْبَيِّنُ ظَلْعُهَا وَالْعَوْرَاءُ الْبَيِّنُ عَوَرُهَا وَالْمَرِيْضَةُ الْبَيِّنُ مَرَضُهَا وَالْعَجْفَاءُ الَّتِىْ لَاتُنْقِىْ — (رواه مالك و احمد و الترمذى و ابو داؤد و النسائى و ابن ماجة و الدارمى)

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ قربانی میں کیسے جانوروں سے پرہیز کیا جائے (یعنی وہ کیا عیوب اور خرابیاں ہیں جن کی وجہ سے جانور قربانی کے قابل نہیں رہتا)۔ آپ ﷺ نے ہاتھ سے اشارہ فرمایا اور بتایا کہ چار (یعنی چار عیوب اور نقائص ایسے ہیں کہ ان میں سے کوئی عیب و نقص جانور میں پایا جائے تو قربانی کے قابل نہیں رہتا)۔ ایک ایسا

لنگڑا جانور جس کا لنگڑا پن بہت کھلا ہوا ہو (کہ اس کی وجہ سے اس کو چلنا بھی مشکل ہو)۔ دوسرے وہ جس کی ایک آنکھ خراب ہو گئی ہو، اور وہ خرابی بالکل نمایاں ہو۔ تیسرے وہ جو بہت بیمار ہو۔ چوتھے وہ جو ایسا کمزور اور لاغر ہو کہ اس کی ہڈیوں میں گودا بھی نہ رہا ہو۔

([illegible])

۲۷۳) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ نُضَحِّيَ بِاَعْضَبِ الْقَرْنِ وَالْاُذُنِ . (رواه ابن ماجه)

ترجمہ: حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم کو ایسے جانور کی قربانی سے منع فرمایا جس کا سینگ ٹوٹا ہو یا کان کٹا ہوا ہو۔ (سنن ابن ماجہ)

تشریح: قربانی دراصل بندوں کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے حضور میں نذر ہے، اس لئے ضروری ہے کہ اپنی استطاعت کی حد تک اچھے جانور کا انتخاب کیا جائے۔ یہ بات بہت غلط ہے کہ لولا، لنگڑا، اندھا، کانا، بیمار، مریل، سینگ ٹوٹا، کان کٹا جانور اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش کیا جائے۔ قرآن مجید میں اصول کے طور پر فرمایا گیا ہے کہ:

"لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ"

تم کو نیکی کا مقام اس وقت تک ہرگز حاصل نہیں ہو سکتا، جب تک کہ وہ چیزیں اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرو جو تمہیں مرغوب و محبوب ہوں۔

بہرحال قربانی کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی ان ہدایات کی روح اور ان کا خاص مقصد یہی ہے۔

بڑے جانور میں کتنے حصے

۲۷۴) عَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ الْبَقَرَةُ عَنْ سَبْعَةٍ وَالْجَزُوْرُ عَنْ سَبْعَةٍ (رواه مسلم و ابوداؤد و اللفظ له)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ گائے یا بیل کی قربانی سات آدمیوں کی طرف سے اور اسی طرح اونٹ کی قربانی سات آدمیوں کی طرف سے ہو سکتی ہے۔

(صحیح مسلم، سنن ابی داؤد)

تشریح: بھینس اہل عرب کے نزدیک گویا گائے ہی کی ایک قسم ہے جو عرب میں نہیں ہوتی اس لئے اس کا اس حدیث میں الگ ذکر نہیں کیا گیا، اس کی قربانی بھی سات آدمیوں کی طرف سے ہو سکتی ہے۔

قربانی کا وقت عید کی نماز کے بعد

۲۷۵) عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ خَطَبَنَا النَّبِيُّ ﷺ يَوْمَ النَّحْرِ فَقَالَ اِنَّ اَوَّلَ مَا نَبْدَءُ بِهٖ فِيْ يَوْمِنَا هٰذَا اَنْ نُصَلِّيَ ثُمَّ نَرْجِعَ فَنَنْحَرَ فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَقَدْ اَصَابَ سُنَّتَنَا وَمَنْ ذَبَحَ قَبْلَ اَنْ نُصَلِّيَ فَاِنَّمَا هُوَ شَاةُ لَحْمٍ عَجَّلَهٗ لِاَهْلِهٖ لَيْسَ مِنَ النُّسُكِ فِيْ شَيْءٍ . (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عید قرباں کے دن خطبہ

بیان میں ارشاد فرمایا۔ آج کے دن کے خاص کاموں میں سب سے پہلا کام یہ ہے کہ ہم اللہ کے حضور میں نماز عید ادا کریں، پھر وہاں سے لوٹ کر ہم قربانی کریں، جو اس طرح کرے گا وہ ہمارے طریقے کے مطابق ٹھیک کرے گا (اور اس کی قربانی ٹھیک ادا ہوگی) اور جس نے نماز سے پہلے قربانی کر ڈالی اس کی قربانی بالکل نہیں ہوئی، بلکہ اس نے اپنے گھر والوں کے گوشت کھانے کے لئے بکری ذبح کر لی ہے (اس سے زیادہ اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے)۔

۲۷۶) عَنْ جُنْدَبِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ شَهِدْتُ الْاَضْحٰى يَوْمَ النَّحْرِ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَلَمْ يَعْدُ اَنْ صَلّٰى وَفَرَغَ مِنْ صَلٰوتِهٖ وَسَلَّمَ فَاِذَا هُوَ يَرٰى لَحْمَ اَضَاحِىَّ قَدْ ذُبِحَتْ قَبْلَ اَنْ يَّفْرُغَ مِنْ صَلٰوتِهٖ فَقَالَ مَنْ كَانَ ذَبَحَ قَبْلَ اَنْ يُّصَلِّىَ اَوْ نُصَلِّىَ فَلْيَذْبَحْ مَكَانَهَا اُخْرٰى.

(رواہ البخاری و مسلم)

حضرت جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ میں عید قربان کے دن رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا، آپ جیسے ہی عید کی نماز سے فارغ ہوئے آپ کی نگاہ قربانیوں کے گوشت پر پڑی، یہ قربانیاں نماز سے فارغ ہونے سے پہلے ہی ذبح کی جا چکی تھیں، تو آپ نے فرمایا کہ جن لوگوں نے نماز سے پہلے قربانی کر دی ہے وہ اس کی جگہ دوسری قربانی کریں (کیوں کہ ان کی قربانی قبل از وقت ہونے کی وجہ سے صحیح نہیں ہوئی)۔

عشرہ ذی الحجہ کی فضیلت و حرمت

جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہفتے کے سات دنوں میں جمعہ کو، اور سال کے بارہ مہینوں میں سے رمضان المبارک کو، اور پھر رمضان المبارک کے تین عشروں میں سے عشرۂ اخیرہ کو خاص فضیلت بخشی ہے، اسی طرح ذی الحجہ کے پہلے عشرہ کو بھی فضل و رحمت کا خاص عشرہ قرار دیا ہے، اور اسی لئے حج بھی انہی ایام میں رکھا گیا ہے۔ بہر حال یہ رحمت خداوندی کا خاص عشرہ ہے۔ ان دنوں میں بندے کا ہر نیک عمل اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہے، اور اس کی بڑی قیمت ہے۔

۲۷۷) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا مِنْ اَيَّامٍ اَلْعَمَلُ الصَّالِحُ فِيْهِنَّ اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ مِنْ هٰذِهِ الْاَيَّامِ الْعَشَرَةِ. (رواہ البخاری)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کو عمل صالح جتنا ان دس دنوں میں محبوب ہے اتنا کسی دوسرے دن میں نہیں۔

۲۷۸) عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ وَاَرَادَ بَعْضُكُمْ اَنْ يُّضَحِّىَ فَلَا يَاْخُذْ شَعْرًا وَلَا يَقْلِمَنَّ ظُفْرًا. (رواہ مسلم)

ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جب ذی الحجہ

کا پہلا عشرہ شروع ہو جائے (یعنی ذی الحجہ کا چاند دیکھ لیا جائے) اور تم میں سے کسی کا ارادہ قربانی کا ہو تو اس کو چاہئے کہ اب قربانی کرنے تک اپنے بال یا ناخن بالکل نہ تراشے۔

تشریح: دراصل یہ عشرہ حج کا ہے، اور ان ایام کا خاص الخاص عمل حج ہے، لیکن حج مکہ معظمہ جا کر ہی ہو سکتا ہے اس لئے وہ عمر میں صرف ایک دفعہ اور وہ بھی اہل استطاعت پر فرض کیا گیا ہے، اس کی خاص برکات وہی بندے حاصل کر سکتے ہیں جو وہاں حاضر ہو کر حج کریں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے سارے اہل ایمان کو اس کا موقع دیا ہے کہ جب حج کے یہ ایام آئیں تو وہ اپنی اپنی جگہ رہتے ہوئے بھی حج اور حجاج سے ایک نسبت پیدا کر لیں اور ان کے کچھ اعمال میں شریک ہو جائیں، عید الاضحیٰ کی قربانی کا خاص راز یہی ہے۔

حجاج دسویں ذی الحجہ کو منیٰ میں اللہ کے حضور میں اپنی قربانیاں پیش کرتے ہیں، دنیا بھر کے دوسرے مسلمان جو حج میں شریک نہیں ہو سکے ان کو حکم ہے کہ وہ اپنی اپنی جگہ ٹھیک اسی دن اللہ کے حضور میں اپنی قربانیاں نذر کریں، اور جس طرح حاجی احرام باندھنے کے بعد بال یا ناخن نہیں ترشواتا، اسی طرح یہ مسلمان جو قربانی کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں ذی الحجہ کا چاند نظر آنے کے بعد بال یا ناخن نہ ترشوائیں اور اس طریقے سے بھی حجاج سے ایک مناسبت اور مشابہت پیدا کریں۔

کس قدر مبارک ہدایت ہے جس پر چل کر مشرق و مغرب کے مسلمان حج کے انوار و برکات میں حصہ لے سکتے ہیں۔

واضح رہے کہ یہاں قربانی اور اس سے پہلے صدقہ فطر سے متعلق احادیث نماز عیدین کی احادیث کے ساتھ ہی درج کی گئی ہیں، ورنہ یہ [illegible] ہے۔ لیکن اکثر محدثین نے ایسا ہی کیا ہے کہ صدقہ فطر اور قربانی سے متعلق احادیث بھی انہوں نے صلوٰۃ عیدین کے ساتھ ہی درج کی ہیں۔ انہی کی پیروی میں اس کتاب میں بھی یہی طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔

صلوٰۃ کسوف اور صلوٰۃ استسقاء

جمعہ اور عیدین کی نمازیں (جن سے متعلق احادیث صفحات گزشتہ میں درج کی گئی ہیں) وہ اجتماعی نمازیں ہیں، جن کا دن و تاریخ مقرر اور معلوم ہے، ان کے علاوہ وہ نمازیں اور بھی ہیں جو اجتماعی طور پر ادا کی جاتی ہیں، لیکن نہ ان کا دن مقرر ہے نہ تاریخ۔ ان میں ایک صلوٰۃ کسوف ہے، جو سورج کے گہن میں آ جانے کے وقت پڑھی جاتی ہے، اور دوسرے صلوٰۃ استسقاء جو کسی علاقہ میں حسب ضرورت بارش نہ ہونے کی صورت میں بارش کی دعا کے لئے پڑھی جاتی ہے۔

نماز کسوف

سورج یا چاند کا گہن میں آ جانا اللہ تعالیٰ کی قدرت قاہرہ اور اس کے جلال و جبروت کی ایک نشانی ہے جس کا کبھی کبھی ظہور ہوتا ہے، اور اس کا حق ہے کہ جب اس کا ظہور ہو تو اللہ کے بندے عاجزی کے

ساتھ اس قادر و قہار کی عظمت و جلال کے سامنے جھک جائیں اور اس سے رحم و کرم کی بھیک مانگیں۔ رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں ٹھیک اس دن جس دن آپ کے شیر خوار صاحبزادے ابراہیم (علی ابیہ وعلیہ الصلوٰۃ والسلام) کا قریباً ڈیڑھ سال کی عمر میں انتقال ہوا تھا ¹ سورج کو گہن لگا۔ عربوں میں زمانہ جاہلیت کے توہمات میں سے ایک یہ خیال بھی تھا کہ بڑے آدمیوں کی موت پر سورج کو گہن لگتا ہے، اور گویا وہ اس کے ماتم میں سیاہ چادر اوڑھ لیتا ہے۔ حضرت ابراہیم کی وفات کے دن سورج کے گہن میں آجانے سے اس توہم پرستی اور غلط عقیدہ کو تقویت پہنچ سکتی تھی، بلکہ بعض روایات میں ہے کہ کچھ لوگوں کی زبانوں پر یہی بات آئی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس وقت غیر معمولی خشیت اور انتہائی فکر مندی کے ساتھ اللہ کے حضور میں جماعت سے دو رکعت نماز پڑھی، یہ نماز بھی غیر معمولی قسم کی تھی، آپ نے اس میں بہت طویل قرأت کی اور قرأت کے دوران آپ بار بار اللہ کے حضور جھک جاتے تھے (گویا رکوع میں چلے جاتے تھے) اور پھر کھڑے ہو کر قرأت کرنے لگتے تھے۔ اسی طرح اس نماز میں آپ نے رکوع اور سجدے بھی بہت طویل کئے اور اثناء نماز میں دعا بھی بہت اہتمام اور ابتہال کے ساتھ کی، اس کے بعد آپ نے خطبہ دیا اور اس میں خاص طور سے اس غلط خیال کی تردید کی کہ سورج یا چاند کو گہن کسی بڑے آدمی کی موت کی وجہ سے لگتا ہے، آپ نے فرمایا کہ یہ محض جاہلانہ توہم پرستی ہے جس کی اصل بنیاد کوئی نہیں، یہ تو دراصل اللہ کی قدرت و سطوت اور اس کے جلال و جبروت کی نشانی ہے، جب اس کی کسی نشانی کا ظہور ہو تو عاجزی کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہونا چاہئے۔ اس کی عبادت اور اس سے دعا کرنی چاہئے۔ اس تمہید کے بعد کسوف و خسوف سے متعلق چند احادیث ذیل میں پڑھئے:

۲۷۹) عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ كَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يَوْمَ مَاتَ إِبْرَاهِيْمُ فَقَالَ النَّاسُ كَسَفَتِ الشَّمْسُ لِمَوْتِ إِبْرَاهِيْمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَا يَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهٖ فَإِذَا رَأَيْتُمْ فَصَلُّوْا وَادْعُوا اللّٰهَ ۔ (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں خاص اس دن جس دن آپ کے صاحبزادے ابراہیم کا انتقال ہوا سورج کو گہن لگا تو بعض لوگوں نے کہا کہ سورج کو یہ گہن ابراہیم کے انتقال فرما جانے کی وجہ سے لگا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سورج اور چاند کو گہن کسی کی موت و حیات کی وجہ سے نہیں لگتا (بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت قاہرہ کی نشانیوں میں سے ہے) پس جب تم ایسا دیکھو تو اللہ تعالیٰ کے حضور میں نماز پڑھو اور اس سے خوب دعا کرو۔

---

¹ محققین اس پر قریب قریب متفق ہیں کہ صاحبزادہ ابراہیم کا انتقال ۱۰ھ میں ہوا۔ بعض حضرات نے ربیع الاول کا مہینہ بھی لکھا ہے۔ لیکن گزشتہ صدی کے ماہر فلکیات محمود پاشا مرحوم نے اپنے ایک مقالہ میں جو انہوں نے فرانسیسی زبان میں شائع کیا اور جس کا عربی ترجمہ بعد میں ۱۳۰۵ھ میں (مصر) سے شائع ہوا تھا اپنے فنی حساب سے اس کسوف کی تاریخ ۲۹ شوال ۱۰ھ متعین کی ہے اور دن دوشنبہ کا اور وقت صبح ساڑھے آٹھ بجے کا لکھا ہے۔ واللہ اعلم

تشریح ..... حضرت مغیرہ بن شعبہ کی ایک حدیث میں بہت اختصار ہے، یہاں تک کہ آپ کی نماز پڑھنے کا بھی ذکر نہیں ہے۔ دوسری روایات میں آپ کی نماز اور اس کی خاص کیفیت کا ذکر تفصیل سے کیا گیا ہے۔

(۲۸۰) عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ خَسَفَتِ الشَّمْسُ فَقَامَ النَّبِیُّ ﷺ فَزِعًا یَخْشٰی اَنْ تَکُوْنَ السَّاعَۃُ فَاَتَی الْمَسْجِدَ فَصَلّٰی بِاَطْوَلِ قِیَامٍ وَّرُکُوْعٍ وَّسُجُوْدٍ مَارَاَیْتُہٗ قَطُّ یَفْعَلُہٗ وَقَالَ ھٰذِہِ الْاٰیَاتُ الَّتِیْ یُرْسِلُ اللّٰہُ لَاتَکُوْنُ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَّلَا لِحَیٰوتِہٖ وَلٰکِنْ یُّخَوِّفُ اللّٰہُ بِھَا عِبَادَہٗ فَاِذَا رَاَیْتُمْ شَیْئًا مِنْ ذٰلِکَ فَافْزَعُوْا اِلٰی ذِکْرِہٖ وَدُعَائِہٖ وَاسْتِغْفَارِہٖ ۔ (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک دن) سورج گہن میں آ گیا تو رسول اللہ ﷺ ایسے خوفزدہ اور گھبرائے ہوئے اٹھے جیسے کہ آپ کو ڈر ہو کہ اب قیامت ہو جائے گی، پھر آپ مسجد آئے اور آپ نے نہایت طویل قیام اور ایسے ہی طویل رکوع و سجود کے ساتھ نماز پڑھائی۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ (اللہ کی قدرت قاہرہ کی) یہ نشانیاں جن کو اللہ تعالیٰ ظاہر کرتا ہے یہ کسی کی موت و حیات کی وجہ سے واقع نہیں ہوتیں بلکہ بندوں کے دلوں میں یہ اللہ کا خوف پیدا کرنے کے لئے ظاہر ہوتی ہیں۔ جب تم ایسی کوئی چیز دیکھو تو خوف اور فکر کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہو جاؤ، اس کو یاد کرو اور اس سے دعا و استغفار کرو۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۲۸۱) عَنْ قَبِیْصَۃَ الْھِلَالِیِّ قَالَ کَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلٰی عَھْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فَخَرَجَ فَزِعًا یَجُرُّ ثَوْبَہٗ وَاَنَا مَعَہٗ یَوْمَئِذٍ بِالْمَدِیْنَۃِ فَصَلّٰی رَکْعَتَیْنِ فَاَطَالَ فِیْھِمَا الْقِیَامَ ثُمَّ انْصَرَفَ وَانْجَلَتْ فَقَالَ اِنَّمَا ھٰذِہِ الْاٰیَاتُ یُخَوِّفُ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ بِھَا فَاِذَا رَاَیْتُمُوْھَا فَصَلُّوْا کَاَحْدَثِ صَلٰوۃٍ صَلَّیْتُمُوْھَا مِنَ الْمَکْتُوْبَۃِ ۔ (رواہ ابوداؤد و النسائی)

ترجمہ حضرت قبیصہ ہلالی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں سورج کو گہن لگا تو رسول اللہ ﷺ گھبرائے ہوئے باہر تشریف لائے (اور اس گھبراہٹ کی وجہ سے آپ کا حال یہ تھا کہ اپنی چادر مبارک اچھی طرح اوڑھ بھی نہیں سکے تھے بلکہ) آپ کی چادر زمین پر گھسٹ رہی تھی، میں اس دن مدینہ میں آپ کے ساتھ تھا، آپ ﷺ نے دو رکعت نماز پڑھی اور اس میں بہت طویل قیام کیا، پھر آپ نماز سے فارغ ہوئے اور آفتاب اس اثناء میں معمول کے مطابق روشن ہو گیا تھا تو آپ نے (لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے) فرمایا ان نشانیوں کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں میں اللہ کا خوف پیدا ہو (اور وہ معاصی سے بچیں) لہٰذا جب تم ایسی نشانیاں دیکھو تو اس طرح نماز پڑھو جیسی فرض نماز تم نے ابھی تھوڑی دیر پہلے پڑھی تھی (یعنی فجر کی نماز کی طرح دو رکعت نماز کسوف کے وقت بھی پڑھو) (سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

(۲۸۲) عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ سَمُرَۃَ قَالَ کُنْتُ اَرْتَمِیْ بِاَسْھُمٍ لِّیْ بِالْمَدِیْنَۃِ فِیْ حَیٰوۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ

إِذْ كُسِفَتِ الشَّمْسُ فَنَبَذْتُهَا فَقُلْتُ وَاللّٰهِ لَأَنْظُرَنَّ إِلٰى مَا حَدَثَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِيْ كُسُوْفِ الشَّمْسِ قَالَ فَأَتَيْتُهُ وَهُوَ قَائِمٌ فِي الصَّلٰوةِ رَافِعٌ يَدَيْهِ فَجَعَلَ يُسَبِّحُ وَيُهَلِّلُ وَيُكَبِّرُ وَيَحْمَدُ وَيَدْعُوْ حَتّٰى حُسِرَ عَنْهَا فَلَمَّا حُسِرَ عَنْهَا قَرَأَ سُوْرَتَيْنِ وَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ — (رواه مسلم)

(ترجمہ) حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ سے روایت ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک دن رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں اپنے تیروں سے تیر اندازی اور نشانہ بازی کر رہا تھا کہ اچانک آفتاب گہن میں آ گیا، میں نے اپنے تیر وہیں چھوڑ دیئے اور اپنے جی میں کہا کہ میں ابھی چل کر دیکھوں گا کہ سورج گہن کے اس وقت میں رسول اللہ ﷺ پر کیا نئی واردات ہوئی اور آپ نے کیا نیا عمل کیا۔ میں آپ کے پاس آیا تو آپ اس وقت کھڑے نماز پڑھ رہے تھے (یعنی نماز شروع ہو چکی تھی) اسی حال میں آپ نے دونوں ہاتھ اٹھائے (جس طرح دعا میں اٹھائے جاتے ہیں) اور دیر تک اللہ کی تسبیح، تہلیل اور تکبیر و حمد کے ساتھ اس سے دعا کرتے رہے، یہاں تک کہ آفتاب گہن سے نکل گیا (یعنی آپ کی نماز اور دعا کا سلسلہ اس وقت تک جاری رہا جب تک کہ آفتاب کا گہن ختم ہوا اور وہ معمول کے مطابق روشن ہو گیا)۔ آپ نے اس نماز میں دو سورتیں اور دو رکعتیں پڑھیں۔ (صحیح مسلم)

۲۸۳) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ خَسَفَتِ الشَّمْسُ فِيْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَصَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِالنَّاسِ فَقَامَ فَأَطَالَ الْقِيَامَ ثُمَّ رَكَعَ فَأَطَالَ الرُّكُوْعَ ثُمَّ قَامَ فَأَطَالَ الْقِيَامَ وَهُوَ دُوْنَ الْقِيَامِ الْأَوَّلِ ثُمَّ رَكَعَ فَأَطَالَ الرُّكُوْعَ وَهُوَ دُوْنَ الرُّكُوْعِ الْأَوَّلِ ثُمَّ سَجَدَ فَأَطَالَ السُّجُوْدَ ثُمَّ فَعَلَ فِي الرَّكْعَةِ الْأُخْرٰى مِثْلَ مَا فَعَلَ فِي الرَّكْعَةِ الْأُوْلٰى ثُمَّ انْصَرَفَ وَقَدْ تَجَلَّتِ الشَّمْسُ فَخَطَبَ النَّاسَ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَأَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ اٰيَتَانِ مِنْ اٰيَاتِ اللّٰهِ لَا يَنْخَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ فَإِذَا رَأَيْتُمْ ذٰلِكَ فَادْعُوا اللّٰهَ وَكَبِّرُوْا وَصَلُّوْا وَتَصَدَّقُوْا ثُمَّ قَالَ يَا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ إِنْ مِنْ أَحَدٍ أَغْيَرُ مِنَ اللّٰهِ أَنْ يَزْنِيَ عَبْدُهُ أَوْ تَزْنِيَ أَمَتُهُ يَا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ وَاللّٰهِ لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا أَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيْلًا وَلَبَكَيْتُمْ كَثِيْرًا أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ. (رواه البخاري ومسلم)

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں آفتاب کو گہن لگا تو رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو نماز پڑھائی، اس نماز میں آپ نے بہت طویل قیام فرمایا، پھر آپ رکوع میں گئے اور بہت طویل رکوع فرمایا، پھر آپ کھڑے ہوگئے اور پھر بہت طویل قیام فرمایا، لیکن قیام پہلے قیام کی بہ نسبت کچھ کم طویل تھا، اس کے بعد پھر آپ رکوع میں گئے اور آپ نے طویل رکوع کیا، لیکن پہلے رکوع کی بہ نسبت یہ رکوع کچھ کم طویل تھا، پھر آپ سجدہ میں گئے اور سجدہ بھی آپ نے بہت طویل کیا، پھر آپ نے دوسری رکعت میں بھی بالکل اسی طرح کیا جس طرح پہلی رکعت میں کیا تھا۔ اس کے بعد (قاعدے کے مطابق قعدہ اخیرہ اور سلام کے بعد) آپ نے نماز ختم کر دی اور آفتاب گہن سے نکل گیا اور (معمول کے مطابق) روشن ہو گیا، پھر آپ نے خطبہ دیا اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد اس میں فرمایا

نہیں رو سکے بلکہ گر پڑے۔ اور بعض روایات میں ہے کہ اس نماز میں بہت سے لوگ بیہوش ہو گئے اور ان کے سروں پر پانی ڈالا گیا۔

اسی طرح کی ایک نئی بات اس نماز میں یہ تھی کہ آپ نے قیام کے دوران ہاتھ اٹھا کے اللہ کی تسبیح، تہلیل اور تحمید و تکبیر کے ساتھ دیر تک دعا بھی کی۔ اسی طرح ایک دوسری نئی اور عجیب بات یہ بھی ہوئی کہ آپ قیام کے دوران اللہ تعالیٰ کے حضور میں جھک گئے اور دیر تک رکوع میں رہنے کے بعد پھر کھڑے ہو کر آپ نے قرآت کی اور اس کے بعد رکوع اور سجدہ کیا اور بعض روایات کے مطابق قیام کے دوران میں صرف ایک دفعہ نہیں بلکہ آپ کئی دفعہ اسی طرح رکوع میں گئے۔ بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ آپ اس نماز کے دوران ایک دفعہ پیچھے کی جانب ہٹے اور پھر آگے بڑھے، اور آپ نے ایک دفعہ ہاتھ آگے بڑھایا جس طرح کسی چیز کو لینے اور پکڑنے کیلئے ہاتھ بڑھاتے ہیں۔ اور پھر خطبہ میں آپ نے بتایا کہ اس وقت آپ کے سامنے عالم غیب کے بہت سے حقائق منکشف کئے گئے آپ نے جنت اور دوزخ کو اپنے سامنے دیکھا، اور دوزخ میں عذاب کے نہایت ہیبت ناک اور لرزہ خیز مناظر دیکھے اور وہ دیکھا جو کبھی پہلے نہیں دیکھا تھا۔

یہ بات بہت قریب قیاس ہے کہ اس نماز میں جو غیر معمولی باتیں آپ سے ظہور میں آئیں۔ مثلاً آپ کا دوران نماز ہاتھ اٹھا کر دیر تک دعا کرنا، دوران قیام و قرآت میں بار بار اللہ کے حضور میں جھک جانا کبھی پیچھے ہٹنا کبھی آگے بڑھنا اور کبھی اپنا ہاتھ آگے بڑھانا، یہ سب ان غیبی مشاہدات کی وجہ سے ہوا۔

...... ٹھیک آپ کے صاحبزادے کی وفات کے دن سورج کو گہن لگنا اور آپ کا خطبہ میں پورے زور و قوت کے ساتھ یہ اعلان فرمانا کہ اس گہن کا میرے گھر کے اس حادثہ سے کوئی تعلق نہیں اور ایسا سمجھنا غلط فہمی اور توہم پرستی ہے، رسول اللہ ﷺ کی صداقت اور بے لوثی کی ایسی دلیل ہے جو بڑے سے بڑے منکر کو متاثر کرتی ہے بشرطیکہ اس کا دل بالکل ہی مردہ نہ ہو۔

نمازِ استسقاء

بارش عام انسانوں کی بلکہ اکثر حیوانات کی بھی ان ضروریات میں سے ہے جن پر زندگی کا گویا انحصار ہے، اس لئے کسی علاقہ میں قحط اور سوکھا پڑ جانا وہاں کی عمومی مصیبت بلکہ ایک گونہ عذاب عام ہے رسول اللہ ﷺ نے جس طرح شخصی اور انفرادی حاجتوں اور پریشانیوں کے لئے "صلوٰۃ الحاجت" تعلیم فرمائی جس کا بیان پچھلے صفحات میں اپنے موقع پر گزر چکا ہے۔ اسی طرح اس عمومی مصیبت اور پریشانی کے دفعیہ کے لئے بھی آپ نے ایک اجتماعی نماز اور دعا کی تعلیم فرمائی جس کی منظم اور مکمل شکل "صلوٰۃ الاستسقاء" ہے۔ استسقا کے لغوی معنی ہی پانی مانگنے اور سیرابی طلب کرنے کے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ایک دفعہ قحط پڑا تو آپ ﷺ نے صلوٰۃ استسقا پڑھی اور اللہ کے حکم سے اسی وقت بارش ہوئی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی مندرجہ ذیل حدیث میں اس واقعہ کی تفصیل پڑھئے۔

۲۸۴) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ شَكَا النَّاسُ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قُحُوْطَ الْمَطَرِ فَأَمَرَ بِمِنْبَرٍ فَوُضِعَ لَهُ فِي الْمُصَلّٰى وَوَعَدَ النَّاسَ يَوْمًا يَخْرُجُوْنَ فِيْهِ ، قَالَتْ عَائِشَةُ فَخَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ حِيْنَ بَدَا حَاجِبُ الشَّمْسِ فَقَعَدَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَكَبَّرَ وَحَمِدَ اللّٰهَ ثُمَّ قَالَ إِنَّكُمْ شَكَوْتُمْ جَدْبَ دِيَارِكُمْ وَاسْتِئْخَارَ الْمَطَرِ عَنْ إِبَّانِ زَمَانِهِ عَنْكُمْ وَقَدْ أَمَرَ اللّٰهُ أَنْ تَدْعُوْهُ وَوَعَدَكُمْ أَنْ يَسْتَجِيْبَ لَكُمْ ثُمَّ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ . مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ . لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُمَّ أَنْتَ اللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ الْغَنِيُّ وَنَحْنُ الْفُقَرَاءُ أَنْزِلْ عَلَيْنَا الْغَيْثَ وَاجْعَلْ مَا أَنْزَلْتَ لَنَا قُوَّةً وَبَلَاغًا إِلٰى حِيْنٍ ، ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ فَلَمْ يَتْرُكِ الرَّفْعَ حَتّٰى بَدَا بَيَاضُ إِبْطَيْهِ ثُمَّ حَوَّلَ إِلَى النَّاسِ ظَهْرَهُ وَقَلَبَ أَوْحَوَّلَ رِدَاءَهُ وَهُوَ رَافِعٌ يَدَيْهِ ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ وَنَزَلَ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ فَأَنْشَأَ اللّٰهُ سَحَابَةً فَرَعَدَتْ وَبَرَقَتْ ثُمَّ أَمْطَرَتْ بِإِذْنِ اللّٰهِ فَلَمْ يَأْتِ مَسْجِدَهُ حَتّٰى سَالَتِ السُّيُوْلُ فَلَمَّا رَأَى سُرْعَتَهُمْ إِلَى الْكِنِّ ضَحِكَ حَتّٰى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ فَقَالَ أَشْهَدُ أَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَأَنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهُ . (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر بارش نہ ہونے اور سوکھا پڑ جانے کی تکلیف بیان کی، آپ نے (مدینہ کی آبادی سے باہر) اس جگہ جہاں عیدین کی نماز پڑھی جاتی تھی نماز استسقاء پڑھنے کا فیصلہ فرمایا، اور لوگوں کو ایک دن متعین کر کے بتلایا کہ اس دن سب لوگ آپ کے ساتھ چل کر نماز استسقاء پڑھیں، اور حکم دیا کہ آپ کا منبر اس دن وہاں لے جا کر رکھا جائے، چنانچہ منبر وہاں پہنچا دیا گیا۔ آگے حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ جب وہ دن آیا تو رسول اللہ ﷺ علی الصبح آفتاب طلوع ہوتے ہی وہاں تشریف لے گئے، آپ منبر پر تشریف فرما ہوئے، پھر اللہ کی کبریائی اور حمد و ثنا بیان کی۔ پھر فرمایا کہ تم لوگوں نے اپنے علاقہ میں وقت پر بارش نہ ہونے اور سوکھا پڑ جانے کی شکایت کی ہے، اور اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ اپنی حاجات میں تم اس سے دعا کرو اور اس کا وعدہ ہے کہ وہ قبول فرمائے گا۔ اس کے بعد آپ نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کیا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ . مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ . لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُمَّ أَنْتَ اللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ الْغَنِيُّ وَنَحْنُ الْفُقَرَاءُ أَنْزِلْ عَلَيْنَا الْغَيْثَ وَاجْعَلْ مَا أَنْزَلْتَ لَنَا قُوَّةً وَبَلَاغًا إِلٰى حِيْنٍ

ساری حمد و ستائش اللہ رب العالمین کے لئے ہے وہ نہایت رحمت والا اور بڑا مہربان ہے، یوم جزا کا مالک و فرمانروا ہے، اللہ کے سوا کوئی الٰہ و معبود نہیں، اس کی یہ شان ہے کہ جو چاہے کر ڈالے۔ خداوند تو ہی اللہ ہے، تیرے سوا کوئی الٰہ نہیں، تو غنی ہے اور ہم سب تیرے محتاج بندے ہیں، ہم پر بارش نازل فرما اور جو بارش تو بھیجے اس کو ہمارے لئے تقویت کا ذریعہ اور ایک مدت تک کفایت کا وسیلہ بنا۔

پھر آپ نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے (غالباً مطلب یہ ہے کہ اس دعا میں آپ نے ہاتھ جتنے اٹھائے

ہوئے تھے اس سے اوراوپر اٹھائے) اور بہت دیر تک اسی طرح ہاتھ اٹھائے دعا کرتے رہے اور ہاتھ اتنے اوپر اٹھائے کہ (باوجودیکہ آپ چادر مبارک اوڑھے ہوئے تھے لیکن) آپ کی بغل کے اندرونی حصے کی سپیدی بھی نظر آنے لگی۔ پھر آپ نے اپنا رخ قبلہ کی طرف کیا اور پشت لوگوں کی طرف کر لی، اور جو چادر آپ اوڑھے ہوئے تھے اس کو آپ نے پلٹا اور دعا میں آپ کے ہاتھ اب تک اٹھے ہوئے رہے۔ پھر آپ نے اپنا رخ لوگوں کی طرف کر لیا اور منبر سے نیچے آ کر دو رکعت نماز پڑھائی۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اسی وقت ایک بدلی اٹھی جس میں گرج اور چمک بھی تھی، پھر وہ اللہ کے حکم سے خوب برسی (اور ایسی بھرپور بارش ہوئی کہ ابھی آپ اپنی مسجد تک واپس نہیں پہنچے تھے کہ پانی سے راستے اور نالے بھر کے بہنے لگے، پھر جب آپ نے یہ منظر دیکھا کہ لوگ (جو قحط اور سوکھا کی شکایت کر رہے تھے) بارش سے پناہ لینے کے لئے سائبان یا چھپر کی طرف دوڑ رہے ہیں تو آپ کو ہنسی آ گئی یہاں تک کہ آپ کے دندان مبارک ظاہر ہو گئے، اور آپ نے فرمایا۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کو ہر چیز پر قدرت ہے، اور میں اس کا بندہ اور رسول (ﷺ) ہوں۔ ([illegible])

۲۸۵) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِالنَّاسِ إِلَى الْمُصَلّٰى يَسْتَسْقِىْ فَصَلّٰى بِهِمْ رَكْعَتَيْنِ جَهَرَ فِيْهِمَا بِالْقِرَاءَةِ وَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ يَدْعُوْ وَرَفَعَ يَدَيْهِ وَحَوَّلَ رِدَاءَهُ حِيْنَ اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ. (رواه البخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن زید سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز استسقاء کے لئے لوگوں کو ساتھ لے کر عیدگاہ تشریف لے گئے۔ آپ نے اس نماز میں دو رکعتیں پڑھیں اور قرأت بالجہر کی اور قبلہ رو ہو کر اور ہاتھ اٹھا کر دعا کی اور جس وقت آپ نے قبلہ کی طرف اپنا رخ کیا اس وقت اپنی چادر کو پلٹ کر اوڑھا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

۲۸۶) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَعْنِىْ فِى الْاِسْتِسْقَاءِ مُتَبَذِّلًا مُتَوَاضِعًا مُتَخَشِّعًا مُتَضَرِّعًا. (رواه الترمذی و ابو داؤد و النسائی و ابن ماجه)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز استسقاء کے لئے چلے تو آپ بہت معمولی اور کم حیثیت لباس پہنے ہوئے تھے، اور آپ کا انداز خاکساری اور مسکینی اور عاجزی کا تھا۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ)

تشریح: جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا صلوٰۃ استسقاء قحط کی عمومی اور اجتماعی مصیبت کے دفعیہ کیلئے اجتماعی نماز اور دعا ہے۔ مندرجہ بالا حدیثوں سے اس نماز کے بارے میں چند باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

اول...... یہ کہ یہ نماز آبادی اور بستی سے باہر صحرا اور جنگل میں براہ راست زمین پر ہونی چاہئے، بارش طلبی کے لئے صحرا اور جنگل ہی نسبتاً زیادہ موزوں جگہ ہے اور اس میں اپنی بے بسی کا اظہار بھی زیادہ ہوتا ہے۔

دوسرے...... یہ جمعہ یا عید کی نماز کی طرح اس نماز کے لئے نہانے دھونے اور اچھے کپڑے پہننے کا اہتمام نہ کیا

جائے بلکہ اس کے برعکس بالکل معمولی اور کم حیثیت لباس ہو، مسکینوں اور فقیروں کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضری ہو، سائل کے لئے فقیرانہ صورت اور پھٹے حال مسکینوں کی سی حالت ہی زیادہ مناسب ہے۔

تیسرے ...... یہ کہ دعا بہت ابتہال اور الحاح کے ساتھ کی جائے، اور اس غرض سے ہاتھ آسمان کی طرف زیادہ اونچے اٹھائے جائیں۔

پہلی دونوں حدیثوں میں تحویل رداء کا بھی ذکر ہے یعنی یہ کہ آپ نے قبلہ رو ہو کر اپنی چادر مبارک پلٹ کر اوڑھی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ اے اللہ! جس طرح میں نے اس چادر کو الٹ دیا اسی طرح تو بارش نازل فرما کر صورت حال بالکل پلٹ دے، گویا ہاتھ اٹھانے کی طرح یہ عمل بھی دعا ہی کا ایک جز تھا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی پہلی حدیث میں گزرا کہ جس وقت آپ نے نماز استسقاء پڑھی اسی وقت ایک بدلی اٹھی اور بھرپور بارش ہوئی۔ دوسرے بعض صحابہ کرام کی روایت میں بھی اس کا ذکر ہے۔

الحمد للہ یہ امت کا بھی عام تجربہ ہے۔ اس عاجز و عاصی کو بھی اپنی عمر میں تین دفعہ نماز استسقاء پڑھنے کا اتفاق ہوا ہے۔ پہلی دفعہ اپنے بالکل بچپن میں اپنے اصل وطن سنبھل میں، دوسری دفعہ اب سے قریباً پندرہ سال پہلے لکھنؤ میں اور تیسری دفعہ ۱۹۵۱ء میں مدینہ طیبہ میں اور یہ تینوں دفعہ کی نماز کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے بارش نازل فرمائی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ جب نماز اور دعا کے نتیجہ میں بارش ہوئی اور بھرپور ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

اَشْهَدُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ وَاَنِّىْ عَبْدُاللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کی قدرت رکھتا ہے اور میں تو اس کا بندہ اور رسول ہوں۔

یہ کمال عبدیت ہے کہ آپ کی نماز اور دعا کے نتیجہ میں جب معجزانہ طور پر بارش نازل ہوئی تو آپ نے اس حقیقت کا اعتراف و اعلان ضروری سمجھا کہ یہ جو کچھ ہوا اللہ تعالیٰ کی قدرت و مشیت سے ہوا لہذا وہی حمد و شکر کا مستحق ہے اور میں تو بس اس اللہ کا ایک بندہ اور پیغامبر ہوں۔ اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ۔

نماز جنازہ، اور اس کے قبل و بعد

محدثین کا عام دستور ہے کہ وہ کتاب الصلوٰۃ کے آخر میں کتاب الجنائز کے تحت موت، مرض الموت بلکہ مطلق مرض، و دیگر مصائب و بلیات اور ان حوادث کے وقت کے طرز عمل، پھر غسل میت، تجہیز و تکفین، نماز جنازہ و دفن، تعزیت، یہاں تک کہ زیارت قبور ان سب ہی امور کے متعلق حدیثیں درج کرتے ہیں۔ اس دستور کی پیروی میں یہاں بھی ان تمام امور سے متعلق رسول اللہ ﷺ کے ارشادات اور معمولات

اسی طرح ذکر کیے جائیں گے۔ ان حدیثوں سے جو کچھ معلوم ہوگا ان کا حاصل اور خلاصہ یہ ہے کہ موت چونکہ یقیناً آنے والی ہے، اور اس کا کوئی وقت معلوم نہیں ہے، اس لئے مسلمان کو چاہئے کہ کسی وقت بھی اس سے غافل نہ ہو، ہمیشہ اس کو یاد رکھے اور آخرت کے اس سفر کی تیاری کرتا رہے۔ خصوصاً جب بیمار ہو تو اپنی دینی و ایمانی حالت کو درست کرنے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے تعلق کو صحیح کرنے کی زیادہ فکر کرے، دوسرے بھائی اس کی خدمت و ہمدردی اور اس کا غم ہلکا کرنے اور جی بہلانے کی کوشش کریں، اور اس کے سامنے اجر و ثواب کی باتیں اور اللہ تعالیٰ کی شان رحمت کے خوش آئند تذکرے کریں۔ خصوصاً جب محسوس ہو کہ مریض بظاہر اچھا ہونے والا نہیں اور سفر آخرت کے قریب ہے تو اس کے دل کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کرنے کی اور کلمہ ایمان کی یاد دہانی کی مناسب طریقے پر کوشش کریں۔ پھر جب موت وارد ہو جائے تو اس کے اقارب صبر سے کام لیں، طبعی اور فطری رنج و غم کے باوجود موت کو اللہ تعالیٰ کا فیصلہ سمجھ کر وفادار بندے کی طرح اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں، اور اس کے کرم سے اس صدمہ پر اجر و ثواب کی امید رکھیں اور اس کی دعائیں کریں۔ پھر میت کو غسل دیا جائے، پھر اس کو اچھے صاف ستھرے کپڑوں میں کفنایا جائے، اور خوشبو کا استعمال کیا جائے۔ پھر اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے جس میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور تسبیح و تقدیس ہو، اس کی عظمت و کبریائی کا اعتراف و اقرار ہو، اللہ کے نبی و رسول حضرت محمد ﷺ کے لئے دعائے رحمت ہو جس سے اس میت کو اور نماز پڑھنے والوں کو ہدایت ملی۔ اس سب کے بعد مرنے والے بھائی کے لئے اللہ تعالیٰ سے بخشش اور رحم و کرم کی دعا اور التجا ہو، پھر پورے اعزاز و احترام کے ساتھ اس کو اس زمین کے سپرد کر دیا جائے اور اس کی گود میں دے دیا جائے جس کے اجزاء سے اس کا جسم بنا اور پلا تھا، اور جو ایک طرح سے گویا اس کی ماں تھی۔ پھر لوگ زبانی اور عملی طور پر میت کے اقارب اور گھر والوں کی غمخواری اور ہمدردی کریں اور ان کی تسلی و تشفی اور غم ہلکا کرنے کی کوشش کریں۔

ان میں سے ہر بات کی حکمت اور مصلحت بالکل ظاہر ہے اور یہ واقعہ اور تجربہ ہے کہ مرض، موت اور دوسری مصیبتوں میں رسول اللہ ﷺ کی ان ہدایات پر عمل کرنے سے قلب و روح کو بڑا سکون نصیب ہوتا ہے، اور اس سلسلہ کی آپ کی ہر تعلیم و ہدایت دل کے زخم کا مرہم اور صدمہ کی دوا بن جاتی ہے، اور موت تو لقاء الٰہی کا وسیلہ ہونے کی حیثیت سے محبوب و مطلوب ہو جاتی ہے۔

یہ تو ان ہدایت کے دنیوی اور نقد برکات ہیں، اور آخرت میں ان شاء اللہ وہ سب سامنے آنے والا ہے۔ جس کا وعدہ آگے آنے والی حدیثوں میں کیا گیا ہے۔

اس تمہید کے بعد اس سلسلہ کی حدیثیں پڑھئے۔

موت کی یاد اور اس کا شوق

۲۸۷) **عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ أَكْثِرُوْا ذِكْرَ هَاذِمِ اللَّذَّاتِ الْمَوْتَ۔**

(رواہ الترمذی والنسائی و ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ لوگو! موت کو یاد کرو اور یاد رکھو جو دنیا کی لذتوں کو ختم کر دینے والی ہے۔ (جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ)

۲۸۸) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ اَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِمَنْكِبِىْ فَقَالَ كُنْ فِى الدُّنْيَا كَاَنَّكَ غَرِيْبٌ اَوْعَابِرُ سَبِيْلٍ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَقُوْلُ اِذَا اَمْسَيْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الصَّبَاحَ وَاِذَا اَصْبَحْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الْمَسَاءَ وَخُذْ مِنْ صِحَّتِكَ لِمَرَضِكَ وَمِنْ حَيٰوتِكَ لِمَوْتِكَ. (رواه البخارى)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ میرا مونڈھا پکڑا اور مجھ سے فرمایا۔ دنیا میں اس طرح رہو جیسے کہ تو پردیسی اور راستہ چلتا مسافر ہے۔ اور (رسول اللہ ﷺ کی اس ہدایت و تعلیم کا اثر تھا کہ اپنے نفس کو یا دوسروں کو بھی مخاطب کر کے) ابن عمر نصیحت فرمایا کرتے تھے کہ جب شام آئے تو صبح کا انتظار نہ کر (معلوم نہیں کہ صبح تک تو رہے گا یا نہیں) اور جب صبح ہو تو شام کا انتظار نہ کر (نہیں معلوم کہ شام تک تو زندہ رہے گا یا نہیں) اور تندرستی کی حالت میں بیماری کے لئے اور زندگی میں موت کے لئے کچھ کمائی کر لے۔ (صحیح بخاری)

۲۸۹) عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ اَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ اَحَبَّ اللّٰهُ لِقَاءَهٗ وَمَنْ كَرِهَ لِقَاءَ اللّٰهِ كَرِهَ اللّٰهُ لِقَاءَهٗ. (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ جس کو اللہ سے ملنا اور اس کے حضور میں حاضر ہونا محبوب ہو اللہ کو اس سے ملنا محبوب ہے، اور جس کو اللہ سے ملنا ناگوار ہو اللہ کو اس سے ملنا ناگوار ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح: حضرت عبادہ بن صامت کی اسی روایت میں آگے یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب یہ بات ارشاد فرمائی تو ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا یا ازواج مطہرات میں سے کسی اور نے عرض کیا۔ حضرت (ﷺ)! ہمارا حال تو یہ ہے کہ:

اِنَّا لَنَكْرَهُ الْمَوْتَ "ہم موت سے گھبراتے ہیں اور موت ہم کو محبوب اور گوارا نہیں ہے"

آپ ﷺ نے اس کے جواب میں جو کچھ فرمایا اس کا حاصل یہ ہے کہ میرا مطلب یہ نہیں کہ آدمی کو خود موت محبوب ہونی چاہئے، موت کا محبوب نہ ہونا تو ایک طبعی اور فطری سی بات ہے، بلکہ میرا مطلب یہ ہے کہ موت کے بعد اللہ تعالیٰ کی جو رضا اور اس کا جو فضل و کرم مؤمن پر ہونے والا ہے جو موت کے وقت اس پر منکشف کر دیا جاتا ہے وہ آدمی کو محبوب اور اس کا شوق ہونا چاہئے اور جس بندے کا یہ حال ہو اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتا ہے اور اس سے ملنا اللہ تعالیٰ کو محبوب ہوتا ہے، اور اس کے برعکس جو بندہ اپنی بداعمالی اور بدبختی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے غضب اور عذاب کا مستحق ہوتا ہے، موت کے وقت اس کے اس برے انجام پر اس کو مطلع کر دیا جاتا ہے اس لئے وہ اللہ کے حضور میں جانا نہیں چاہتا اور اس کو اپنے حق میں سخت

مصیبت سمجھتا ہے تو ایسے شخص سے اللہ تعالیٰ بھی ملنا نہیں چاہتا اور اس سے نفرت کرتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی اس تشریح کی بناء پر لقاء اللہ سے مراد یہاں موت نہیں ہے بلکہ موت کے بعد اللہ تعالیٰ کا جو معاملہ بندے کے ساتھ ہونے والا ہے وہ مراد ہے، چنانچہ اسی مضمون کی جو حدیث خود حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے اس کے آخر میں رسول اللہ ﷺ کی یہ تشریح ہے کہ: الموت قبل لقاء الله (یعنی موت لقاء اللہ سے پہلے ہے۔)

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اس حدیث کی شرح میں فرمایا ہے کہ جب اس دنیا سے دوسرے عالم کی طرف منتقل ہونے کا وقت بالکل قریب آتا ہے تو بہیمیت اور مادیت کے غلاف پردے چاک ہونے لگتے ہیں، اور روح کے لئے عالم ملکوت کا ظہور ہونے لگتا ہے، اس وقت عالم غیب اور عالم آخرت کی وہ حقیقتیں گویا مشاہدے میں آنے لگتی ہیں جن کی اطلاع انبیاء علیہم السلام نے دی ہے، اس وقت اس صاحب ایمان بندے کی روح جس نے ہمیشہ بہیمی تقاضوں کو دبایا اور ملکی صفات کو غالب کرنے کی کوشش کی اللہ تعالیٰ کی معیت اور اس کے لطف و کرم کے نقشوں کا مشاہدہ کر کے اس کی مشتاق ہو جاتی ہے اور اس کا داعیہ اور شوق یہ ہوتا ہے کہ جلد سے جلد وہ اسی عالم میں اور اللہ تعالیٰ کے آغوش رحمت میں پہنچ جائے اور اس کے برعکس جو منکر یا خدا فراموش اور نفس پرست بندہ ہمیشہ اپنے بہیمی تقاضوں میں غرق اور دنیوی لذتوں میں مست رہا اس کی روح موت کے وقت جب اپنے مستقبل کے مہیب نقشے دیکھتی ہے تو کسی طرح دنیا سے ہٹنا نہیں چاہتی۔ شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ انہیں دونوں حالتوں کو "احب لقاء الله" اور "كره لقاء الله" سے تعبیر کیا گیا ہے، اور آگے "احب الله لقاءه" اور "كره الله لقاءه" کا مطلب بس اللہ تعالیٰ کی رضا اور ناراضی اور انعام اور غضب اور ثواب و عذاب ہے۔

(۲۶۰) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ تُحْفَةُ الْمُؤْمِنِ الْمَوْتُ......

(رواه البيهقي في شعب الايمان)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مؤمن کا تحفہ موت ہے۔

تشریح: جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے موت طبعی طور پر کسی کے لئے بھی خوشگوار نہیں ہوتی، لیکن اللہ کے جن بندوں کو ایمان و یقین کی دولت نصیب ہے وہ موت کے بعد کے اللہ تعالیٰ کے انعامات اور قرب خصوصی اور لذت دیدار پر نظر رکھتے ہوئے عقلی طور پر موت کے مشتاق ہوتے ہیں، بالکل اسی طرح جس طرح کہ آنکھ میں نشتر لگوانا طبعی طور پر کسی کو بھی مرغوب اور گوارا نہیں ہو سکتا لیکن اس امید پر کہ آپریشن سے آنکھ میں روشنی آ جائے گی، عقلی طور پر وہ محبوب و مطلوب ہوتا ہے اور ڈاکٹر کو فیس دے کر آنکھ میں نشتر لگوایا جاتا ہے۔ بس فرق اتنا ہے کہ آپریشن کے نتیجہ میں آنکھ کا روشن ہو جانا قطعی اور یقینی نہیں ہے، آپریشن ناکامیاب بھی ہو جاتا ہے، لیکن صاحب ایمان و یقین بندے کے لئے اللہ تعالیٰ کے انعامات اور اس کا

قرب اور لذت دیدار بالکل یقینی ہے اسی لحاظ سے اصحاب ایمان و یقین کے لئے موت محبوب ترین تحفہ ہے۔ سمجھنے کے لئے بلا تشبیہ اس کی دوسری ایک مثال یہ ہے کہ ہر لڑکی کے لئے شادی اور ماں باپ کے گھر سے رخصت ہو کر شوہر کے ہاں جانا اس حیثیت سے بڑے رنج اور صدمہ کی بات ہوتی ہے کہ ماں باپ کی شفقت اور گھر کا ماحول اس سے چھوٹ جائے گا اور اس کی آئندہ زندگی ایک نئے گھر اور نئے خاندان میں گزرے گی، لیکن شادی سے مستقبل کے بارے میں جو خاص توقعات ہوتی ہیں جن کے لئے شادی کی جاتی ہے ان کی وجہ سے بلاشبہ شادی کا شوق اور ارمان بھی ہوتا ہے۔ بس اسی طرح اللہ تعالیٰ کے ساتھ صحیح ایمانی تعلق رکھنے والے بندوں کا معاملہ ہے۔ موت کے بعد اللہ تعالیٰ کی جن الطاف و عنایات اور جس طرح قرب خصوصی کی ان کو توقع ہوتی ہے اسی کی وجہ سے ان کو موت کا اشتیاق اور ارمان ہوتا ہے۔

موت کی تمنا اور دعا کرنے کی ممانعت

بہت سے لوگ دنیا کی تنگیوں اور پریشانیوں سے گھبرا کر موت کی آرزو اور دعا کرنے لگتے ہیں، یہ بڑی بے دانشی، کم ہمتی اور بے صبری کی بات اور ایمان کی کمزوری کی علامت ہے، رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔

۲۹۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لَا يَتَمَنَّى أَحَدُكُمُ الْمَوْتَ إِمَّا مُحْسِنًا فَلَعَلَّهُ أَنْ يَزْدَادَ خَيْرًا وَإِمَّا مُسِيئًا فَلَعَلَّهُ أَنْ يَسْتَعْتِبَ. (رواه البخاری)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ۔ تم میں سے کوئی موت کی تمنا نہ کرے، اگر وہ نیکوکار ہے تو امید ہے کہ جب تک وہ زندہ رہے گا نیکیوں کے اس کے ذخیرے میں اضافہ ہوتا رہے گا اور اگر اس کے اعمال خراب ہیں تو ہو سکتا ہے آئندہ زندگی میں وہ توبہ وغیرہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرلے۔ (صحیح بخاری)

تشریح: صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کے الفاظ یہی ہیں جو اوپر درج کئے گئے ہیں لیکن صحیح مسلم کی روایت میں خفیف سا لفظی فرق ہے اور اس میں موت کی تمنا کے ساتھ اس کی دعا کرنے سے بھی منع فرمایا گیا ہے۔

۲۹۲) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لَا يَتَمَنَّيَنَّ أَحَدُكُمُ الْمَوْتَ مِنْ ضُرٍّ أَصَابَهُ فَإِنْ كَانَ لَا بُدَّ فَاعِلًا فَلْيَقُلِ اللَّهُمَّ أَحْيِنِي مَا كَانَتِ الْحَيَاةُ خَيْرًا لِي وَتَوَفَّنِي إِذَا كَانَتِ الْوَفَاةُ خَيْرًا لِي.

(رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم میں سے کوئی کسی دکھ اور تکلیف کی وجہ سے موت کی تمنا (اور دعا) نہ کرے اگر (اندر کے داعیہ سے) بالکل ہی لاچار ہو، تو یوں دعا کرے کہ اے اللہ! میرے لئے جب تک زندگی بہتر ہو اس وقت تک مجھے زندہ

رکھو اور جب میرے لئے موت بہتر ہو اس وقت تو مجھے دنیا سے اٹھا لے۔

بیماری بھی مومن کے لئے رحمت اور گناہوں کا کفارہ

جس طرح رسول اللہ ﷺ نے موت کے متعلق بتایا کہ وہ فنا اور نیست ہو جانا نہیں ہے بلکہ ایک دوسری زندگی کا آغاز اور ایک دوسرے عالم کی طرف منتقل ہو جانا ہے جو اللہ کے ایمان والے بندوں کے لئے نہایت ہی خوشگوار ہوگا، اور اس لحاظ سے وہ موت مومن کا تحفہ ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ نے بتایا کہ بیماری بھی صرف دکھ اور مصیبت نہیں ہے بلکہ ایک پہلو سے وہ رحمت ہے اور اس سے گناہوں کی صفائی ہوتی ہے، اور اللہ کے سعادت مند بندوں کو چاہئے کہ بیماری اور دوسری تکلیفوں اور مصیبتوں کو خدائی تحریک سمجھتے ہوئے اپنی اصلاح کی فکر اور کوشش میں لگ جائیں۔ ذیل کی حدیثوں میں یہی تعلیم اور ہدایت دی گئی ہے۔

۲۹۳) **عَنْ أَبِي سَعِيدٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَا يُصِيبُ الْمُسْلِمَ مِنْ نَصَبٍ وَلَا وَصَبٍ وَلَا هَمٍّ وَلَا حُزْنٍ وَلَا أَذًى وَلَا غَمٍّ حَتَّى الشَّوْكَةَ يُشَاكُهَا إِلَّا كَفَّرَ اللَّهُ بِهَا مِنْ خَطَايَاهُ .** (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مرد مومن کو جو بھی دکھ اور جو بھی بیماری اور جو بھی پریشانی اور جو بھی رنج و غم اور جو بھی اذیت پہنچتی ہے، یہاں تک کہ کانٹا بھی اگر اس کے لگتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان چیزوں کے ذریعہ اس کے گناہوں کی صفائی کر دیتا ہے۔

۲۹۴) **عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يُصِيبُهُ أَذًى مِنْ مَرَضٍ فَمَا سِوَاهُ إِلَّا حَطَّ اللَّهُ تَعَالَى بِهِ سَيِّئَاتِهِ كَمَا تَحُطُّ الشَّجَرَةُ وَرَقَهَا .** (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ کسی مرد مومن کو جو بھی تکلیف پہنچتی ہے مرض سے یا اس کے علاوہ، اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ اس کے گناہوں کو اس طرح جھاڑ دیتا ہے جس طرح خزاں رسیدہ درخت اپنے پتے جھاڑ دیتا ہے۔

۲۹۵) **عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا يَزَالُ الْبَلَاءُ بِالْمُؤْمِنِ أَوِ الْمُؤْمِنَةِ فِي نَفْسِهِ وَمَالِهِ وَوَلَدِهِ حَتَّى يَلْقَى اللَّهَ تَعَالَى وَمَا عَلَيْهِ مِنْ خَطِيئَةٍ .** (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے بعض ایمان والے بندوں یا ایمان والی بندیوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مصائب اور حوادث آتے رہتے ہیں۔ کبھی اس کی جان پر، کبھی اس کے مال پر، کبھی اس کی اولاد پر (اور اس کے نتیجہ میں اس کے گناہ جھڑتے رہتے ہیں) یہاں تک کہ مرنے کے بعد وہ اللہ کے حضور میں اس حال میں پہنچتا ہے کہ اس کا ایک گناہ بھی باقی نہیں رہتا۔

(٢٩٦) عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ خَالِدٍ السُّلَمِيِّ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا سَبَقَتْ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ مَنْزِلَةٌ لَمْ يَبْلُغْهَا بِعَمَلِهٖ اِبْتَلَاهُ اللّٰهُ فِيْ جَسَدِهٖ أَوْفِيْ مَالِهٖ أَوْفِيْ وَلَدِهٖ ثُمَّ صَبَّرَهٗ عَلٰى ذٰلِكَ حَتّٰى يُبْلِغَهُ الْمَنْزِلَةَ الَّتِيْ سَبَقَتْ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ. (رواہ احمد و ابو داؤد)

ترجمہ: محمد بن خالد سلمی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں اور وہ ان کے دادا سے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ کسی بندہ مومن کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا بلند مقام طے ہو جاتا ہے جس کو وہ اپنے عمل سے نہیں پا سکتا، تو اللہ تعالیٰ اس کو کسی جسمانی یا مالی تکلیف میں یا اولاد کی طرف سے کسی صدمہ اور پریشانی میں مبتلا کر دیتا ہے، پھر اس کو صبر کی توفیق دے دیتا ہے، یہاں تک کہ (ان مصائب و تکالیف اور ان پر صبر کرنے کی وجہ سے) اس بلند مقام پر پہنچا دیتا ہے جو اسکے لئے پہلے سے طے ہو چکا تھا۔

تشریح: اللہ تعالیٰ مالک الملک اور احکم الحاکمین ہے، وہ اگر چاہے تو بغیر کسی عمل اور استحقاق کے بھی اپنے کسی بندے کو بلند سے بلند درجہ عطا فرما سکتا ہے، لیکن اس کی حکمت اور صفت عدالت کا تقاضا یہ ہے کہ جو بندے اپنے اعمال اور احوال کی وجہ سے جس درجہ کے مستحق ہوں ان کو اسی درجہ پر رکھا جائے، اس لئے اللہ تعالیٰ کا یہ دستور اور معاملہ ہے کہ جب وہ کسی بندے کے لئے اس کی کوئی ادا پسند کر کے یا خود اس کی یا اسکے حق میں کسی دوسرے بندے کی دعا قبول کر کے اسکو ایسا بلند درجہ عطا فرمانے کا فیصلہ کر تا ہے جس کا وہ اپنے اعمال کی وجہ سے مستحق نہیں ہوتا تو اعمال کی اس کمی کو مصائب حوادث اور صبر کی توفیق سے پورا کر دیتا ہے۔ واللہ اعلم

(٢٩٧) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَوَدُّ أَهْلُ الْعَافِيَةِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِيْنَ يُعْطٰى أَهْلُ الْبَلَاءِ الثَّوَابَ لَوْ أَنَّ جُلُوْدَهُمْ كَانَتْ قُرِضَتْ فِي الدُّنْيَا بِالْمَقَارِيْضِ. (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ قیامت کے دن جب ان بندوں کو جو دنیا میں مبتلائے مصائب رہے، ان مصائب کے عوض اجر و ثواب دیا جائے گا تو وہ لوگ جو دنیا میں ہمیشہ آرام و چین سے رہے حسرت کریں گے کہ کاش دنیا میں ہماری کھالیں قینچیوں سے کاٹی گئی ہوتیں۔ (جامع ترمذی)

(٢٩٨) عَنْ عَامِرٍ الرَّامِ قَالَ ذَكَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الْأَسْقَامَ فَقَالَ إِنَّ الْمُؤْمِنَ إِذَا أَصَابَهُ السَّقَمُ ثُمَّ عَافَاهُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ مِنْهُ كَانَ كَفَّارَةً لِمَا مَضٰى مِنْ ذُنُوْبِهٖ وَمَوْعِظَةً لَهٗ فِيْمَا يَسْتَقْبِلُ وَإِنَّ الْمُنَافِقَ إِذَا مَرِضَ ثُمَّ أُعْفِيَ كَانَ كَالْبَعِيْرِ عَقَلَهٗ أَهْلُهٗ ثُمَّ أَرْسَلُوْهُ فَلَمْ يَدْرِلِمَ عَقَلُوْهُ وَلِمَ أَرْسَلُوْهُ. (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: عامر رامی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دفعہ بیماریوں کے سلسلہ میں کچھ ارشاد فرمایا (یعنی بیماری کی حکمتیں اور اس میں جو خیر کا پہلو ہے اس کا تذکرہ فرمایا) اس سلسلہ میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب مرد مومن بیماری میں مبتلا ہوتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اس کو صحت و عافیت دیتا ہے تو یہ بیماری اس کے پچھلے گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہے اور مستقبل کیلئے نصیحت و تنبیہ کا کام کرتی ہے اور (خدا و آخرت سے

غافل و بے پروا) منافق آدمی جب بیمار پڑتا ہے اور اس کے بعد اچھا ہو جاتا ہے (تو وہ اس سے کوئی سبق نہیں لیتا اور کوئی نفع نہیں اٹھاتا) اس کی مثال اس اونٹ کی سی ہے جس کو اس کے مالک نے باندھ دیا، پھر کھول دیا، لیکن اس کو کوئی احساس نہیں کیوں اس کو باندھا اور کیوں کھولا۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح: رسول اللہ ﷺ کے ان سب ارشادات کا خاص سبق اور پیغام یہی ہے کہ بیماریوں اور دوسری تکلیفوں اور پریشانیوں کو (جو اس دنیوی زندگی کا گویا لازمہ ہیں) صرف مصیبت اور اللہ تعالیٰ کے غضب اور قہر کا ظہور ہی نہ سمجھنا چاہئے۔ اللہ سے صحیح تعلق رکھنے والے بندوں کے لئے ان میں بھی بڑا خیر اور رحمت کا بڑا سامان ہے۔ ان کے ذریعہ گناہوں کی صفائی اور تطہیر ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کی خاص عنایات اور بلند درجات کا استحقاق حاصل ہوتا ہے، اعمال کی کمی کسر پوری ہوتی ہے، اور ان کے ذریعہ سعادت مند بندوں کی تربیت ہوتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی اس تعلیم کی یہ کتنی عظیم برکت ہے کہ جن بندوں کو ان حقیقتوں کا یقین ہے وہ بڑی سے بڑی بیماری اور مصیبت کو بھی اللہ تعالیٰ کی عنایت و رحمت کی ایک صورت سمجھتے ہیں۔ اپنے جن بندوں کو اللہ تعالیٰ نے یہ دولت نصیب فرمائی ہے وہ ہی جانتے ہیں کہ یہ کتنی عظیم نعمت ہے اور اس سے بیماری اور مصیبت کے حال میں بھی دل اور روح کو کتنی تقویت حاصل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق اور محبت میں کتنی ترقی اور کس قدر اضافہ ہوتا ہے۔

بیماری میں زمانہ تندرستی کے اعمال کا ثواب

۲۹۹) **عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا مَرِضَ الْعَبْدُ أَوْ سَافَرَ كُتِبَ لَهُ بِمِثْلِ مَا كَانَ يَعْمَلُ مُقِيمًا صَحِيحًا.** (رواه البخارى)

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی بندہ بیمار ہو یا سفر میں جائے (اور اس بیماری یا سفر کی وجہ سے اپنی عبادت وغیرہ کے معمولات پورا کرنے سے مجبور ہو جائے) تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کے اعمال اسی طرح لکھے جاتے ہیں جس طرح وہ صحت و تندرستی کی حالت میں اور زمانہ اقامت میں کیا کرتا تھا۔ (صحیح بخاری)

تشریح: یہ بھی اللہ تعالیٰ کا خاص لطف و کرم اور فضل و احسان ہے کہ اگر آدمی بیماری یا سفر جیسی کسی مجبوری سے اپنے ذکر و عبادت وغیرہ کے معمولات پورے نہ کر سکے تو اللہ تعالیٰ اس کے اعمال نامہ میں اپنے حکم سے وہ معمولات لکھواتے رہتے ہیں جو وہ بندہ تندرستی اور اقامت کی حالت میں کیا کرتا تھا۔ اللهم لك الحمد ولك الشكر لا نحصي ثناء عليك.

مریض کی عیادت اور تسلی و ہمدردی

مریض کی عیادت یعنی اس کی خدمت و ہمدردی کو رسول اللہ ﷺ نے اونچے درجہ کا نیک عمل اور ایک

طرح کی مقبول ترین عبادت بتلایا ہے اور مختلف طریقوں سے اس کی ترغیب دی ہے، خود آپ کا دستور اور معمول بھی تھا کہ مریضوں کی عیادت کے لئے تشریف لے جاتے، ان سے ایسی باتیں کرتے جن سے ان کو تسلی ہوتی اور ان کا غم ہلکا ہوتا، اللہ کا نام اور اس کا کلام پڑھ کر ان پر دم بھی فرماتے اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین فرماتے:

(۳۰۰) عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَطْعِمُوا الْجَائِعَ وَعُوْدُوا الْمَرِیْضَ وَ فُکُّوا الْعَانِیَ. (رواہ البخاری)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ بھوکوں کو کھانا کھلاؤ، بیماروں کی عیادت کرو اور جو لوگ ناحق قید کر دیئے گئے ہوں ان کی رہائی کی کوشش کرو۔ (صحیح بخاری)

(۳۰۱) عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ الْمُسْلِمَ اِذَا عَادَ اَخَاهُ الْمُسْلِمَ لَمْ یَزَلْ فِیْ خُرْفَةِ الْجَنَّةِ حَتّٰی یَرْجِعَ. (رواہ مسلم)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ۔ بندہ مومن جب اپنے صاحب ایمان بندے کی عیادت کرتا ہے تو واپس آنے تک وہ گویا جنت کے باغ میں ہوتا ہے۔ (صحیح مسلم)

(۳۰۲) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ عَادَ مَرِیْضًا نَادٰی مُنَادٍ مِنَ السَّمَاءِ طِبْتَ وَطَابَ مَمْشَاكَ وَتَبَوَّاْتَ مِنَ الْجَنَّةِ مَنْزِلًا. (رواہ ابن ماجہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس بندے نے کسی مریض کی عیادت کی تو اللہ کا منادی آسمان سے پکارتا ہے کہ تو مبارک، اور عیادت کے لئے تیرا چلنا مبارک اور تو نے یہ عمل کر کے جنت میں اپنا گھر بنالیا۔ (سنن ابن ماجہ)

(۳۰۳) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا دَخَلْتُمْ عَلَی الْمَرِیْضِ فَنَفِّسُوْا لَهٗ فِیْ اَجَلِهٖ فَاِنَّ ذٰلِكَ لَا یَرُدُّ شَیْئًا وَیُطَیِّبُ بِنَفْسِهٖ. (رواہ الترمذی و ابن ماجہ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ جب تم کسی مریض کے پاس جاؤ تو اس کی عمر کے بارے میں اس کے دل کو خوش کرو (یعنی اس کی عمر اور زندگی کے بارے میں خوش کن اور اطمینان بخش باتیں کرو۔ مثلاً یہ تمہاری حالت بہتر ہے، انشاءاللہ تم جلد ہی تندرست ہو جاؤ گے) اس طرح کی باتیں کسی ہونے والی چیز کو روک تو نہیں گی (جو ہونے والا ہے وہی ہو گا) لیکن اس سے اس کا دل خوش ہو گا (اور یہی عیادت کا مقصد ہے)۔ (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

(۳۰۴) عَنْ اَنَسٍ قَالَ کَانَ غُلَامٌ یَهُوْدِیٌّ یَخْدِمُ النَّبِیَّ ﷺ فَمَرِضَ فَاَتَاهُ النَّبِیُّ ﷺ یَعُوْدُهٗ فَقَعَدَ عِنْدَ رَاْسِهٖ فَقَالَ لَهٗ اَسْلِمْ فَنَظَرَ اِلٰی اَبِیْهِ وَهُوَ عِنْدَهٗ فَقَالَ اَطِعْ اَبَا الْقَاسِمِ فَاَسْلَمَ فَخَرَجَ النَّبِیُّ ﷺ

وَهُوَ يَقُوْلُ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ اَنْقَذَهٗ مِنَ النَّارِ. (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک یہودی لڑکا رسول اللہ ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا، وہ مریض ہو گیا تو آپ ﷺ اس کی عیادت کے لئے اس کے پاس تشریف لے گئے اور اس کے سرہانے بیٹھ گئے اور اس سے فرمایا تو اللہ کا دین اسلام قبول کر لے اس نے اپنے والد کی طرف دیکھا جو وہیں موجود تھے، اس نے لڑکے سے کہا تو ابو القاسم (ﷺ) کی بات مان لے، اس لڑکے نے اسلام قبول کر لیا، رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے اور فرماتے تھے۔ "حمد اس اللہ کی جس نے اس لڑکے کو جہنم سے نکال لیا۔" (صحیح بخاری)

تشریح: اس حدیث سے ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ بعض غیر مسلم بھی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خادمانہ تعلق رکھتے تھے، دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ آپ ﷺ غیر مسلموں کی بھی عیادت فرماتے تھے۔ تیسری بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ جن غیر مسلموں کو آپ ﷺ سے کچھ قریب ہونے کا موقع ملتا تھا وہ آپ ﷺ سے اتنے متاثر ہوتے تھے کہ اپنی اولاد کے لئے اسلام قبول کرنا بہتر اور بھلائی کا وسیلہ سمجھتے تھے۔

مریض پر دم اور اس کے لئے دعا صحت

۳۰۵) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا اشْتَكٰى مِنَّا اِنْسَانٌ مَسَحَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ثُمَّ قَالَ اَذْهِبِ الْبَاْسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِىْ لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَاؤُكَ شِفَاءً لَا يُغَادِرُ سَقَمًا. (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب ہم میں سے کوئی آدمی بیمار ہوتا تو رسول اللہ ﷺ اپنا داہنا ہاتھ اس کے جسم پر پھیرتے اور یہ دعا پڑھتے۔ اذهب الباس رب الناس۔ (اے سب آدمیوں کے پروردگار اس بندے کی تکلیف دور فرما دے اور شفا عطا فرما دے، تو ہی شفا دینے والا ہے، بس تیری ہی شفا شفا ہے، ایسی کامل شفا عطا فرما جو بیماری بالکل نہ چھوڑے)۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

۳۰۶) عَنْ عُثْمَانَ بْنِ اَبِى الْعَاصِ اَنَّهٗ شَكٰى اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَجَعًا يَجِدُهٗ فِىْ جَسَدِهٖ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ضَعْ يَدَكَ عَلَى الَّذِىْ يَاْلَمُ مِنْ جَسَدِكَ وَقُلْ بِسْمِ اللّٰهِ ثَلٰثًا وَقُلْ سَبْعَ مَرَّاتٍ اَعُوْذُ بِعِزَّةِ اللّٰهِ وَقُدْرَتِهٖ مِنْ شَرِّ مَا اَجِدُ وَاُحَاذِرُ قَالَ فَفَعَلْتُ فَاَذْهَبَ اللّٰهُ مَا كَانَ بِىْ.
(رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے درد کی شکایت کی جو ان کے جسم کے کسی حصے میں تھا، تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا۔ تم اس جگہ پر اپنا ہاتھ رکھو جہاں تکلیف ہے اور تین دفعہ کہو بسم اللہ اور سات مرتبہ کہو اعوذ بعزة الله وقدرته من شر ما اجد واحاذر (میں پناہ لیتا ہوں اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کی قدرت کی اس تکلیف کے شر سے جو میں پا رہا ہوں اور جس کا مجھے خطرہ ہے) کہتے ہیں کہ میں نے ایسا ہی کیا تو اللہ تعالیٰ نے

میری وہ تکلیف دور فرمادی۔ (صحیح مسلم)

(٣٠٧) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُعَوِّذُ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ أُعِيْذُ كُمَا بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَّةٍ وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَّةٍ وَيَقُوْلُ اِنَّ اَبَاكُمَا كَانَ يُعَوِّذُ بِهَا اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ۔ (رواه البخاري)

ترجمہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا پڑھ کے حسن و حسین (رضی اللہ عنہما) کو اللہ کی پناہ میں دیتے تھے

أُعِيْذُ كُمَا بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَّةٍ وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَّةٍ

میں تمہیں پناہ میں دیتا ہوں اللہ کے کلمات تامہ کی ہر شیطان کے شر سے اور ہر زہریلے جانور سے اور اثر ڈالنے والی آنکھ سے۔

اور فرماتے تھے کہ: تمہارے جد امجد ابراہیم اپنے دونوں صاحبزادوں اسماعیل اور اسحٰق پر ان کلمات سے دم کرتے تھے۔

تشریح ..... "کلمات تامہ" سے مراد یا تو اللہ کے احکام ہیں یا اس کی نازل کی ہوئی کتابیں ہیں بہر حال آپ ﷺ حضرت حسن و حسین (رضی اللہ عنہما) پر بطور تعویذ اور دم کے یہ دعا پڑھا کرتے تھے اور اس طرح ان کے لئے اللہ سے پناہ اور حفاظت مانگتے تھے۔

(٣٠٨) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ اِذَا اشْتَكٰى نَفَثَ عَلٰى نَفْسِهٖ بِالْمُعَوِّذَاتِ وَمَسَحَ عَنْهُ بِيَدِهٖ فَلَمَّا اشْتَكٰى وَجَعَهُ الَّذِىْ تُوُفِّىَ فِيْهِ كُنْتُ اَنْفُثُ عَلَيْهِ بِالْمُعَوِّذَاتِ الَّتِىْ كَانَ يَنْفُثُ وَاَمْسَحُ بِيَدِ النَّبِيِّ ﷺ۔ (رواه البخاري و مسلم)

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب خود بیمار ہوتے تو معوذات پڑھ کر اپنے اوپر دم فرمایا کرتے تھے اور خود اپنا دست مبارک اپنے جسم پر پھیرتے۔ پھر جب آپ کو وہ بیماری لاحق ہوئی جس میں آپ ﷺ نے وفات پائی تو میں وہی معوذات پڑھ کر آپ پر دم کرتی جن کو پڑھ کر آپ ﷺ دم کیا کرتے تھے اور آپ کا دست مبارک آپ کے جسم پر پھیرتی۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح ..... اس حدیث میں "معوذات" سے مراد بظاہر سورۂ "قل اعوذ برب الفلق" اور "قل اعوذ برب الناس" ہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ دعائیں مراد ہوں جن میں اللہ سے پناہ طلب کی جاتی ہے، اور جو آپ ﷺ بیماروں پر پڑھ کر اکثر دم کیا کرتے تھے۔ اس طرح کی بعض دعائیں اوپر بعض حدیثوں میں بھی آچکی ہیں اور باقی ان شاء اللہ اپنے موقع پر "کتاب الدعوات" میں مذکور ہوں گی۔

جب موت کے آثار ظاہر ہونے لگیں تو کیا کریں؟

(۳۰۹) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ قَالَا قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لَقِّنُوا مَوْتَاكُمْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ۔

(رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مرنے والوں کو کلمہ لا الٰہ الا اللہ کی تلقین کرو۔ (صحیح مسلم)

تشریح: ..... اس حدیث میں مرنے والوں سے مراد وہ لوگ ہیں جن پر موت کے آثار ظاہر ہونے لگیں اس وقت ان کے سامنے کلمہ لا الٰہ الا اللہ پڑھا جائے، یہی تلقین کا مطلب ہے، تاکہ اس وقت ان کا ذہن اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف متوجہ ہو جائے، اور اگر زبان ساتھ دے سکے تو اس وقت اس کلمہ کو پڑھ کر اپنا ایمان تازہ کرلیں اور اسی حال میں دنیا سے رخصت ہو جائیں، علماء کرام نے تصریح کی ہے کہ اس وقت اس مریض سے کلمہ پڑھنے کو نہ کہا جائے، نہ معلوم اس وقت اس بیچارے کے منہ سے کیا نکل جائے، بلکہ اس کے سامنے بس کلمہ پڑھا جائے۔

(۳۱۰) عَنْ مُعَاذِ ابْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مَنْ كَانَ آخِرُ كَلَامِهِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ۔ (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کا آخری کلام لا الٰہ الا اللہ ہو وہ جنت میں جائے گا۔ (سنن ابی داؤد)

(۳۱۱) عَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ اِقْرَءُوا سُورَةَ يٰسٓ عَلٰى مَوْتَاكُمْ۔

(رواہ احمد و ابو داؤد و ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ تم اپنے مرنے والوں پر سورۂ یٰسین پڑھا کرو۔ (مسند احمد، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

تشریح: یہاں بھی مرنے والوں سے مراد وہی لوگ ہیں جن پر موت کے آثار ظاہر ہو گئے ہوں۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ اس حکم کی خاص حکمت اور مصلحت کیا ہے، البتہ اتنی بات ظاہر ہے کہ یہ سورت دین و ایمان سے متعلق بڑے اہم مضامین پر مشتمل ہے اور موت کے بعد جو کچھ ہونے والا ہے اس میں اس کا بڑا موثر اور تفصیلی بیان ہے، اور خاص کر اس کی آخری آیت ..... فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ۔ موت کے وقت کے لئے بہت ہی موزوں اور مناسب ہے۔

(۳۱۲) عَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَبْلَ مَوْتِهِ بِثَلَاثَةِ أَيَّامٍ يَقُولُ لَا يَمُوتَنَّ أَحَدُكُمْ إِلَّا وَهُوَ يُحْسِنُ الظَّنَّ بِاللهِ۔

(رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے آپ کی وفات سے تین ہی دن پہلے سنا، تم میں سے ہر ایک کو چاہئے کہ اس کو ایسی حالت میں موت آئے کہ اس کو اللہ کے ساتھ اچھا گمان ہو۔ (صحیح مسلم)

تشریح: اللہ پر ایمان اور اس کی معرفت کا تقاضا ہے کہ بندے کو اللہ کا خوف بھی ہو اور اس سے رحمت کی امید بھی، لیکن خاص کر آخیر وقت میں رحمت کی امید غالب ہونی چاہئے۔ مریض اس کی خود بھی کوشش کرے اور اس کے تیمار دار، عیادت کرنے والے بھی اس وقت ایسی ہی باتیں کریں جس سے اس کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اچھا گمان اور رحم و کرم کی امید پیدا ہو۔

مرنے کے بعد کیا کیا جائے؟

۳۱۳) عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ دَخَلَ النَّبِيُّ ﷺ عَلَىٰ أَبِيْ سَلَمَةَ وَقَدْ شَقَّ بَصَرُهُ فَأَغْمَضَهُ ثُمَّ قَالَ إِنَّ الرُّوْحَ إِذَا قُبِضَ تَبِعَهُ الْبَصَرُ فَضَجَّ نَاسٌ مِنْ أَهْلِهِ فَقَالَ لَا تَدْعُوْا عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ إِلَّا بِخَيْرٍ فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ يُؤَمِّنُوْنَ عَلَىٰ مَا تَقُوْلُوْنَ ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِأَبِيْ سَلَمَةَ وَارْفَعْ دَرَجَتَهُ فِي الْمَهْدِيِّيْنَ وَاخْلُفْهُ فِيْ عَقِبِهِ فِي الْغَابِرِيْنَ وَاغْفِرْ لَنَا وَلَهُ يَا رَبَّ الْعَالَمِيْنَ وَافْسَحْ لَهُ فِيْ قَبْرِهِ وَنَوِّرْ لَهُ فِيْهِ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ (ان کے شوہر ابو سلمہ کی وفات کے وقت) رسول اللہ ﷺ تشریف لائے، ان کی آنکھیں کھلی رہ گئی تھیں، آپ نے ان کو بند کر دیا اور فرمایا۔ جب روح جسم سے نکال لی جاتی ہے، تو بینائی بھی اس کے ساتھ چلی جاتی ہے (اس لئے موت کے بعد آنکھوں کو بند ہی کر دینا چاہئے۔ آپ ﷺ کی یہ بات سن کر ان کے گھر کے آدمی چلا چلا کر رونے لگے (اور اس رنج اور صدمہ کی حالت میں ان کی زبان سے ایسی باتیں نکلنے لگیں جو خود ان لوگوں کے حق میں بد دعا تھیں) تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ لوگو! اپنے حق میں خیر اور بھلائی کی دعا کرو، اس لئے کہ تم جو کچھ کہہ رہے ہو ملائکہ اس پر آمین کہتے ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے خود اس طرح دعا فرمائی۔ اے اللہ! ابو سلمہ کی مغفرت فرما اور اپنے ہدایت یاب بندوں میں ان کا درجہ بلند فرما اور اس کے بجائے تو ہی سرپرستی اور نگرانی فرما اس کے پس ماندگان کی، اور رب العالمین بخش دے ہم کو اور اس کو اور اس کی قبر کو وسیع اور منور فرما۔ (صحیح مسلم)

۳۱۴) عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا مِنْ مُسْلِمٍ تُصِيْبُهُ مُصِيْبَةٌ فَيَقُوْلُ مَا أَمَرَهُ اللّٰهُ بِهِ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ اَللّٰهُمَّ أْجُرْنِيْ فِيْ مُصِيْبَتِيْ وَاخْلُفْ لِيْ خَيْرًا مِنْهَا إِلَّا أَخْلَفَ اللّٰهُ لَهُ خَيْرًا مِنْهَا فَلَمَّا مَاتَ أَبُوْ سَلَمَةَ قُلْتُ أَيُّ الْمُسْلِمِيْنَ خَيْرٌ مِنْ أَبِيْ سَلَمَةَ أَوَّلُ بَيْتٍ هَاجَرَ إِلَىٰ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ثُمَّ إِنِّيْ قُلْتُهَا فَأَخْلَفَ اللّٰهُ لِيْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ۔ (رواہ مسلم)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جس صاحب ایمان پر کوئی مصیبت آئے اور کوئی چیز فوت ہو جائے اور وہ اس وقت اللہ تعالیٰ سے وہ عرض کرے جو عرض کرنے کا حکم ہے یعنی: "إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ، اللَّهُمَّ أْجُرْنِي فِي مُصِيبَتِي وَاخْلُفْ لِي خَيْرًا مِنْهَا" (ہم اللہ ہی کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف ہم سب لوٹ کر جانے والے ہیں۔ اے اللہ! مجھے میری اس مصیبت میں اجر عطا فرما، اور (جو چیز مجھ سے لے لی گئی ہے) اس کے بجائے اس سے بہتر مجھے عطا فرما، تو اللہ تعالیٰ اس چیز کے بجائے اس سے بہتر ضرور عطا فرمائے گا۔ (ام سلمہ کہتی ہیں کہ) جب میرے پہلے شوہر ابو سلمہ کا انتقال ہوا تو میں نے اپنے جی میں سوچا کہ میرے شوہر مرحوم ابو سلمہ سے اچھا کون ہو سکتا ہے، وہ سب سے پہلے مسلمان تھے جنہوں نے گھر بار کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی طرف ہجرت کی (لیکن رسول اللہ ﷺ کی تعلیم کے مطابق) میں نے ان کی وفات کے بعد "إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ" کہا اور دعا کی "اللَّهُمَّ أْجُرْنِي فِي مُصِيبَتِي وَاخْلُفْ لِي خَيْرًا مِنْهَا" تو اللہ تعالیٰ نے ابو سلمہ کی جگہ رسول اللہ ﷺ مجھے نصیب فرمائے۔ (صحیح مسلم)

عَنْ حُصَيْنِ بْنِ وَحْوَحٍ أَنَّ طَلْحَةَ بْنَ الْبَرَاءِ مَرِضَ فَأَتَاهُ النَّبِيُّ ﷺ يَعُودُهُ فَقَالَ إِنِّي لَا أَرَى طَلْحَةَ إِلَّا قَدْ حَدَثَ بِهِ الْمَوْتُ فَآذِنُونِي بِهِ وَعَجِّلُوا فَإِنَّهُ لَا يَنْبَغِي لِجِيفَةِ مُسْلِمٍ أَنْ تُحْبَسَ بَيْنَ ظَهْرَانَيْ أَهْلِهِ. (رواه ابو داؤد)

حصین ابن وحوح رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ طلحہ بن براء بیمار ہوئے تو رسول اللہ ﷺ آپ کی عیادت کے لئے تشریف لائے (ان کی نازک حالت دیکھ کر) آپ نے دوسرے آدمیوں سے فرمایا میں محسوس کرتا ہوں کہ ان کی موت کا وقت آ ہی گیا ہے (اگر ایسا وقت ہو جائے) تو مجھے خبر کی جائے اور (ان کی تجہیز و تکفین میں) جلدی کی جائے، کیونکہ کسی مسلمان کی میت کے لئے مناسب نہیں ہے کہ وہ گھر والوں کے بیچ میں دیر تک رہے۔ (سنن ابی داؤد)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ موت کے بعد میت کی تجہیز و تکفین اور دفن وغیرہ میں جلدی کی جائے۔

میت پر گریہ وبکا اور نوحہ و ماتم

کسی کی موت پر اس کے اقارب اور اعزہ و متعلقین کا رنجیدہ و غمگین ہونا اور اس کے نتیجہ میں آنکھوں سے آنسو بہنا اور اسی طرح بے اختیار گریہ کے دوسرے آثار کا ظاہر ہو جانا بالکل فطری بات ہے اور اس بات کی علامت ہے کہ اس آدمی کے دل میں محبت اور دردمندی کا جذبہ موجود ہے، جو انسانیت کا ایک قیمتی اور پسندیدہ عنصر ہے، اس لئے شریعت نے اس پر پابندی نہیں عائد کی، بلکہ ایک درجہ میں اس کی تحسین اور قدر افزائی کی ہے، لیکن نوحہ و ماتم اور ارادی و اختیاری طور پر رونے پیٹنے کی سخت ممانعت فرمائی گئی ہے، اولاً تو اس لئے کہ یہ مقام عبدیت اور رضا بالقضاء کے بالکل خلاف ہے، دوسرے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل

صحیح بخاری و صحیح مسلم ہی میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کا یہ بیان مروی ہے کہ جب ان کے سامنے حضرت عمرؓ اور ان کے صاحبزادے حضرت ابن عمرؓ کی حدیث اس سلسلہ میں نقل کی گئی تو انہوں نے فرمایا — یہ دونوں حضرات بلاشبہ صادق ہیں۔ لیکن اس معاملہ میں یا تو ان کو سہو ہوا یا رسول اللہ ﷺ کی بات سننے و سمجھنے میں ان کو غلطی ہوئی، رسول اللہ ﷺ نے یہ بات نہیں فرمائی تھی۔ حضرت عائشہؓ نے اس بارے میں قرآن مجید کی آیت لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى سے بھی استدلال کیا ہے، وہ فرماتی ہیں کہ: اس آیت میں یہ قاعدہ اور اصول بیان کیا گیا ہے کہ کسی آدمی کے گناہ کی سزا دوسرے کو نہیں دی جائے گی، پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ رو ئیں گھر والے اور اس کی سزا دی جائے بیچارے مرنے والے کو۔ لیکن حضرت عمرؓ اور عبداللہ بن عمرؓ نے جس طرح یہ مضمون رسول اللہ ﷺ سے نقل فرمایا ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ نہ انہیں بھول چوک ہوئی ہے اور نہ غلط فہمی، دوسری طرف حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا استدلال بھی وزنی ہے، اس لئے شارحین حدیث نے دونوں باتوں میں تطبیق کرنے کی کوشش کی ہے اور اس کیلئے توجیہ کے مختلف طریقے اختیار کئے ہیں، ان میں سے ایک جو زیادہ معروف اور سہل الفہم بھی ہے یہ ہے کہ حضرت عمرؓ و ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیثوں کا تعلق اس صورت سے ہے جب کہ گھر والوں کے رونے میں مرنے والے کے قصور اور غفلت کو بھی کچھ دخل ہو، مثلاً یہ کہ وہ خود رونے اور نوحہ و ماتم کرنے کی وصیت کر گیا ہو جیسا کہ عربوں میں اس کا رواج تھا، یا کم سے کم یہ کہ گھر والوں کو رونے پیٹنے سے اس نے کبھی منع نہ کیا ہو۔ خود امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری میں یہی توجیہ کر کے تطبیق کی کوشش کی ہے۔

ایک دوسری توجیہ یہ بھی کی گئی ہے کہ جب میت کے گھر والے اس پر نوحہ و ماتم کرتے ہیں اور جاہلانہ رواج کے مطابق اس مرنے والے کے "کارنامے" بیان کر کے اس کو آسمان پر چڑھاتے ہیں تو فرشتے میت سے کہتے ہیں "کیوں جناب آپ ایسے ہی تھے؟" یہ بات بعض حدیثوں میں بھی وارد ہوئی ہے۔ یہاں اس سلسلہ میں بس اتنا ہی لکھنا مناسب سمجھا گیا۔ جو حضرات اہل علم اس سے زیادہ تفصیل چاہیں وہ فتح الملہم شرح صحیح مسلم کی طرف رجوع فرمائیں، اس میں اس مسئلہ پر بہت سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

ملحوظ رہے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ جن کی سخت بیماری کا اس حدیث میں ذکر ہے، اس بیماری سے صحت یاب ہو گئے تھے، ان کی وفات رسول اللہ ﷺ کے بعد ایک روایت کے مطابق عہد صدیقی میں اور دوسری روایت کے مطابق عہد فاروقی میں ہوئی۔

۳۱۷) عَنْ اَبِىْ بُرْدَةَ قَالَ اُغْمِىَ عَلٰى اَبِىْ مُوْسٰى فَاَقْبَلَتْ اِمْرَاَتُهٗ اُمُّ عَبْدِاللّٰهِ تَصِيْحُ بِرَنَّةٍ ثُمَّ اَفَاقَ فَقَالَ اَلَمْ تَعْلَمِىْ وَكَانَ يُحَدِّثُهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اَنَا بَرِىْءٌ مِمَّنْ حَلَقَ وَصَلَقَ وَخَرَقَ.
(رواہ البخاری و مسلم و اللفظ لمسلم)

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ابو بردہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ ابو موسیٰ (بیمار پڑے اور ان) پر غشی کی کیفیت طاری ہو گئی تو ان کی بیوی ام عبداللہ بلند آواز سے واویلے کے ساتھ رونے لگیں۔ پھر ابو موسیٰ کو افاقہ ہو گیا اور ہوش آ گیا تو انہوں نے (اپنی ان بیوی سے) فرمایا۔ کیا

تمہیں یہ معلوم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو کوئی (موت اور غمی کے موقع پر) سر منڈائے یا چلائے یا کپڑے پھاڑے (اور جاہلیت کے ان طریقوں سے اظہار غم و ماتم کرے) تو میں اس سے بری اور بے تعلق ہوں۔ ابو بردہ کہتے ہیں کہ ابو موسیٰ یہ حدیث اپنی بیوی کو سنایا بھی کرتے تھے۔

۳۱۸) **عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَيْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الْخُدُوْدَ وَشَقَّ الْجُيُوْبَ وَدَعَا بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ.** (رواه البخارى)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جو کوئی (غمی اور موت کے موقع پر) اپنے رخساروں پر تماچے مارے اور منہ پیٹے اور گریبان پھاڑے اور اس جاہلیت کے طریقے پر واویلا کرے وہ ہم میں سے نہیں (یعنی وہ ہمارے طریقے پر نہیں ہے)۔

آنکھ کے آنسو اور دل کا صدمہ

۳۱۹) **عَنْ أَنَسٍ قَالَ دَخَلْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ عَلَى أَبِيْ سَيْفٍ الْقَيْنِ وَكَانَ ظِئْرًا لِإِبْرَاهِيْمَ فَأَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَبَّلَهُ وَشَمَّهُ ثُمَّ دَخَلْنَا عَلَيْهِ بَعْدَ ذٰلِكَ وَإِبْرَاهِيْمُ يَجُوْدُ بِنَفْسِهِ فَجَعَلَتْ عَيْنَا رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ تَذْرِفَانِ فَقَالَ لَهُ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ وَأَنْتَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ فَقَالَ يَا ابْنَ عَوْفٍ إِنَّهَا رَحْمَةٌ ثُمَّ أَتْبَعَهَا بِأُخْرَى فَقَالَ إِنَّ الْعَيْنَ تَدْمَعُ وَالْقَلْبَ يَحْزَنُ وَلَا نَقُوْلُ إِلَّا مَا يَرْضٰى رَبُّنَا وَإِنَّا بِفِرَاقِكَ يَا إِبْرَاهِيْمُ لَمَحْزُوْنُوْنَ.** (رواه البخارى ومسلم)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی معیت میں ابو سیف آہنگر کے گھر گئے۔ یہ ابو سیف رسول اللہ ﷺ کے فرزند ابراہیم (علیہ وعلی ابیہ السلام) کی دایہ اور مرضعہ (خولہ بنت المنذر) کے شوہر تھے (اور ابراہیم اس وقت کے رواج کے مطابق اپنی دایہ کے گھر ہی رہتے تھے) رسول اللہ ﷺ نے اپنے صاحبزادے ابراہیم کو اٹھایا اور چوما اور (ان کے رخسار) پر ناک رکھی (جیسا کہ بچوں کو پیار کرتے وقت کیا جاتا ہے) اس کے بعد پھر ایک دفعہ (ان صاحبزادے ابراہیم کی آخری بیماری میں) ہم وہاں گئے اس وقت ابراہیم جان دے رہے تھے (یعنی ان کا بالکل آخری وقت تھا) ان کی اس حالت کو دیکھ کر رسول اللہ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ عبدالرحمن بن عوف (جو یہ سمجھتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ اس قسم کی چیزوں سے متاثر نہیں ہو سکتے، تعجب سے) انہوں نے کہا: یا رسول اللہ (ﷺ)! آپ کی بھی یہ حالت؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابن عوف یہ (کوئی بری بات اور بری حالت نہیں بلکہ یہ) شفقت اور دردمندی ہے، پھر دوبارہ آپ کی آنکھوں سے آنسو بہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: آنکھ آنسو بہاتی ہے اور دل مغموم ہے اور زبان سے ہم وہی کہیں گے جو اللہ کو پسند ہو (یعنی انا للہ وانا الیہ راجعون) اور اے ابراہیم تمہاری جدائی کا ہمیں صدمہ ہے۔

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کا قلب مبارک رنج و غم والے حوادث سے رنجیدہ و

غمگین ہوتا تھا اور اس حالت میں آپ کی آنکھوں سے آنسو بھی بہتے تھے، اور بلاشبہ یہی انسانیت کا کمال ہے کہ خوشی اور مسرت والی باتوں سے مسرت ہو اور رنج و غم کے موجبات سے رنج و غم ہو، اگر کسی کا یہ حال نہ ہو تو یہ اس کا نقص ہے، کمال نہیں ہے۔

امام ربانی شیخ احمد فاروقی مجدد الف ثانیؒ نے اپنے ایک مکتوب میں لکھا ہے کہ "ایک زمانہ میں میرے حال کی یہ حالت ہو گئی تھی کہ اسباب مسرت سے مجھے مسرت نہیں ہوتی تھی، اور موجبات غم سے غم نہیں ہوتا تھا، تو میں اس زمانہ میں سنت نبوی ﷺ کے اتباع کی نیت سے ایسے مواقع پر مسرت اور رنج و غم کو بہ تکلف اپنے پر طاری کیا کرتا تھا، اس کے بعد خدا کے فضل سے وہ کیفیت زائل ہو گئی، اور اب میرا یہ حال ہے کہ رنج و غم پہنچانے والے حوادث سے مجھے طبعی رنج و غم ہوتا ہے اور اسی طرح خوشی اور مسرت والی باتوں سے مجھے طبعی خوشی اور مسرت ہوتی ہے۔"

مصیبت زدہ کی تعزیت اور ہمدردی

موت یا ایسے ہی کسی اور شدید حادثہ کے وقت مصیبت زدہ کو تسلی دینا اور اس کے ساتھ اظہار ہمدردی اور اس کا غم ہلکا کرنے کی کوشش کرنا بلاشبہ مکارم اخلاق میں سے ہے، رسول اللہ ﷺ خود بھی اس کا اہتمام فرماتے تھے اور دوسروں کو اس کی ہدایت اور ترغیب بھی دیتے تھے۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ عَزّٰى مُصَابًا فَلَهُ مِثْلُ اَجْرِهٖ.

(رواہ الترمذی و ابن ماجہ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے کسی مصیبت زدہ کی تعزیت کی تو اس کے لئے مصیبت زدہ کے برابر اجر ہے۔

اہل میت کے لئے کھانے کا انتظام

میت کے گھر والے تازہ صدمہ کی وجہ سے ایسے حال میں نہیں ہوتے کہ کھانے وغیرہ کا اہتمام کر سکیں، اس لئے ان کے ساتھ ہمدردی کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ اس دن ان کے کھانے کا اہتمام دوسرے اعزہ اور تعلق والے کریں۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ لَمَّا جَآءَ نَعْیُ جَعْفَرٍ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ اِصْنَعُوْا لِاٰلِ جَعْفَرٍ طَعَامًا فَقَدْ اَتَاهُمْ مَا يَشْغَلُهُمْ.

(رواہ الترمذی و ابو داؤد و ابن ماجہ)

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ان کے والد ماجد حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر آئی، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جعفر کے گھر والوں کے لئے کھانا تیار کیا جائے، وہ اس اطلاع کی وجہ سے ایسے حال میں ہیں کہ کھانے وغیرہ کی طرف توجہ نہ کر سکیں گے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَقُولُ اللهُ مَا لِعَبْدِي الْمُؤْمِنِ جَزَاءٌ إِذَا قَبَضْتُ صَفِيَّهُ مِنْ أَهْلِ الدُّنْيَا ثُمَّ احْتَسَبَهُ إِلَّا الْجَنَّةُ۔ (رواہ البخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اپنے ایمان والے بندے (یا بندی) کے کسی پیارے کو جب میں اٹھا لوں پھر وہ ثواب کی امید میں صبر کرے تو میرے پاس اس کے لئے جنت کے سوا کوئی معاوضہ نہیں ہے۔

عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا مَاتَ وَلَدُ الْعَبْدِ قَالَ اللهُ تَعَالَى لِمَلَائِكَتِهِ قَبَضْتُمْ وَلَدَ عَبْدِي فَيَقُولُونَ نَعَمْ فَيَقُولُ قَبَضْتُمْ ثَمَرَةَ فُؤَادِهِ فَيَقُولُونَ نَعَمْ فَيَقُولُ مَاذَا قَالَ عَبْدِي فَيَقُولُونَ حَمِدَكَ وَاسْتَرْجَعَ فَيَقُولُ اللهُ ابْنُوا لِعَبْدِي بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَسَمُّوهُ بَيْتَ الْحَمْدِ۔ (رواہ احمد والترمذی)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب اللہ کے کسی بندے کا بچہ انتقال کر جاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ روح قبض کرنے والے فرشتے سے فرماتا ہے: تم نے میرے بندے کے بچے کی روح قبض کی؟ وہ عرض کرتے ہیں: جی ہاں! پھر فرماتا ہے: تم نے اس کے دل کا پھل اس سے لے لیا؟ وہ عرض کرتے ہیں: جی ہاں! پھر فرماتا ہے کہ اس پر میرے بندے نے کیا کہا (اور اپنا کیا تاثر ظاہر کیا؟) فرشتے عرض کرتے ہیں کہ اس بندے نے تیری حمد کی اور إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ پڑھا۔ (یعنی ہم سب اللہ ہی کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ (اس کے معاوضہ میں) اس کے لئے جنت میں ایک عالیشان گھر بناؤ اور اس کا نام بیت الحمد رکھو۔

عَنْ مُعَاذٍ أَنَّهُ مَاتَ لَهُ ابْنٌ فَكَتَبَ إِلَيْهِ النَّبِيُّ ﷺ التَّعْزِيَةَ ....

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللهِ إِلَى مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ سَلَامٌ عَلَيْكَ فَإِنِّي أَحْمَدُ إِلَيْكَ اللهَ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ أَمَّا بَعْدُ فَأَعْظَمَ اللهُ لَكَ الْأَجْرَ وَأَلْهَمَكَ الصَّبْرَ وَرَزَقَنَا وَإِيَّاكَ الشُّكْرَ فَإِنَّ أَنْفُسَنَا وَأَمْوَالَنَا وَأَهْلَنَا مِنْ مَوَاهِبِ اللهِ الْهَنِيئَةِ وَعَوَارِيهِ الْمُسْتَوْدَعَةِ مَتَّعَكَ اللهُ بِهِ فِي غِبْطَةٍ وَسُرُورٍ وَقَبَضَهُ مِنْكَ بِأَجْرٍ كَبِيرٍ الصَّلٰوةُ وَالرَّحْمَةُ وَالْهُدٰى إِنِ احْتَسَبْتَهُ فَاصْبِرْ وَلَا يُحْبِطْ جَزَعُكَ أَجْرَكَ فَتَنْدَمَ وَاعْلَمْ أَنَّ الْجَزَعَ لَا يَرُدُّ مَيِّتًا وَلَا يَدْفَعُ حُزْنًا وَمَا هُوَ نَازِلٌ فَكَانَ قَدْ

وَالسَّلَام۔ (رواہ الطبرانی فی الکبیر والاوسط)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے ایک لڑکے کا انتقال ہو گیا، تو رسول اللہ نے ان کو یہ تعزیت نامہ لکھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ کے رسول محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے معاذ بن جبل کے نام۔ سلام علیک! میں پہلے تم سے اللہ کی حمد بیان کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں (بعد ازاں) دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تم کو اس صدمہ پر اجر عظیم دے، اور تمہارے دل کو صبر عطا فرمائے، اور ہم کو اور تم کو نعمتوں پر شکر کی توفیق دے حقیقت یہ ہے کہ ہماری جانیں اور ہمارے مال اور ہمارے اہل و عیال یہ سب اللہ تعالیٰ کے مبارک عطیے ہیں اور اس کی سپرد کی ہوئی امانتیں ہیں (اس اصول کے مطابق تمہارا لڑکا بھی تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی امانت تھا) اللہ تعالیٰ نے جب تک چاہا خوشی اور عیش کے ساتھ تم کو اس سے نفع اٹھانے اور جی بہلانے کا موقع دیا اور جب اس کی مشیت ہوئی اپنی اس امانت کو تم سے واپس لے لیا وہ تم کو اس کا بڑا اجر دینے والا ہے اللہ کی خاص نوازش اور اس کی رحمت اور اس کی طرف سے ہدایت (کی تم کو بشارت ہے) اگر تم نے ثواب اور رضاء الٰہی کی نیت سے صبر کیا۔ پس اے معاذ! صبر کرو اور ایسا نہ ہو کہ جزع فزع تمہارے قیمتی اجر کو غارت کر دے اور پھر تمہیں ندامت ہو (کہ صدمہ بھی پہنچا اور اجر سے بھی محرومی رہی) اور یقین رکھو کہ جزع و فزع سے کوئی مرنے والا واپس نہیں آتا اور نہ اس سے رنج و غم دور ہوتا ہے، اور اللہ کی طرف سے جو حکم اترتا ہے وہ ہو کر رہنے والا ہے، بلکہ یقینا ہو چکا ہے۔ والسلام!

— قرآن مجید میں مصائب پر صبر کرنے والے بندوں کو تین چیزوں کی بشارت دی گئی ہے

أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ

ان پر اللہ تعالیٰ کی خاص نوازش اور عنایت ہوگی اور وہ رحمت سے نوازے جائیں گے اور ہدایت یاب ہوں گے۔

رسول اللہ نے اس تعزیت نامہ میں اسی قرآنی بشارت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ:

"اے معاذ! اگر تم نے ثواب اور رضائے الٰہی کی نیت سے اس صدمہ پر صبر کیا تو تمہارے لئے اللہ کی خاص نوازش اور اس کی رحمت اور ہدایت کی بشارت ہے۔"

رسول اللہ کے اس مبارک تعزیت نامہ میں ہر اس صاحب ایمان بندہ کے لئے تعزیت و نصیحت اور تسلی و تشفی کا پورا سامان ہے جس کو کوئی صدمہ پہنچے۔ کاش اپنی مصیبتوں میں ہم رسول اللہ کی اس ایمان افروز اور سکون بخش تعزیت سے سکون حاصل کریں اور صبر و شکر کو اپنا شعار بنا کر دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت اور رحمت و ہدایت سے بہرہ اندوز ہوں۔

میت کا غسل و کفن

اللہ کا جو بندہ اس دنیا سے رخصت ہو کر موت کے راستے سے دار آخرت کی طرف جاتا ہے اسلامی شریعت نے اس کو اعزاز و اکرام کے ساتھ رخصت کرنے کا ایک خاص طریقہ مقرر کیا ہے، جو نہایت ہی پاکیزہ و انسانی قدروں کا ترجمان اور نہایت ہمدردانہ اور شریفانہ طریقہ ہے۔ حکم ہے کہ پہلے میت کو ٹھیک اس طرح غسل دیا جائے جس طرح کوئی زندہ آدمی پاکی اور پاکیزگی حاصل کرنے کے لئے نہاتا ہے۔ اس غسل میں پاکی اور صفائی کے علاوہ غسل کے آداب کا بھی پورا لحاظ رکھا جائے۔ غسل کے پانی میں وہ چیزیں شامل کی جائیں جو میل کچیل صاف کرنے کے لئے لوگ زندگی میں بھی نہانے میں استعمال کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ آخر میں کافور جیسی خوشبو بھی پانی میں شامل کی جائے تاکہ میت کا جسم پاک صاف ہونے کے علاوہ معطر بھی ہو جائے پھر اچھے صاف ستھرے کپڑوں میں دفنایا جائے، لیکن اس سلسلہ میں اسراف سے بھی کام نہ لیا جائے اس کے بعد جماعت کے ساتھ نماز جنازہ پڑھی جائے جس میں میت کے لئے مغفرت اور رحمت کی دعا اہتمام اور خلوص سے کی جائے۔ پھر رخصت کرنے کے لئے قبرستان تک لایا جائے، پھر اکرام و احترام کے ساتھ بظاہر قبر کے حوالے اور فی الحقیقت اللہ کی رحمت کے سپرد کر دیا جائے اس سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کے ارشادات اور آپ ﷺ کی ہدایات ذیل میں پڑھئے۔

(۳۲۵) عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَنَحْنُ نَغْسِلُ ابْنَتَهُ فَقَالَ اغْسِلْنَهَا ثَلَاثًا أَوْ خَمْسًا أَوْ أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ إِنْ رَأَيْتُنَّ ذٰلِكَ بِمَاءٍ وَسِدْرٍ وَاجْعَلْنَ فِي الْآخِرَةِ كَافُوْرًا أَوْ شَيْئًا مِنْ كَافُوْرٍ فَإِذَا فَرَغْتُنَّ فَآذِنَّنِيْ فَلَمَّا فَرَغْنَا آذَنَّاهُ فَأَلْقٰى إِلَيْنَا حِقْوَهُ فَقَالَ أَشْعِرْنَهَا إِيَّاهُ وَفِيْ رِوَايَةٍ اغْسِلْنَهَا وِتْرًا ثَلَاثًا أَوْ خَمْسًا أَوْ سَبْعًا وَابْدَأْنَ بِمَيَامِنِهَا وَمَوَاضِعِ الْوُضُوْءِ مِنْهَا

(رواہ البخاری و مسلم)

(ترجمہ) حضرت ام عطیہ انصاریہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ایک فوت شدہ صاحبزادی کو ہم غسل دے رہے تھے، اس وقت رسول اللہ ﷺ گھر میں تشریف لائے اور ہم سے فرمایا کہ۔ تم اس کو بیری کے پتوں کے ساتھ جوش دیے ہوئے پانی سے تین دفعہ یا پانچ دفعہ اور اگر تم مناسب سمجھو تو اس سے بھی زیادہ غسل دیجیو، اور آخری دفعہ کافور بھی شامل کرو، پھر جب تم غسل دے چکو تو مجھے خبر کر دیجیو۔ (ام عطیہ کہتی ہیں کہ) جب ہم غسل دے کر فارغ ہو گئے تو ہم نے آپ کو اطلاع دے دی تو آپ نے اپنا تہبند ہماری طرف پھینک دیا اور فرمایا کہ "سب سے پہلے یہ اسے پہنا دو"۔ اور اس حدیث کی ایک دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔ تم اسکو طاق دفعہ غسل دیجیو تین دفعہ یا پانچ دفعہ یا سات دفعہ اور داہنے اعضاء سے اور وضو کے مقامات سے شروع کرو۔

(تشریح) اس حدیث کی صحیح مسلم کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جن صاحبزادی کو غسل دینے کا

پرانے کپڑے میں بھی کفن دیا جا سکتا ہے اور اس میں کوئی عار نہیں ہونی چاہیے۔

غزوۂ احد میں حضور ﷺ کے حقیقی چچا سیدنا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور حضرت مصعب بن عمیرؓ کو فقط ایک ایک ہی ادنیٰ سی چھوٹی سی چادر میں کفنایا گیا تھا کہ جب اس سے آپ کا سر ڈھکتے تو پاؤں کھل جاتے تھے اور جب پاؤں ڈھکتے تھے تو سر کھل جاتا تھا، پھر رسول اللہ ﷺ کے حکم سے اس چادر سے سر ڈھک دیا گیا، اور پاؤں کو اذخر گھاس سے چھپا دیا گیا اور اسی کفن کے ساتھ دفن کر دیا گیا۔

جنازہ کے ساتھ چلنے اور نماز جنازہ پڑھنے کا ثواب

(۲۳۳) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مَنِ اتَّبَعَ جَنَازَةَ مُسْلِمٍ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا وَكَانَ مَعَهُ حَتَّى يُصَلَّى عَلَيْهَا وَيُفْرَغَ مِنْ دَفْنِهَا فَإِنَّهُ يَرْجِعُ مِنَ الْأَجْرِ بِقِيرَاطَيْنِ كُلُّ قِيرَاطٍ مِثْلُ أُحُدٍ وَمَنْ صَلَّى عَلَيْهَا ثُمَّ رَجَعَ قَبْلَ أَنْ تُدْفَنَ فَإِنَّهُ يَرْجِعُ بِقِيرَاطٍ — (رواه البخاري و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو آدمی ایمان کی صفت کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے کسی مسلمان کے جنازے کے ساتھ جائے اور اس وقت تک جنازے کے ساتھ رہے جب تک کہ اس پر نماز پڑھی جائے اور اس کے دفن سے فراغت ہو تو وہ ثواب کے دو قیراط لے کر واپس ہو گا، جن میں سے ہر قیراط گویا احد پہاڑ کے برابر ہو گا، اور جو آدمی صرف نماز جنازہ پڑھ کے واپس آ جائے (دفن ہونے تک ساتھ نہ رہے) تو وہ ثواب کا (ایسا ہی) ایک قیراط لے کر واپس ہو گا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح: جیسا کہ ظاہر ہے اس حدیث کا مقصد جنازہ کے ساتھ جانے، اس پر نماز پڑھنے اور دفن میں شرکت کرنے کی ترغیب دینا اور فضیلت بیان کرنا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ جو شخص جنازہ کے ساتھ چلا اور صرف نماز میں شرکت کر کے واپس آ گیا وہ بقدر ایک قیراط کے اجر کا مستحق ہو گا، اور جو شخص دفن تک شریک رہا وہ دو قیراط کا مستحق ہو گا۔ قیراط راجح قول کے مطابق درہم کا بارہواں حصہ ہوتا ہے۔ قریباً ویسے ہی جیسے ہم کہ اس زمانہ میں مزدوروں کو ان کے کام کی اجرت قیراط کے حساب سے دی جاتی تھی، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے بھی اس موقع پر قیراط کا لفظ استعمال فرمایا، اور یہ بھی واضح فرما دیا کہ اس کو دنیا کا قیراط (درہم کا بارھواں حصہ آنہ آدھ آنہ) نہ سمجھا جائے بلکہ یہ ثواب آخرت کا قیراط ہو گا جو دنیا کے قیراط کے مقابلہ میں اتنا بڑا ہو گا جتنا احد پہاڑ اس کے مقابلہ میں بڑا اور عظیم الشان ہے۔ اسی کے ساتھ رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی واضح کر دیا کہ اس عمل پر یہ عظیم ثواب تب ہی ملے گا جب کہ یہ عمل ایمان و یقین کی بنیاد پر اور ثواب ہی کی نیت سے کیا گیا ہو، یعنی اس عمل کا اصل محرک اللہ و رسول کی باتوں پر ایمان و یقین اور آخرت کے ثواب کی امید ہو۔ پس اگر کوئی شخص صرف تعلق اور رشتہ داری کے خیال سے یا میت کے گھر والوں کو خوش کرنے ہی کی نیت سے یا ایسے ہی کسی دوسرے مقصد سے جنازہ کے ساتھ گیا، نماز جنازہ اور دفن میں شریک ہوا اللہ اور رسول کے حکم اور آخرت کا ثواب اس کے پیش نظر تھا ہی نہیں، تو وہ اس ثواب عظیم کا مستحق نہیں ہو گا۔ حدیث کے الفاظ

و احتساباً کا مطلب یہ ہے۔ اور سمجھنا چاہئے کہ اعمال کے اجر اخروی کے لئے ایک عام شرط ہے۔ اس سلسلہ "معارف الحدیث" کی پہلی جلد کے بالکل شروع میں حدیث "انما الاعمال بالنیات" کی تشریح میں اور دوسری جلد میں "اخلاص" کے زیر عنوان اس پر تفصیلی روشنی ڈالی جا چکی ہے۔

جنازہ کے ساتھ تیز رفتاری اور جلدی کا حکم

(۳۳۱) **عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَسْرِعُوْا بِالْجَنَازَةِ فَاِنْ تَكُ صَالِحَةً فَخَيْرٌ تُقَدِّمُوْنَهَا اِلَيْهِ وَاِنْ تَكُ سِوٰى ذٰلِكَ فَشَرٌّ تَضَعُوْنَهُ عَنْ رِقَابِكُمْ.** (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ جنازے کو تیز لے جایا کرو، اگر وہ نیک ہے تو (قبر اس کے لئے) خیر ہے (یعنی اچھی منزل ہے) جہاں تم (تیز چل کے) اس کو جلدی پہنچا دو گے، اور اگر اس کے سوا دوسری صورت ہے (یعنی جنازہ نیک کا نہیں ہے) تو ایک برا (بوجھ تمہارے کندھوں پر) ہے (تم تیز چل کے جلدی) اس کو اپنے کندھوں سے اتار دو گے۔

تشریح: حدیث کا مقصد یہ ہے کہ جنازہ کو جلدی اپنے ٹھکانے پر پہنچانے کی کوشش کی جائے۔ تجہیز و تکفین کے انتظام میں بھی بے ضرورت تاخیر نہ کی جائے اور جب دفن کے لئے جنازہ لے جایا جائے تو خواہ مخواہ آہستہ آہستہ نہ چلا جائے بلکہ مناسب حد تک تیز چلا جائے۔ اگر میت نیک اور اللہ کی رحمت کی مستحق ہے تو چاہئے جلدی اس کو اس کے اچھے ٹھکانے پر پہنچا دیا جائے، اور اگر خدانخواستہ اس کے برعکس معاملہ ہے تو پھر جلدی اس کے بار سے سبکدوشی حاصل کی جائے۔

نماز جنازہ اور اس میں میت کیلئے دعا

(۳۳۲) **عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا صَلَّيْتُمْ عَلَى الْمَيِّتِ فَاَخْلِصُوْا لَهُ الدُّعَاءَ.**

(رواہ ابو داؤد و ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ جب تم کسی میت کی نماز جنازہ پڑھو تو پورے خلوص سے اس کیلئے دعا کرو۔ (سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

تشریح: نماز جنازہ کا اصل مقصد میت کے لئے دعا ہی ہے۔ پہلی تکبیر کے بعد اللہ کی حمد و تسبیح اور دوسری تکبیر کے بعد درود شریف گویا دعا ہی کی تمہید ہے۔ رسول اللہ ﷺ نماز جنازہ میں جو دعائیں پڑھتے تھے۔ (جو آگے درج کی جا رہی ہیں) وہ سب اس موقع کے لئے بہترین دعائیں ہیں۔

(۳۳۳) **عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلٰى جَنَازَةٍ فَحَفِظْتُ مِنْ دُعَائِهِ وَهُوَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ وَارْحَمْهُ وَعَافِهِ وَاعْفُ عَنْهُ وَاَكْرِمْ نُزُلَهُ وَوَسِّعْ مُدْخَلَهُ وَاغْسِلْهُ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ وَنَقِّهِ مِنَ الْخَطَايَا كَمَا نَقَّيْتَ الثَّوْبَ الْاَبْيَضَ مِنَ الدَّنَسِ وَاَبْدِلْهُ دَارًا خَيْرًا مِنْ دَارِهِ**

وَاَهْلًا خَيْرًا مِنْ اَهْلِهِ وَزَوْجًا خَيْرًا مِنْ زَوْجِهِ وَاَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ وَاَعِذْهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ عَذَابِ النَّارِ قَالَ حَتّٰى تَمَنَّيْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَنَا ذٰلِكَ الْمَيِّتَ. (رواہ مسلم)

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک میت کے جنازہ کی نماز پڑھی (اس میں آپ نے میت کے لئے جو دعا کی) اس دعا کے یہ الفاظ مجھے یاد ہیں، آپ اللہ کے حضور میں عرض کر رہے تھے اے اللہ! تو اس بندہ کی مغفرت فرما، اس پر رحمت فرما، اس کو عافیت دے، اس کو معاف کر دے، اس کی باعزت مہمانی فرما، اس کی قبر کو اس کے لئے وسیع فرما دے (جہنم کی آگ اور اس کی سوزش و تپش کی بجائے) پانی سے، برف سے اور اولوں سے اس کو نہلا دے (اور ٹھنڈا اور پاک کر دے) اور گناہوں کی گندگی سے اس کو صاف کر دے جس طرح اجلے کپڑے کو تو نے میل سے صاف فرما دیا ہے، اور اس کو دنیا کے گھر کے بدلے میں آخرت کا اچھا گھر اور گھر والوں کے بدلے میں اچھے گھر والے اور رفیق حیات کے بدلے میں اچھا رفیق حیات عطا فرما دے، اور اس کو جنت میں پہنچا دے اور عذاب قبر اور عذاب دوزخ سے اس کو بچا دے (حدیث کے راوی عوف بن مالک کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کی یہ دعا سن کر میرے دل میں آرزو پیدا ہوئی کہ کاش یہ میت میں ہوتا۔ (صحیح مسلم)

(۳۳۴) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا صَلّٰى عَلَى الْجَنَازَةِ قَالَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِيْرِنَا وَكَبِيْرِنَا وَذَكَرِنَا وَاُنْثَانَا اَللّٰهُمَّ مَنْ اَحْيَيْتَهُ مِنَّا فَاَحْيِهِ عَلَى الْاِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّيْتَهُ مِنَّا فَتَوَفَّهُ عَلَى الْاِيْمَانِ اَللّٰهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَهُ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَهُ.

(رواہ احمد و ابو داؤد و الترمذی و ابن ماجہ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی جنازے پر نماز پڑھتے تھے تو اس میں یوں دعا کرتے تھے: اے اللہ! ہمارے زندوں کی اور مردوں کی، حاضروں کی اور غائبوں کی، چھوٹوں کی اور بڑوں کی، مردوں کی اور عورتوں کی، سب کی مغفرت فرما، اے اللہ! ہم میں سے جس کو تو زندہ رکھے اس کو اسلام پر قائم رکھتے ہوئے زندہ رکھ، اور جس کو اس عالم سے اٹھائے اس کو ایمان کی حالت میں اٹھا، اے اللہ! اس میت کی موت کے اجر سے ہمیں آخرت میں محروم نہ کیجیو، اور اس دنیا میں اس کے بعد ہمیں کسی فتنہ اور آزمائش میں نہ ڈال۔

(۳۳۵) عَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْاَسْقَعِ قَالَ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلٰى رَجُلٍ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ فَسَمِعْتُهُ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنَّ فُلَانَ بْنَ فُلَانٍ فِىْ ذِمَّتِكَ وَحَبْلِ جِوَارِكَ فَقِهِ مِنْ فِتْنَةِ الْقَبْرِ وَعَذَابِ النَّارِ وَاَنْتَ اَهْلُ الْوَفَاءِ وَالْحَقِّ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ وَارْحَمْهُ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ. (رواہ ابو داؤد و ابن ماجہ)

حضرت واثلہ بن الاسقع سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں میں سے ایک شخص کی نماز جنازہ پڑھائی، میں نے سنا اس میں آپ یہ دعا کر رہے تھے، اے اللہ! تیرا یہ بندہ فلاں بن فلاں تیری

امان میں اور تیری پناہ میں ہے، تو اس کو عذاب قبر اور عذاب نار سے بچا، تو وعدوں کو وفا کرنے والا اور خداوند حق ہے۔ اے اللہ! تو اس بندے کی مغفرت فرمادے، اس پر رحمت فرما، تو بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے۔

جنازہ کی نماز میں رسول اللہ ﷺ سے بعض اور دعائیں بھی ثابت ہیں، لیکن زیادہ مشہور یہی تین ہیں جو مندرجہ بالا حدیثوں میں مذکور ہوئیں، پڑھنے والے کو اختیار ہے جو چاہے دعا پڑھے، اور چاہے تو ان میں سے متعدد دعائیں پڑھے۔

مندرجہ بالا حدیثوں سے خاص کر واثلہ ابن اسقع اور ابوہریرہؓ کی حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے جنازہ کی نماز میں یہ دعائیں اتنی آواز سے پڑھیں کہ ان صحابہ کرامؓ نے سن کر ان کو محفوظ کر لیا۔ رسول اللہ ﷺ بعض اوقات نماز میں بعض دعائیں وغیرہ اس لئے بالجہر اور آواز سے پڑھتے تھے کہ دوسرے لوگ سن کر سیکھ لیں۔ جنازہ کی ان نمازوں میں دعاؤں کا آواز سے پڑھنا بھی غالباً اسی مقصد سے تھا، ورنہ عام قانون دعا کے بارے میں یہ ہے کہ اس کا آہستہ کرنا افضل ہے۔ قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے:

[illegible] "اپنے رب سے دعا کرو عاجزی و مسکینی کے ساتھ اور چپکے چپکے"

[illegible]

[illegible] عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ مَيِّتٍ تُصَلِّى عَلَيْهِ أُمَّةٌ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ يَبْلُغُوْنَ مِائَةً كُلُّهُمْ يَشْفَعُوْنَ لَهُ إِلَّا شُفِّعُوْا فِيْهِ. (رواه مسلم)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس میت پر مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت نماز پڑھے، جن کی تعداد سو تک پہنچ جائے، اور وہ سب اللہ کے حضور میں اس میت کے لئے سفارش کریں (یعنی مغفرت و رحمت کی دعا کریں) تو ان کی یہ سفارش اور دعا ضرور ہی قبول ہوگی۔

[illegible] عَنْ كُرَيْبٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ عَبْدِاللهِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ مَاتَ لَهُ ابْنٌ بِقُدَيْدٍ أَوْ بِعُسْفَانَ فَقَالَ يَا كُرَيْبُ أُنْظُرْ مَا اجْتَمَعَ لَهُ مِنَ النَّاسِ قَالَ فَخَرَجْتُ فَإِذَا نَاسٌ قَدِ اجْتَمَعُوْا لَهُ فَأَخْبَرْتُهُ فَقَالَ تَقُوْلُ هُمْ أَرْبَعُوْنَ قَالَ نَعَمْ قَالَ أَخْرِجُوْهُ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ مَا مِنْ رَجُلٍ مُسْلِمٍ يَمُوْتُ فَيَقُوْمُ عَلَى جَنَازَتِهِ أَرْبَعُوْنَ رَجُلًا لَا يُشْرِكُوْنَ بِاللهِ شَيْئًا إِلَّا شَفَّعَهُمُ اللهُ فِيْهِ. (رواه مسلم)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے آزاد کردہ غلام اور خادم خاص کریب تابعی بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ کے ایک صاحبزادے کا انتقال مقام قدید میں یا مقام عسفان میں ہو گیا (جب کچھ لوگ جمع ہو گئے) تو حضرت ابن عباسؓ نے مجھ سے فرمایا کہ جو لوگ جمع ہو گئے ہیں ذرا تم ان پر نظر ڈالو، کریب

کہتے ہیں کہ میں باہر نکلا تو دیکھا کہ کافی لوگ جمع ہو چکے ہیں، میں نے ان کو اس کی اطلاع دی۔ انہوں نے فرمایا۔ تمہارا خیال ہے کہ وہ چالیس ہوں گے؟۔ کریب نے کہا ہاں ۴۰ ضرور ہوں گے (ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اب جنازہ باہر لے چلو، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ جس مسلمان کا انتقال ہو جائے اور اس کے جنازے کی نماز چالیس ایسے آدمی پڑھیں جن کی زندگی شرک سے بالکل پاک ہو اور وہ نماز میں اس میت کے لئے مغفرت اور رحمت کی دعا اور سفارش کریں) تو اللہ تعالیٰ ان کی سفارش اس میت کے حق میں ضرور قبول فرماتا ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح ۔۔۔ قدید، مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے راستہ میں رابغ کے قریب ایک قصبہ تھا اور عسفان مکہ معظمہ اور رابغ کے درمیان مکہ معظمہ سے قریباً ۳۰، ۳۵ میل کے فاصلہ پر ایک بستی تھی۔ راوی کو شک ہو گیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے صاحبزادے کے انتقال کا یہ واقعہ ان دونوں مقامات میں سے کس مقام پر پیش آیا تھا۔

۲۳۸) عَنْ مَالِكِ بْنِ هُبَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَمُوْتُ فَيُصَلِّىْ عَلَيْهِ ثَلٰثَةُ صُفُوْفٍ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ اِلَّا اَوْجَبَ فَكَانَ مَالِكٌ اِذَا اسْتَقَلَّ اَهْلَ الْجَنَازَةِ جَزَّاَهُمْ ثَلٰثَةَ صُفُوْفٍ لِهٰذَا الْحَدِيْثِ. (رواه ابو داؤد)

ترجمہ ۔۔۔ حضرت مالک بن ہبیرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے آپ کا یہ ارشاد سنا کہ جس مسلمان بندے کا انتقال ہو جائے اور مسلمانوں کی تین صفیں اس کی نماز جنازہ پڑھیں (اور اس کے لئے مغفرت و جنت کی دعا کریں) تو ضرور ہی اللہ تعالیٰ اس بندے کے واسطے (مغفرت اور جنت) واجب کر دیتا ہے۔ (مالک بن ہبیرہ سے اس حدیث کی روایت کرنے والے مرثد یزنی کہتے ہیں کہ) مالک بن ہبیرہؓ کا یہ دستور تھا کہ جب وہ جنازہ پڑھنے والوں کی تعداد کم محسوس کرتے تو اسی حدیث کی وجہ سے ان لوگوں کو تین صفوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح ۔۔۔ یہ تین حدیثیں ہیں۔ سب سے پہلی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں سو مسلمانوں کے لئے نماز جنازہ پڑھنے پر اور اس کے بعد والی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی حدیث میں چالیس مسلمانوں کے نماز پڑھنے پر اور آخری مالک بن ہبیرہ والی حدیث میں مسلمانوں کی تین صفوں کے نماز پڑھنے پر مغفرت و جنت کی سفارش اور دعا کے قبول ہونے کا اطمینان ظاہر فرمایا گیا ہے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مختلف اوقات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ پر یہ تینوں باتیں منکشف ہوئیں۔ غالباً پہلے آپ کو بتایا گیا کہ اگر کسی بندے کی نماز جنازہ سو مسلمان بندے پڑھیں اور اس نماز میں اس بندے کے لئے مغفرت و رحمت کی دعا کریں تو اللہ تعالیٰ اس بندے کے حق میں ضرور ہی ان کی یہ دعا قبول فرمائے گا۔ اس کے بعد اور تخفیف کر دی گئی اور صرف ۴۰ مسلمانوں کے نماز پڑھنے پر یہی بشارت سنا دی گئی۔ اس کے بعد اور مزید تخفیف کر دی گئی اور تین صفوں کے نماز پڑھنے پر بھی آپ کو یہی اطمینان دلا دیا گیا اگرچہ تعداد ۴۰ سے بھی

کم ہو۔ واللہ اعلم۔

بہر حال ان حدیثوں سے صاف ظاہر ہے کہ نماز جنازہ میں کثرت مطلوب اور باعث برکت و رحمت ہے اس لئے مناسب حد تک اس کا اہتمام اور اس کی کوشش ضرور کرنی چاہئے۔

دفن کا طریقہ اور اس کے آداب

(۳۳۹) عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ اَنَّ سَعْدَ بْنَ اَبِیْ وَقَّاصٍ قَالَ فِیْ مَرَضِهِ الَّذِیْ هَلَكَ فِیْهِ اَلْحِدُوْا لِیْ لَحْدًا وَانْصِبُوْا عَلَیَّ اللَّبِنَ نَصْبًا كَمَا صُنِعَ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عامر بیان کرتے ہیں کہ (والد ماجد) سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اپنے مرض وفات میں وصیت فرمائی تھی کہ میرے واسطے بغلی قبر بنائی جائے اور اس کو بند کرنے کے لئے کچی اینٹیں کھڑی کردی جائیں، جس طرح رسول اللہ ﷺ کے لئے کیا گیا تھا۔ (صحیح مسلم)

تشریح — اس سے معلوم ہوا کہ قبر کا افضل اور بہتر طریقہ یہی ہے کہ وہ بغلی بنائی جائے اور کچی اینٹوں سے اس کو بند کیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک بھی اسی طرح بنائی گئی تھی۔ لیکن اگر زمین ایسی کچی ہو کہ بغلی قبر نہ بن سکتی ہو تو پھر دوسرے طریقہ کی قبر بنائی جائے جس کو شق کہتے ہیں۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں حسب موقع دونوں طرح کی قبریں بنائی جاتی تھیں، لیکن افضل لحد یعنی بغلی قبر ہی کا طریقہ ہے۔

(۳۴۰) عَنْ هِشَامِ بْنِ عَامِرٍ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ یَوْمَ اُحُدٍ اِحْفِرُوْا وَاَوْسِعُوْا وَاَعْمِقُوْا وَاَحْسِنُوْا وَادْفِنُوْا الْاِثْنَیْنِ وَالثَّلٰثَةَ فِیْ قَبْرٍ وَاحِدٍ وَقَدِّمُوْا اَكْثَرَهُمْ قُرْاٰنًا۔ (رواہ احمد والترمذی وابو داؤد والنسائی)

ترجمہ: ہشام بن عامر انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے احد کے دن فرمایا کہ (شہداء کے لئے) قبریں کھودو اور ان کو وسیع اور گہرا کرو، اور اچھی طرح بناؤ اور دو دو تین تین کو ایک ایک قبر میں دفن کرو اور ان میں سے جس کے پاس قرآن زیادہ ہو اس کو آگے کرو اور مقدم رکھو۔

(مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

تشریح — غزوہ احد میں قریب ستر کے صحابہ کرام شہید ہوئے تھے ان سب کے لئے اس وقت الگ الگ قبریں کھودنا بہت مشکل بھی تھا، اور ایسے خاص موقعوں کے لئے رسول اللہ کو ایک گنجائش بھی قائم کرنی تھی، اس لئے آپ نے حکم دیا کہ ایک ایک قبر میں دو دو تین تین دفن کئے جائیں، لیکن اس کی تاکید فرمائی کہ قبریں باقاعدہ کھودی جائیں، گہری بھی ہوں اور وسیع بھی ہوں۔ اور ایک ہدایت یہ بھی دی کہ ایک قبر میں جب متعدد شہید دفن کئے جائیں تو ترتیب میں مقدم یعنی پہلے اور قبلہ کی جانب اس کو رکھا جائے جس کے پاس قرآن زیادہ ہو، گویا وہ امام ہے اور اس کے ساتھ والے مقتدی اس حدیث کی بناء پر۔ جنگ کے جیسے غیر

معمولی حالات میں جائز ہے کہ ایک ایک قبر میں کئی کئی مردوں کو دفن کیا جائے۔

(۳۴۱) عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا أَدْخَلَ الْمَيِّتَ الْقَبْرَ قَالَ بِسْمِ اللَّهِ وَبِاللَّهِ وَعَلَى مِلَّةِ رَسُولِ اللَّهِ. وَفِي رِوَايَةٍ وَعَلَى سُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ. (رواه احمد والترمذی وابن ماجہ وابو داؤد)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی میت کو قبر میں اتارتے (یا کوئی میت قبر میں اتاری جاتی) تو فرماتے تھے: [illegible] (ہم اس بندے کو اللہ کے نام پاک کے ساتھ اور اس کی مدد سے اور اس کے نبی کے طریقے پر سپرد خاک کرتے ہیں) اور اسی حدیث کی بعض روایتوں میں [illegible] کے بجائے [illegible] کا لفظ بھی روایت کیا گیا ہے۔ [illegible]

(۳۴۲) عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِيهِ مُرْسَلًا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ حَثَى عَلَى الْمَيِّتِ ثَلَاثَ حَثَيَاتٍ بِيَدَيْهِ جَمِيعًا وَأَنَّهُ رَشَّ عَلَى قَبْرِ ابْنِهِ إِبْرَاهِيمَ وَوَضَعَ عَلَيْهِ حَصْبَاءَ. (رواہ البغوی فی شرح السنۃ)

امام جعفر صادق اپنے والد ماجد امام محمد باقر سے بطریق ارسال روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک میت پر (یعنی دفن کے وقت اس کی قبر پر) دونوں ہاتھ ایک ساتھ بھر کے تین دفعہ مٹی ڈالی۔ اور اپنے صاحبزادے ابراہیم کی قبر پر پانی چھڑکوایا اور اس کے اوپر سنگ ریزے ڈلوائے۔ [illegible]

(۳۴۳) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ إِذَا مَاتَ أَحَدُكُمْ فَلَا تَحْبِسُوهُ وَأَسْرِعُوا بِهِ إِلَى قَبْرِهِ وَيُقْرَأُ عِنْدَ رَأْسِهِ فَاتِحَةُ الْبَقَرَةِ وَعِنْدَ رِجْلَيْهِ بِخَاتِمَةِ الْبَقَرَةِ.
(رواہ البیہقی فی شعب الایمان وقال والصحیح انہ موقوف علیہ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرماتے تھے کہ: جب تمہارا کوئی آدمی انتقال کر جائے تو اس کو دیر تک گھر میں مت روکو، اور قبر تک پہنچانے اور دفن کرنے میں سرعت سے کام لو اور (دفن کے بعد) سر کی جانب سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیات (مفلحون تک) اور پاؤں کی جانب اس کی اختتامی آیات ([illegible] سے ختم سورۃ تک) پڑھی جائیں۔ (یہ حدیث امام بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کی ہے اور ساتھ ہی کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ روایت میں جس طرح رسول اللہ ﷺ کی طرف اس کی نسبت کی گئی ہے سند کے لحاظ سے یہ ثابت نہیں ہے)۔

میت کو دیر تک گھر میں نہ رکھنے اور کفن دفن میں جلدی کرنے کی ہدایت تو رسول اللہ ﷺ سے متعدد حدیثوں میں وارد ہوئی ہے، اور سورۂ بقرہ کی ابتدائی اور اختتامی آیات کے قبر پر پڑھنے کا حکم ظاہر ہے کہ حضرت ابن عمر اپنی طرف سے نہیں دے سکتے تھے، یقیناً یہ بات بھی انہوں نے رسول اللہ ﷺ ہی سے سنی ہوگی اس لئے سند کے لحاظ سے اگرچہ یہ حدیث مرفوعاً ثابت نہ ہو، لیکن محدثین اور فقہاء کے اصول پر یہ حکم

میں مرفوعاً ہی کے ہے۔

قبروں سے متعلق ہدایات

۳۴۴) عَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ يُّجَصَّصَ الْقَبْرُ وَاَنْ يُّبْنٰى عَلَيْهِ وَاَنْ يُّقْعَدَ عَلَيْهِ – (رواہ مسلم)

ترجمہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی ممانعت فرمائی ہے کہ قبر کو پختہ کیا جائے یا اس پر عمارت بنائی جائے یا اس پر بیٹھا جائے۔

تشریح قبر کے بارے میں شریعت کا اصولی نقطۂ نظر یہ ہے کہ ایک طرف تو میت کے تعلق سے اس کا احترام کیا جائے کسی قسم کی بے حرمتی نہ کی جائے۔ اسی بناء پر اس حدیث میں فرمایا گیا ہے، کہ کوئی اس پر بیٹھے نہیں، یہ اس کے احترام کے خلاف ہوگا۔ اور دوسری طرف یہ کہ وہ دیکھنے میں ایسی سادہ ہو کہ اس کو دیکھ کر دنیا کی بے ثباتی کا احساس اور آخرت کی یاد اور فکر دل میں پیدا ہو اسی واسطے اس کو چونہ وغیرہ سے پختہ اور شاندار بنانے کی اور اس کے اوپر بطور یادگار وغیرہ کے عمارت کھڑی کرنے کی بھی ممانعت فرمائی گئی ہے۔

دوسری حکمت اس حکم میں یہ بھی ہے کہ قبر جب بالکل سادہ اور کچی ہوگی اور اس پر کوئی شاندار عمارت بھی نہ کھڑی ہوگی تو شرک پسند طبیعتیں اس کو پرستش گاہ بھی نہ بنا سکیں گی۔ جن صحابہؓ یا تابعین یا اولیاء امت کی قبریں شریعت کے اس حکم کے مطابق بالکل سادہ اور کچی ہیں وہاں کوئی خرافات نہیں ہوتی، اور جن بزرگوں کے مزارات پر شاندار مقبرے بنے ہوئے ہیں۔ وہاں جو کچھ ہو رہا ہے آنکھوں کے سامنے ہے، اور اسی کی وجہ سے سب سے زیادہ تکلیف ان بزرگوں کی پاک روحوں کو ہی ہو رہی ہے۔

۳۴۵) عَنْ اَبِىْ مَرْثَدٍ الْغَنَوِىِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تَجْلِسُوْا عَلَى الْقُبُوْرِ وَلَا تُصَلُّوْا اِلَيْهَا . (رواہ مسلم)

ترجمہ حضرت ابو مرثد غنوی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نہ تو قبروں کے اوپر بیٹھو اور نہ ان کی طرف رخ کر کے نماز پڑھو۔

تشریح جیسا کہ ابھی اوپر کہا گیا قبر پر بیٹھنے میں اس کی بے حرمتی ہے، اور آگے درج ہونے والی حدیث سے معلوم ہوگا کہ اس سے صاحب قبر کو اذیت بھی ہوتی ہے، اور قبر کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کی ممانعت کا خاص مقصد امت کو شرک کے شبہ اور شائبہ سے بھی بچانا ہے۔

۳۴۶) عَنْ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ قَالَ رَاٰنِى النَّبِىُّ ﷺ مُتَّكِئًا عَلٰى قَبْرٍ فَقَالَ لَا تُؤْذِ صَاحِبَ هٰذَا الْقَبْرِ وَلَا تُؤْذِهٖ . (رواہ احمد)

ترجمہ حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے دیکھا کہ میں ایک قبر سے تکیہ لگائے بیٹھا ہوں تو آپ نے مجھ سے فرمایا: "اس قبر والے کو تکلیف نہ دو"۔

زیارت قبور

(۳۴۷) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ فَزُوْرُوْهَا فَاِنَّهَا تُزَهِّدُ فِى الدُّنْيَا وَتُذَكِّرُ الْاٰخِرَةَ. (رواہ ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے تم کو زیارت قبور سے منع کر دیا تھا، اب (اجازت دیتا ہوں کہ) تم قبروں کی زیارت کر لیا کرو، کیوں کہ (اس کا یہ فائدہ ہے کہ) اس سے دنیا کی بے رغبتی اور آخرت کی یاد اور فکر پیدا ہوتی ہے۔ (سنن ابن ماجہ)

تشریح: شروع شروع میں جب تک کہ توحید پوری طرح عام مسلمانوں کے دلوں میں راسخ نہیں ہوئی تھی اور انہیں شرک اور جاہلیت سے نکلے ہوئے تھوڑا ہی زمانہ ہوا تھا، رسول اللہ ﷺ نے قبروں پر جانے سے منع فرما دیا تھا، کیوں کہ اس سے ان لوگوں کے شرک اور قبر پرستی میں مبتلا ہو جانے کا خطرہ تھا۔ پھر جب امت کا توحیدی مزاج پختہ ہو گیا اور ہر قسم کے جلی اور خفی شرک سے دلوں میں نفرت بھر گئی اور قبروں پر جانے کی اجازت دے دی اور یہ بھی واضح فرما دیا کہ یہ اجازت اس لئے دی جا رہی ہے کہ وہ دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی یاد اور فکر دلوں میں پیدا ہونے کا ذریعہ ہے۔ اس حدیث سے شریعت کا یہ بنیادی اصول معلوم ہوا کہ اگر کسی کام میں خیر اور نفع کا کوئی پہلو ہے اور اسی کے ساتھ کسی بڑے ضرر کا بھی اندیشہ ہے تو اس اندیشہ کی وجہ سے خیر کے پہلو سے صرف نظر کر کے اس کی ممانعت کر دی جائے گی، لیکن اگر کسی وقت حالات میں ایسی تبدیلی ہو کہ ضرر کا وہ اندیشہ باقی نہ رہے تو پھر اس کی اجازت دے دی جائے گی۔

(۳۴۸) عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُعَلِّمُهُمْ اِذَا خَرَجُوْا اِلَى الْمَقَابِرِ "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَاِنَّا اِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَلَاحِقُوْنَ نَسْئَلُ اللّٰهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ صحابہ کرامؓ کو تعلیم فرماتے تھے کہ جب وہ قبرستان جائیں تو اہل قبور پر اس طرح سلام بھیجیں اور ان کے لئے دعا کریں "السلام علیکم اہل الدیار" (سلام ہو تم پر ان گھروں والوں، اہل ایمان میں سے اور مسلمانوں میں سے، اور انشاء اللہ ہم تم سے آملنے والے ہیں۔ ہم اللہ سے دعا اور سوال کرتے ہیں اپنے لئے اور تمہارے لئے عافیت کا (یعنی چین اور سکون کا)۔ (صحیح مسلم)

(۳۴۹) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَرَّ النَّبِيُّ ﷺ بِقُبُوْرٍ بِالْمَدِيْنَةِ فَاَقْبَلَ عَلَيْهِمْ بِوَجْهِهٖ فَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا اَهْلَ الْقُبُوْرِ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ اَنْتُمْ سَلَفُنَا وَنَحْنُ بِالْاَثَرِ. (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا گزر مدینہ ہی میں چند قبروں پر ہوا، آپ نے ان کی طرف رخ کیا اور فرمایا "السلام علیکم یا اہل القبور" (سلام ہو تم

پڑاؤ والے قبر والو! اللہ تعالیٰ ہماری اور تمہاری مغفرت فرمائے، تم ہم سے آگے جانے والے ہو اور ہم پیچھے پیچھے آرہے ہیں۔ (جامع ترمذی)

تشریح — ان دونوں حدیثوں میں قبر والوں پر سلام و دعا کے جو کلمات وارد ہوئے ہیں، جن میں صرف الفاظ کا معمولی سا فرق ہے۔ ان میں ان کے واسطے بس سلام اور دعائے مغفرت ہے، اور ساتھ ہی اپنی موت کی یاد ہے۔ معلوم ہوا کہ یہی دو چیزیں کسی کی قبر پر جانے کا اصل مقصد ہونی چاہئیں، اور صحابہ کرام اور ان کے تابعین باالاحسان کا طریقہ یہی تھا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں انہی کے طریقے پر قائم رکھے اور اسی پر اٹھائے۔

اموات کے لئے ایصالِ ثواب

کسی کی موت کے بعد اس کی خدمت اور اس کے ساتھ حسنِ سلوک کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اس کے لئے مغفرت اور رحمت کی دعا کی جائے اور رحم و کرم کی بھیک مانگی جائے۔ جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے، نمازِ جنازہ کی خاص غرض و غایت بھی یہی ہے، اور زیارتِ قبور کے سلسلہ میں ابھی اوپر جو حدیثیں مذکور ہوئی ہیں ان میں بھی اصحابِ قبور کو سلام کے ساتھ ان کے لئے دعائے مغفرت بھی کی گئی ہے۔ دعائے خیر کے اس طریقے کے علاوہ اموات کی خدمت اور نفع رسانی کی ایک دوسری صورت رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی بتائی ہے کہ ان کی طرف سے صدقہ یا اسی طرح کا کوئی دوسرا عملِ خیر کر کے اس کا ثواب ان کو ہدیہ کیا جائے
ایصالِ ثواب اسی کا عنوان ہے۔ اس کے بارے میں ذیل کی حدیثیں پڑھئے!

۳۵۰) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ تُوُفِّيَتْ اُمُّهٗ وَهُوَ غَائِبٌ عَنْهَا فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اُمِّيْ تُوُفِّيَتْ وَاَنَا غَائِبٌ عَنْهَا اَيَنْفَعُهَا شَيْءٌ اِنْ تَصَدَّقْتُ بِهٖ عَنْهَا قَالَ نَعَمْ قَالَ فَاِنِّيْ اُشْهِدُكَ اَنَّ حَائِطِيَ الْمِخْرَافَ صَدَقَةٌ عَلَيْهَا. (رواه البخارى)

ترجمہ — حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سعد بن عبادہ کی والدہ کا انتقال ایسے وقت ہوا کہ خود سعد موجود نہیں تھے (رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک غزوہ میں گئے ہوئے تھے، جب واپس آئے) تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (ﷺ) میری عدم موجودگی میں میری والدہ کا انتقال ہو گیا تو اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں تو ان کے لئے نفع مند ہوگا؟ (اور ان کو اس کا ثواب پہنچے گا) آپ نے فرمایا، ہاں پہنچے گا۔ انہوں نے عرض کیا۔ تو میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ اپنا باغ (مخراف) میں نے اپنی مرحومہ والدہ کیلئے صدقہ کر دیا۔ (صحیح بخاری)

تشریح — یہ حدیث جیسا کہ ظاہر ہے کہ ایصالِ ثواب کے مسئلہ میں بالکل واضح ہے۔ قریب قریب اسی مضمون کی ایک حدیث صحیح بخاری و صحیح مسلم دونوں میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے بھی مروی ہے، اس میں حضرت سعد کا نام نہیں ہے، لیکن شارحین نے لکھا ہے کہ اس کا تعلق بھی اسی واقعہ سے ہے۔

۳۵۱) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّ الْعَاصَ بْنَ وَائِلٍ اَوْصٰى اَنْ يُّعْتَقَ عَنْهُ مِائَةُ رَقَبَةٍ فَاَعْتَقَ

اِبْنُهُ هِشَامٌ خَمْسِيْنَ رَقَبَةً فَاَرَادَ اِبْنُهُ عَمْرٌو اَنْ يُعْتِقَ عَنْهُ الْخَمْسِيْنَ الْبَاقِيَةَ فَقَالَ حَتّٰى اَسْاَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَاَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اَبِيْ اَوْصٰى بِعِتْقِ مِائَةِ رَقَبَةٍ وَاِنَّ هِشَامًا اَعْتَقَ عَنْهُ خَمْسِيْنَ وَبَقِيَتْ عَلَيْهِ خَمْسُوْنَ رَقَبَةً اَفَاُعْتِقُ عَنْهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّهُ لَوْ كَانَ مُسْلِمًا فَاَعْتَقْتُمْ عَنْهُ اَوْ تَصَدَّقْتُمْ عَنْهُ اَوْ حَجَجْتُمْ عَنْهُ بَلَغَهُ ذٰلِكَ. (رواہ ابو داؤد)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے دادا عاص بن وائل نے (جن کو اسلام نصیب نہیں ہوا اپنے بیٹوں کو) وصیت کی تھی کہ ان کی طرف سے سو غلام آزاد کیے جائیں۔ (اس وصیت کے مطابق ان کے ایک بیٹے) ہشام بن العاص نے اپنے حصے کے پچاس غلام آزاد کر دیے۔ (دوسرے بیٹے) عمرو بن العاص نے بھی ارادہ کیا کہ وہ بھی اپنے حصے کے باقی پچاس آزاد کر دیں، لیکن انہوں نے طے کیا کہ میں رسول اللہ سے دریافت کر کے ایسا کروں گا۔ چنانچہ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میرے والد نے سو غلام آزاد کرنے کی وصیت کی تھی اور میرے بھائی ہشام نے پچاس اپنی طرف سے آزاد کر دیے اور پچاس باقی ہیں تو کیا میں اپنے والد کی طرف سے وہ پچاس غلام آزاد کر دوں؟۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تمہارے والد اسلام و ایمان کے ساتھ دنیا سے گئے ہوتے پھر تم ان کی طرف سے غلام آزاد کرتے، یا صدقہ کرتے یا حج کرتے، تو ان اعمال کا ثواب ان کو پہنچ جاتا۔

—— یہ حدیث بھی مسئلہ ایصال ثواب کے بارے میں بالکل واضح ہے۔ اس میں صدقے کے ذریعے ایصال ثواب کے علاوہ حج کا بھی ذکر ہے اور اسی حدیث کی مسند احمد کی روایت میں بجائے حج کے روزہ کا ذکر ہے۔

بہر حال اس حدیث سے یہ بات اصول اور قاعدے کے طور پر معلوم ہوئی کہ اموات کو ان سب اعمال خیر کا ثواب پہنچایا جا سکتا ہے لیکن ایمان و اسلام شرط ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے فائدہ اٹھانے کی توفیق دے۔

فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ وَعَلٰى رَسُوْلِهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ